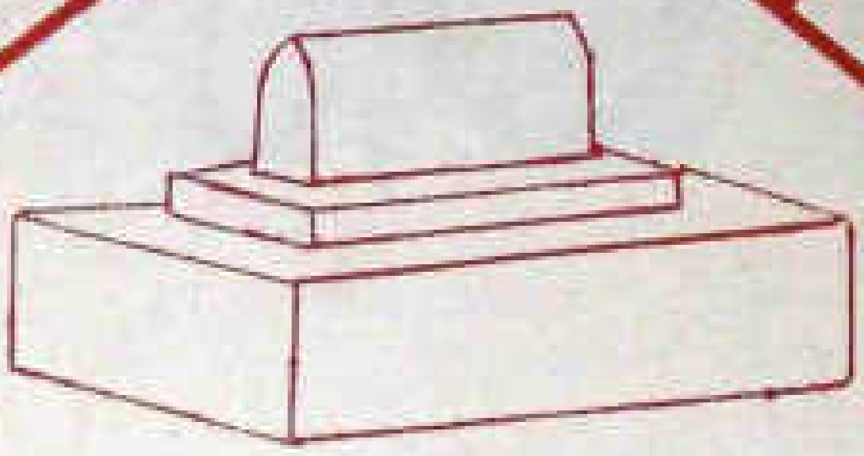

تاریخ

حسن مجتبیٰ

علیہ السلام

KUTUB [illegible] - E - HAIDRI,
[illegible], Nawabpur Road,
DACCA.

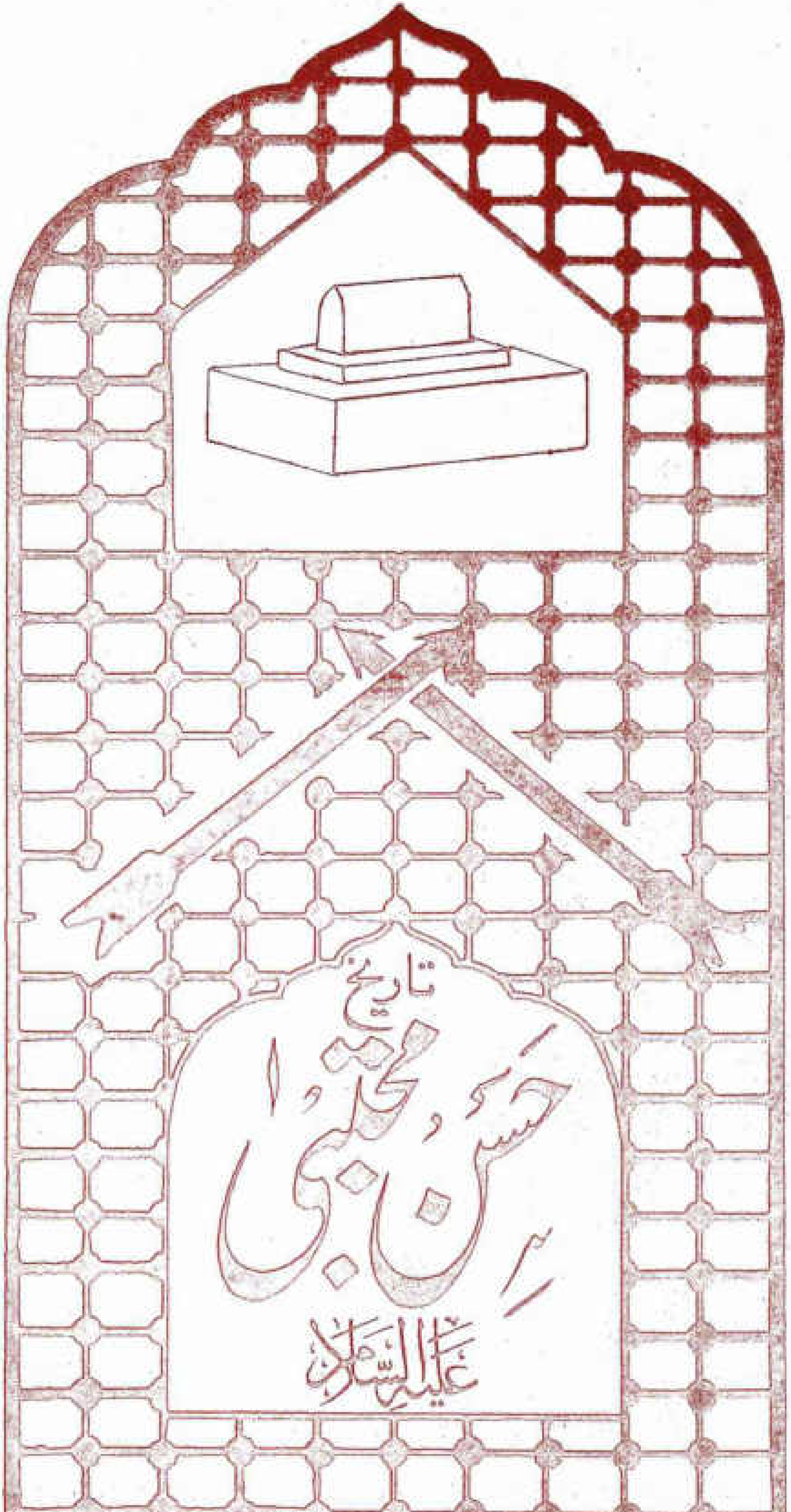
تاریخ
حسن مجتبیٰ
علیہ السلام

تاریخ

تاریخ حسنِ مجتبیٰؑ

سلسلہ پنجسالہ منصوبہ

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

تاریخ حسن مجتبیٰ ع

تحریر

مولانا پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

ناشر

مکتبہ امامیہ لاہور

طباعت بار اوّل　　اکتوبر ۱۹۶۳ء
تعداد اشاعت　　ایک ہزار
مطبع　　نامی پریس لاہور
قیمت : مجلد آٹھ روپے
ناشر : مکتبۂ امامیہ۔ اُردو بازار پوسٹ بکس نمبر ۲۸۵
—— لاہور ——

عرضِ ناشر

انسانی زندگی کو اپنے راستے میں طرح طرح کے گرم و سرد حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے ایسے رہنماؤں کی سیرت و زندگی کے مطالعے کی ضرورت ہے جنھیں اپنے نفس پر قابو حاصل تھا۔

آلِ محمد علیہم السّلام میں یکے بعد دیگرے جو امام آتے رہے ان سب کی مجموعی سیرت ایک جامعِ انسانیت اور اخلاق کی کتاب ہے جس میں کہیں شجاعت کے مظاہرے ہیں، کہیں علم کے، کہیں سخاوت کے کارنامے ہیں کہیں حکمت کے نمونے ہیں کہیں علم و معرفت کے۔ چونکہ ان حضرات کو حالاتِ زمانہ یکساں نہیں ملے تھے بلکہ مختلف حالات سے سابقہ پڑا اور ہر حالت کے موافق ان کو بہترین طرزِ عمل اختیار کرنا پڑا اس لیے نوعِ انسانی کی بہتری کے لیے ان میں سے ہر فرد کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ لازم ہو گیا۔ کہ بغیر اس کے مطالعے کے انسانیت کا کوئی ایک گوشہ تشنۂ ہدایت رہ جاتا ہے اس لیے امامیہ مشن پاکستان نے یہ طے کیا ہے کہ ان ذواتِ مقدس کے

بارے میں معیاری اور تحقیقی لٹریچر شائع کیا جائے۔

زیر نظر گرانقدر تحقیقی پیشکش کتاب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبط اکبر شہزادۂ صلح سرکار امن و آشتی حضرت امام حسن علیہ السلام کی حیات طیبہ کے مختصر تعارف پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف ملت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار اہل قلم اور لاثانی خطیب ہیں۔ ممدوح کو زبان و قلم پر پورا پورا عبور حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس کتاب میں وہ تمام خوبیاں یک جا ملیں گی جن کی آپ توقع کر سکتے ہیں۔

فاضل مؤلف نے اس کتاب کی تدوین میں بڑی محنت اور ریسرچ فرمائی ہے اور انھوں نے ان تمام اعتراضات کی تردید بڑے احسن طریق پر کی ہے جو بنی امیہ کے مکروہ پروپیگنڈے کی وجہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات اقدس پر وارد کیے جاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

امید ہے کہ آپ ہماری اس خدمت کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

ناشر

ترتیب

عرضِ ناشر ، ۵
تقریظ ، ۹
تعارف ، ۱۳
امامت شیعہ نقطۂ نظر سے ، ۲۷
کنیّت ، اسم ، حلیہ مبارک ، القابات ، ۷۳
ولادت باسعادت ، ۱۰۷
محبت سرکار رسالت اور امام حسنؑ ، ۱۱۳
حضرت امام حسنؑ کا زمانۂ طفولیت ، ۱۳۲
عبادات ، ۱۵۴
علم و حکمت ، ۲۴۵
حضرت امام حسنؑ کے اقوالِ حکیمانہ ، ۲۶۵
خطوط و خطبات و مکالمات ، ۲۸۳
امتیازات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام ، ۳۲۷

افسانہ کثرت ازدواج ، ۳۳۱
امام حسنؑ کی زندگی کے مختلف ادوار ، ۴۲۰
دورِ خلافت امام حسنؑ ، ۴۶۲
صلح حسن ، ۴۸۰
شہادت سرکارِ صلح و امن حضرت امام حسنؑ ، ۵۳۹
امام حسنؑ کی تجہیز و تکفین ، ۵۸۲
اولاد و ازواج ، ۵۸۷

تقریظ

از فاضل جلیل مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

بسم اللہ ولا شریک لہ۔ وصلوٰۃ اللہ علی رسولہ
ولا نبی بعدہ۔ المعصومون من الخطایا والارجاس
والقائمون بھدایۃ الناس ۔ لا سیما علی
امام عصرنا، وولی امرنا۔ الحاکم بالحق
والناطق بالصدق۔ سیدنا ومولانا
وسمیّ نبینا۔ صلوٰۃ طیبۃ، نامیۃ
زاکیۃ۔ قدوم الی ظہورھا وتموالی سلطانہا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام پر سیرت نگاران امام علیہ السلام نے اب تک فقط اردو میں جو کچھ لکھا ہے، وہ الحمدللہ کم نہیں ہے۔ لیکن عصر حاضر کے زاویوں سے تاریخ کے اس باب پر لکھنے کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے

سائنس کے روز افزوں نتائج نے تاریخ کو داستان سے نکال حقائق زندگی کے لئے کارآمد بنا دیا ہے بال کی کھال نکالنے پانی کو دودھ کو دودھ کرنے عمل تاریخ میں جاری ہو چکا ہے۔ ابن خلدون کا مقدمہ۔ ٹائن بی کی نظریاتی بحثوں میں تحلیل ہو کرنئے مورخ ڈھونڈھ رہا ہے۔ حقائق ارباب قلم اور موضوع مصنفوں

کی تلاش میں بھر رہے ہیں۔ عصبیت، بے جا حمایت۔ مظلوم پر ستم گری کی روز افزوں یلغار، ناپسندیدہ پروپیگنڈوں کے پلندوں اور من گھڑت افسانوں کو کاٹ کر حقیقتوں کے آفتاب۔ شخصیتوں کے کردار ابھر رہے ہیں، مگر بہت سے لوگ ابھی تک غفلتوں کی نیند میں پڑے پرانے ڈھانچوں پر نئے قالب تیار کرنے کی فکر میں ہیں۔

باطنیوں کا لٹریچر ابھر رہا ہے آچکا۔ خارجیوں کے ارادے عریاں ہو چکے تاریخوں کے مغالطے حل کئے جا رہے ہیں۔ نئے مؤرخ نئی تاریخیں لکھ رہے ہیں عیار پرانے دفتروں میں کانٹ چھانٹ کر رہے ہیں ——— اور یہ عمل اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ پلک جھپکنے میں چیزیں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں؟ خبر بھی نہیں ہونے پائی۔

لائق ہزار تحسین ہیں وہ مردانِ راہ جو اس وقت باخبر ہیں۔ قابل قدر ہیں وہ مجاہد جو وقت کو روک کر نبرد آزما ہو رہے ہیں۔ اور پھر اس نزاکت ماحول میں کہ خیال خاطر احباب۔ اور حق کی تلخی؟ کارگہ شیشہ گری اور صداقت کا قلم خارا شگاف؟ دونوں کو نباہنا۔ دونوں کا خیال رکھنا جوئے شیر و بیستون کا معاملہ ہے وسعت نظر، فراخیٔ حوصلہ کے لئے لہجہ دلپذیر۔ اور زبان تاثیر آفرین ہو تو حقیقتیں دل میں اترتی ہیں۔ اور آنکھوں کے پردے اٹھتے ہیں۔

خطیب شیوا بیان۔ مصنف تاریخ امام حسن علیہ السلام جناب محترم و مکرم خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری مدظلہم العالی۔ قوم کے پرانے رہنما۔ اسٹیج کے مانے ہوئے مقرر۔ اور تصنیف و تالیف کے کہنہ مشق ماہر ہیں۔ چنانچہ اس

کتاب کے مواد، بحث کے انداز نتائج کے بیان، مسائل کی تحلیل اور تاریخ کے تجزیے میں جس مہارت و کمال کا مظاہرہ کیا ہے اسے اہل نظر ہی پرکھ سکتے ہیں میرے خیال میں گرامی قدر مؤلف نے انتہائی خلوص، انتہائی احتیاط، اور ممکن حد تک جانچ پڑتال میں کمی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ اتنے معلومات اتنے ذخیرے اور اس سلیقے اور حسن ترتیب سے یہ پیشکش تاریخ و سیرت کے طالب علموں، اور حقائق و معارف کے خوشہ چینیوں کے لئے ایک بہترین ارمغان اور مفید ترین سرمایہ بصیرت ہے

میں اس کتاب کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہوا اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم جناب خواجہ صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے

بحق محمد و آلہ النجباء

حقیر

مرتضیٰ حسین عفی عنہ

۱۱ شعبان ۸۲ھ

تاریخ حسن مجتبیٰؑ

تعارف

ولی ذوالمنن حضرت حسن آں سرور خوباں
کہ ہر چیز از عدم با قدرتش ممکن ز امکاں شد
نہ ہے سودائے باطل کے توانم مدح آں شاہے
کہ مداحش خدا را وی پیمبر مدح قراں شد

(وقائی شوشتری)

سرکار امن امام حسن علیہ السلام کا تعارف انسان کی زبان اور انسانی دل و دماغ کیا کرا سکتا ہے۔ اس تعارف کے لیے اللہ کا کلام ماینطق عن الہوٰے کی زبان ہی بہترین کفیل ہو سکتے ہیں۔ کون امام حسنؑ؟ جن کا تعارف قرآن مجید ان الفاظ میں کرا رہا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۚ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ

(الرحمن ایت ۱۹ تا ۲۲ پ ۲۷)

اللہ نے دو دریا بہا دیئے وہ باہم ملتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتا

ان دونوں سے موتی اور مونگا یا چھوٹا موتی برآمد ہوتا ہے۔
حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے کہ علی و فاطمہ دو بحرِ عمیق ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے دوسرے رفیق پر زیادتی نہیں کرتا۔ اور موتی اور مونگے یا چھوٹے موتی سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ مراد ہیں۔

(تفسیر دُرِّ منثور جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ و صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ مصر)

امام حسنؑ وہ گوہر عصمت و طہارت، اور جواہر پارۂ امامت و ولایت ہیں جو علی و فاطمہ علیہما السلام جیسے والدین سے ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو مدینہ طیبہ جیسی ارض مقدس میں پیدا ہوئے۔

انکے والد ماجد کون؟ علی مرتضیٰؑ وہ علی جو وقت بعثت سب سے پہلے تصدیق رسالت فرما کر سابق الاسلام کہلائے[۱] اور وقت ہجرت اپنی جان بیچ کر مرضات الٰہی حاصل کرنے والے ہیں۔[۲] وہ علی جو ہر غزوہ میں سرکار رسالتؐ کے علمبردار ہیں[۳]، جو غزوۂ بدر میں کفر کی گردن توڑ کر بدر کا ہیرو کہلائے[۴]، جو اُحد کے میدان میں جبکہ رسول اللہ کے ساتھی ساتھ چھوڑ گئے تھے ثابت قدم جان نثار ہیں[۵] اور عرصۂ لافتیٰ[۶] کے شاہ سوار ہیں جو غزوۂ احزاب (خندق) میں کل ایمان ہیں[۷]، عمرو بن عبدود کے قاتل اور جن کی ایک ضرب عبادۃ الثقلین[۸]

---

[۱] استیعاب۔ ارجح المطالب صفحہ ۳۸۹ [۲] تفسیر ثعلبی۔ [۳] فردوس الاخبار دیلمی ارجح المطالب ۴۶۳ ترمذی و استیعاب [۴] سیرۃ النبی شبلی جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ صفحہ ۲۷۶ [۵] سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۷۔ [۶] ریاض النضرہ۔ [۷] حیٰوۃ الحیوان، مناقب خوارزمی۔ روضۃ الاحباب [۸] ارجح المطالب صفحہ ۱۸۶۔

سے بڑھی ہوئی ہے وہ علی جو غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی پے در پے شکستوں کے بعد اسلام کی لاج رکھنے والے فاتح خیبر ہیں[۱] جو حدیبیہ میں کاتب صلح نامہ اور رسول اللہؐ کے سکرٹری ہیں[۲]۔ وہ علی جو غزوۂ حنین میں اس وقت جبکہ بہادری میں شہرت رکھنے والے بھی میدان خالی کر گئے تھے کفّار و مشرکین کو آخری شکست دینے والے ہیں[۳] جو فتح مکہ کے دن دوشِ رسالت پر سوار ہو کر مہر نبوت کا نگینہ بن کر بت شکنی کے فریضہ کو انجام دے رہے ہیں[۴] اور اللہ کے گھر اور مرکز توحید، قبلہ انام کو بتول کی نجاست سے پاک کرنے والے ہیں اور تبوک میں رسول اللہؐ کے جانشین اور خلیفہ بن کر رسول اللہ کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے رہے ہیں[۵]۔ اور مکہ میں محضر سورۂ برات پر اہلبیت کی مہر ثبت کر کے علی منی وانا منہ کے اعلان سے سرفراز و سربلند ہیں[۶]، وہ علی جن کو تاریخ اسلام سے جدا نہیں کیا جاسکتا، ان کے کچھ ایسے امتیازات ہیں جن میں یہ منفرد ہیں۔ علی کی پیشانی کبھی بتوں کے آگے نہیں جھکی اس لئے امتیاز "کرم اللہ وجہہ" سے ممتاز ہیں[۷] سب صحابہ کے دروازے مسجد نبوی سے بند ہو گئے مگر ان کا دروازہ مسجد میں کھلا رہنا ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان کر رہا ہے[۸]۔ اور ان کی بیت اللہ میں ولادت ان کے ہر رجس سے پاک ہونے کا عملی اظہار ہے[۹]

---

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۸۵/۳۸۶ تاریخ کامل تاریخ طبری خصائص نسائی مستدرک [۲] حبیب السیر، مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [۳] تاریخ خمیس روضۃ الاحباب سیرت ابن ہشام مواہب الدنیہ فتح الباری [۴] مدارج النبوۃ حبیب السیر [۵] بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ مناقب علی مسلم جز صفحہ ۱۲۰ سنن ابن ماجہ صفحہ ۵۵ استیعاب وغیرہ [۶] خصائص نسائی فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۳۵ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق: صفحہ ۱۱۶ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹/۲۱۰ [۷] تفسیر درمنثور سیوطی طبقات ابن سعد، استیعاب حلیفہ ارجح المطالب صفحہ ۴۰

آیۂ تطہیر[1] اور وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ[2] ان کی عصمت کے شاہدِ عادلین ہیں، سورۂ دہر ان کے ایثار و قربانی کی یادگار ہے[3] اور آیۂ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ[4] ان کے برزخِ خالق و مخلوق اور ان کے وسیلۂ خدا ہونے کی ناطق گواہ ہے ان کا قدم کبھی میدانِ جہاد سے پیچھے نہیں ہٹا اس لیئے کرار غیر فرار ہیں، آیۂ نجویٰ ان کی سخاوت اور ان کے شغف دین کی دلیل ہے[6]۔ قُلْ كَفٰى اور شاہد منہ ان کے قرآن ناطق ہونے کی گواہی ہے[5]۔ ہر میدان میں فتح نے ان کے قدم چوم لیے ہیں اس لیے لا فتیٰ اِلّا علی لا سیف اِلا ذوالفقار[7] ان کا اور ان کی تلوار کا کلمۂ شجاعت ہے خطیبِ منبرِ سلونی قبل ان تفقدونی ہیں اس لئے علمِ لدنّی کے تاج سے سرفراز ہیں غرضیکہ امام حسنؑ ایک عظیم الشان باپ کے عظیم الشان فرزند ہیں۔ امام حسنؑ کی ماں وہ ماں فصحتہ الرسولؐ کہ اگر علی نہ ہوتے تو کائنات میں کوئی ان کا کفو نہ تھا۔ ان کی جلالتِ شان کی اس سے بڑھکر کیا دلیل ہوگی کہ ان کی تعظیم کے لئے اللہ کے حبیب، سیدالمرسلین خاتم الانبیاء، سب سے بزرگ بعد از خدا اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ کے ایما سے اللہ کی زبان وحی ترجمان نے ان کا نام فاطمہ رکھا جس کے معنی اپنی اولاد اور اپنے غلاموں کو جہنم سے چھڑانے والی ہے[8]۔ اس عظمت و جلال کا کیا کہنا کہ سرکارِ رسالت کا ایک حصہ ہیں اور جزو نبوت

---

[1] خصائص نسائی، حاکم، ارجح المطالب صـ۱۲۱ [2] مستدرک حاکم وغیرہ [3] تفسیر درمنثور سیوطی [4] نزول الاسباب واحدی تفسیر کشاف [5] تفسیر ثعلبی، تذکرہ خواص الامہ، مناقب اخطب خوارزم [6] تفسیر ثعلبی و نزول الاسباب واحدی ارجح المطالب [7] فرائد تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صـ۹۶ مطبوعہ مصر [8] ریاض النضرہ [9] مسند بزاز ارجح المطالب صـ۲۴۲ [10] صحیح بخاری [11] فردوس الاخبار دیلمی ارجح المطالب صـ۲۴۰ [12] تفسیر درمنثور سیوطی

ہیں جس پر فاطمۃ بضعۃ منی گواہ ہے، کیوں کہ یہ صنف نسواں کے لئے اسی طرح اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل ہیں جس طرح صنف رجال کے لئے محمد مصطفٰے ارواحنالہ الفدا ہیں عصمت کبرٰے ہیں جس پر آیۂ تطہیر کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ اللہ نے قیامت تک کے لئے رشد و ہدایت ان کے بطن اقدس سے وابستہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کو عدل و انصاف سے پر کرنے والا رسالت کا آخری جزو اور اسلام کو ادیان عالم پر غلبہ دینے والا حجت خدا، قائم آل محمدؑ مہدی موعود عجل اللہ فرجہٗ بھی فاطمہ کا بیٹا ہے المختصر امام حسنؑ ایسی عظیم الشان ماں کے عظیم الشان فرزند ہیں۔

اتنے عظیم الشان ماں باپ، اتنے جلیل الشان والدین کے باوجود اللہ کی زبان نے آیۂ مباہلہ[۱] میں انہیں ابنا ءنا کے امتیاز سے ممتاز فرما کر دنیا کو بتلا دیا کہ یہ سید المرسلین خاتم الانبیا کے بیٹے ہیں اللہ نے ان کی ابنیت رسولؐ کا قرآن میں اعلان فرمایا، حسنینؑ ہی ابنائے رسول ہیں رسول اللہؐ امت میں سے کسی مرد کے باپ نہیں حالانکہ ان کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔ یہ عجیب ہے کہ بیویاں امت کی مائیں مگر ان کا شوہر باپ نہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ کی ابوت کو حسنینؑ کے لئے مخصوص رکھنا چاہتا ہے، اور اس میں کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا، یہ ماں باپ سے بڑھکر نانا کے فرزند ہیں وہ نانا جو رحمۃ اللعالمینؐ ہیں اور حسنینؑ اس رحمت کے دو حصے کفلین من الرحمۃ ہیں، قرآن مجید نے انہیں کفلین من الرحمۃ کے لقب سے یاد فرمایا

---

[۱] مسلم، ترمذی۔ خصائص نسائی ارجح المطالب صہ۵۵

ہے۔ کون امام حسنؑ۔ سیادت جن کا حصّہ ہے، انہیں سیادت ورثہ میں آئی ہے۔ اور انہوں نے سیادت کو اپنے اعمال و کردار سے بھی حاصل کیا ہے نانا سیّد المرسلین ہیں تو ماں سیدۃ النساء العالمین باپ اگر سید اولیا ہیں تو نانی سیدۃ النساء جس کی دولت و ثروت کے زیر سایہ اسلام پھولا پھلا اور بڑھا۔ دادا یعنی محسن اسلام حضرت ابو طالب عمران، جنہوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنے آغوش عاطفت میں پرورش کیا اور اپنے بیٹوں سے بڑھکر پالا، جس کے وقار کے زیر سایہ اسلام نے اپنی ابتدائی منازل نشو وارتقا کو طے کیا "سید القریش" ہیں۔ پردادا عبد المطلب سید البطحا ہیں یہ خود اور ان کے بھائی سرکار شہادت امام حسینؑ جوانان بہشت کے سید و سردار ہیں، وہ جنت جس میں انبیاؑ مرسلینؑ بھی ہوں گے اور اوصیاؑ و اولیا بھی ان کی اس سیادت کا اعلان بتلا رہا ہے کہ نانا۔ باپ اور ماں کے سوا یہ افضل کائنات اور خیر البشر ہیں۔ کون امام حسنؑ؟ جو آل ابراہیم بھی ہیں اور آل عمران بھی اور تاج اصطفا سے سرفراز و سربلند بھی کون امام حسنؑ؟ جو عبد اللہ بھی ہیں اور ولی اللہ بھی۔ المولود فی شہر اللہ بھی ہیں اور الشہید فی سبیل اللہ بھی۔ الہادی بامر اللہ بھی ہیں اور التابع المرضات اللہ بھی، وارث کتاب اللہ بھی ہیں اور امام منصوص من اللہ بھی، جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال تین دفعہ لٹا دیا۔ اور دو دفعہ اپنا آدھا مال مساکین و یتامیٰ دارا مل (بیواؤں) میں تقسیم کر دیا، وہ امام حسنؑ جنہوں نے پچیس حج پا پیادہ کیئے، جن کے خوف و خشیتہ کا یہ عالم تھا، کہ جب وضو کرتے تھے تو آپ کے بدن کا جوڑ جوڑ خوف

الٰہی سے کانپنے لگتا تھا۔ اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ اس پر آپ فرماتے تھے۔ جو شخص اپنے معبود جلیل کے سامنے کھڑا ہو اس کا یہی حال ہونا چاہیئے

وہ امام حسنؑ جسے اشرف اولاد آدم سرور دو عالم محمد مصطفےٰؐ ارواحنا لہٗ الفدا اپنے کاندھوں پر سوار کرکے خود نعم المرکب بنتے تھے اور انہیں نعم الراکب بناتے تھے وہ امام حسنؑ جو صغر سنی اور بچپن میں لوح محفوظ کے مطالعہ سے مفتخر و ممتاز تھے [1]

وہ امام حسنؑ جو اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے تھے اور اس وقت تک کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک یہ معلوم نہ کرلیں کہ مدینہ میں کوئی مسکین کوئی یتیم فاقہ سے نہیں ہے، جو سواری سے اتر کر مساکین و فقراء میں زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور انہیں اپنے علوم لدنیہ اور معصومانہ اخلاق سے مستفیض فرماتے تھے۔ وہ امام حسنؑ جو دن میں اکثر روزہ سے ہوتے تھے اور راتوں کو عبادت الٰہی میں کھڑے رہتے تھے۔ وہ امام حسنؑ جنہوں نے انسانی درد دل سے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا اور آتش پیکار کو اپنے ایثار و قربانی سے بجھا دیا جن کے متعلق فلسفۂ اسلام کے ترجمان علامہ اقبالؒ کہتے ہیں :-

آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم!
تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پا زد بر سر تاج و نگین

وہ امام حسنؑ جن کے متعلق سرکار رسالت کی زبان وحی ترجمان نے ارشاد فرمایا تھا۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہر حالت میں امام ہیں خواہ ان میں سے کوئی

---

[1] الکبیر طبرانی ارجح المطالب ص۳۰۰

تلوار لے کر معاندین سے جنگ کے لئے کھڑا ہو جائے یا اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے معاہدہ التوائے جنگ کر کے گوشۂ عزلت میں بیٹھ جائے۔

امام حسنؑ پر اعتراض کرنا بہت آسان ہے اور انہیں سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انہیں وہی سمجھ سکتا ہے جس کے سینہ کو توفیقات الٰہیہ نے علم و عرفان سے روشن اور منور کیا ہو۔ ان کے متعلق فارسی کے ایک جملہ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔

" اقوال و اعمال اہل بیت فہمیدن دشوار است نہ کہ برآں اعتراض کردن"

انہیں وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل و دماغ کو قرآن کے نور و ضیا نے روشن کیا ہو انہیں وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں مودّت قربیٰ کی شمع روشن ہو، جو حدیث ثقلین سے رہنمائی حاصل کر رہا ہو اور جو اہل بیت کے سفینۂ نوح پر سوار ہو، ایسے افراد انہیں کیا سمجھیں گے جن کے دل و دماغ پر سیاست امویہ کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہوں یہ اہل اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ سورۂ دھر خمسہ نجبا یعنی پنجتن پاک محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ کے شان میں نازل ہوئی۔ ان ذوات قدسیہ کے متعلق جن میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (دھر)

اے محمدؐ و آل محمدؐ تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔

"ما" نافیہ کے بعد "اِلاّ" حصر کا فائدہ دیتا ہے، آیت کا مطلب صاف ظاہر ہے آل محمدؐ کی مشیّت اللہ کی مشیّت، آل محمدؐ کی رضا اللہ کی رضا، زبان عصمت نے فرمایا رضاء اللہ رضانا۔ اہل بیت ہم اہل بیت کی رضا وہی ہے جو اللہ کی رضا ہے اب اگر ہم رسول اللہؐ کی طرح صلح کریں جیساکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ کے مقام پر کیا تو ان کا صلح کرنا رضاء اللہ ومشیت معبود ہے اگر رسول اللہؐ کی طرح تلوار اٹھا کر بدر وحنین، اُحد وخندق خیبر وموتہ میں اتر پڑیں تو ان کا جہاد مشیّت اللہ وجہاد فی الصراط المعبود ہے ان ذوات قدسیہ کو اپنے نفس پر قیاس کرنا نہیں چاہیئے۔ یہ حضرات ذاتی اغراض کے لیے کسی سے تصادم نہیں رکھتے۔ ان کی لڑائی بھی اصول شریعت اور مذہب کے لئے ہوتی ہے امام حسن علیہ السلام کے صلح کی شرائط کے متعلق علامہ ابن حجر مکّی نے صواعق محرقہ لابن حجر میں لکھا ہے:۔

۱۔ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا وسنت رسول اور صحیح رستہ پر چلنے والے خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل کرے گا۔

۲۔ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہیں ہو گا

۳۔ شام وعراق و حجاز ویمن میں سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہو گی۔

۴۔ حضرت علی کے اصحاب وشیعہ جہاں کہیں بھی رہیں ان کے جان و مال وناموس واولاد محفوظ رہیں گے۔

۵۔ معاویہ۔ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ اور کسی کو بھی خاندان

اور دیانت سے عمل کرتا جیسا کہ اس نے نہیں کیا تو سرکار امن کی بدولت مسلمانوں کی سلطنت میں امن و صلح کی فضا پیدا ہو جاتی اور مسلمانوں کی تاریخ وہ نہ ہوتی جواب ہے حضرت امام حسن علیہ السلام جو بقول سرکار رسالت لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اور بقول قرآن مشیّت پر نظر رکھنے والے تھے جانتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہو گا تاہم آنے والی نسلوں کے لئے یہ معاہدہ تاریخ میں درج ہو کر تاریخی اتمام حجت بنے گا اور امام حسین علیہ السلام کے شاہکار المیۂ کربلا کے لئے راستہ ہموار ہو جائے گا اور سلیم الفطرت انسان سمجھ جائیں گے کہ خاندان رسالت نے قیام امن میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور آخر انہیں مجبور ہو کر بقائے اسلام اور بقائے شریعت اسلامیہ کے لئے میدان کربلا میں جنگ کرنا پڑی اس سلسلہ میں آنریبل جسٹس سر امیر علی اپنی شہرۂ آفاق انگریزی تالیف "سپرٹ آف اسلام" SPIRIT OF ISLAM میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت علی کا ہمیشہ ہی نصب العین رہا کہ بلا وجہ جنگ، فساد اور خونریزی نہ ہو اور جب بعد رسول آپ نے تلوار اٹھائی تو وہ بحالت مجبوری دفاع کے لئے تھی امام حسنؑ نے مسلمانوں کا دنیا کی طرف میلان دیکھا تو پہلے تو افہام و تفہیم کا دروازہ کھولا اپنے حقوق بتلائے اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی لیکن جب انہوں نے نہ مانا تو آپ نے صلح فرمالی چونکہ معاویہ سے ویسی کھلم کھلا مذہبی بے اعتدالیاں ابھی سرزد نہیں ہوئی تھیں

جیسی کہ بعد میں یزید بن معاویہ سے ہوئیں اس لیئے
آپ خاموش رہے ورنہ یقیناً آپ وہی کر جاتے جو
چند سال بعد حضرت حسینؑ ابن علیؑ کو یزید کے مقابہ میں
کرنا پڑا اور دنیا کو حسینؑ اور یزید کا واقعہ بیان کرنے
کے عوض حسنؑ اور معاویہ کا واقعہ بیان کرنا پڑتا۔"

اللہ اللہ اس قدر صلح پسندی اس قدر امن دوستی اس قدر اس قدر ایثار و قربانی اور اس قدر رواداری کے باوجود بھی اموی سیاسی چالوں نے شاہزادہ امن و سرکار صلح حضرت امام حسن مجتبےٰ اروا حنالہ الفدا کو گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے نہ دی اور جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ انہیں زہر دلا کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعد شہادت جب ان کے بھائی امام حسین علیہ السلام نے انہیں روضۂ رسولؐ میں دفن کرنا چاہا تو انہیں روک دیا گیا بلکہ ان کے جنازہ پر تیر چلا کر انتہائی فسادت و عناد کا ثبوت دیا

مگو صلح کہ از شمشیر خوردن سخت تر بودش
چو او با زادۂ سفیان قرین عہد و پیمان شد
مگوئید آب کز آتش بسے سوزندہ تر بودش
ہمان آبے کزان مرغ دلش در سینہ بریان شد
دو سبط مصطفےٰ دادند جان از آب و بے آبی
ز بے آبی حسین امّا حسنؑ از آب بیجان شد
حسین پیش از شہادت گر نشان تیر شد امّا

حسن بعد از شہادت نعش پاکش تیر باران شد
وفائی گر زغمہائش بگوید تا صف محشر
بیان کے میتوا ند زان یکے از صد ہزاران شد

علّامہ فتح اللہ وفائی شوستری طاب ثراہ)

نوٹ :۔

اس کتاب میں جہاں ہم صلح کا لفظ لائیں گے وہ عرف عام کے لحاظ سے صلح ہے ورنہ حقیقتہً وہ معاہدۂ جنگ بندی یا معاہدہ التوائے جنگ تھا۔ اس کے بعد گرم جنگ سرد جنگ میں تبدیل ہو گئی جس میں امام حسن علیہ السلام نے اپنی سیاست ربانی سے فتح مبین حاصل کی

محمد لطیف انصاری

امامت شیعی نقطہ نگاہ سے

لغت کے لحاظ سے امامت کے معنی ہیں:۔ الامامۃ الریاسۃ العامۃ۔ (المنجد عربی ص۱۷) امامت ریاست عامہ ہے۔

الامامۃ: امامت، پیشوائی، ریاست عامہ

(المنجد۔ عربی۔ اردو)۔

اور امام کے معنی ہیں۔ الامام للمذکر والمؤنث ج ایمۃ و ایمۃ من یوتم بہ ای یقتدی بہ وما یتمثل علیہ المثال الطریق الواضح، الخیط علی البناء لیسبنی مستقیماً (المنجد عربی ص۱۷) امام مذکر ومؤنث دونوں کے لئے) جمع ائمہ وائمۃ پیش امام وہ جس کی اقتدا کی جائے پیشوا، نمونہ، واضح راستہ، معمار کا وہ دھاگا یا ڈوری جس سے وہ عمارت کی سیدھ قائم کرتا ہے۔

الامام ھو المتقدم بالناس

یعنی امام لوگوں کے پیشوا کو کہتے ہیں۔

لغت کے ان تمام معنی کے لحاظ سے امامت کے لئے کچھ خصوصیات

وامتیازات کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ہے کہ ریاست عامہ کے لئے رئیس عوام سے ممتاز ہونا چاہیئے اور پیشوا کا عوام میں سے صفات عالیہ میں چیدہ و منتخب ہونا ازبس ضروری ہے۔ عمل کے لئے نمونہ عمل بہترین ہو اور معمار ملّت وہی ہو سکتا ہے جو دین کی ڈوری کو سیدھا رکھ سکے سچ ہے کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا میرود دیوار کج

ان تمام امور کے پیش نظر شیعی علم کلام میں محققین علمائے شیعہ نے امامت کی اصطلاح کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

الامامة هی الریاسة العامة الالهیه خلافة عن رسول الله فی امور الدین والدنیا بحیث یجب اتباعه علی کافة الامة

امامت تمام خلق پر ریاست عمومیہ الٰہیہ ہے اور امور دین و دنیا میں رسول اللہ کی خلافت ہے اور تمام لوگوں پر اس کی متابعت واجب ہے۔

اس لئے فرقہ نماجیہ شیعہ نے اسے اصول دین میں قرار دیا ہے اہل سنت نے اگرچہ نمایاں طور پر اسے اصول مذہب میں نہیں رکھا مگر حقیقت میں ان کے علمائے محققین نے شیعہ کے اس عقیدہ کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ ان کے مشہور مفسر قاضی بیضاوی نے خود منہاج الاصول میں اخبار کی بحث کے ضمن میں اس اصول کو نہایت صراحت سے ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

ان الامامة من اعظم مسائل اصول الدین التی مخالفتها توجب الکفر والبدعة۔

حقیقۃً امامت اصول دین میں بہت بڑی بنیادی چیز ہے کہ جس کی مخالفت موجب کفر و بدعت ہے۔

ملّا علی قوشجی اپنی شرح تجرید میں بحث امامت کے تحت عنوان کہتے ہیں:۔

ھی ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا خلافۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امامتِ امور دین و دنیا میں ریاستِ عمومی ہے اور نبوت کی جانشینی ہے۔

اور سراپا تعصب قاضی روزبہان نے بھی ان معنٰی کو نقل کیا ہے کہ امامت ریاست امت اور نیابت و خلافت رسول اللہؐ ہے چنانچہ ان الفاظ یہ ہیں

الامامۃ عند الاشاعرہ ھی خلافۃ الرسول فی اقامۃ الدین وحفظ حوزۃ الملۃ بحیث یجب اتباعہ علی کافۃ الامۃ۔

اشاعرہ کے نزدیک امامت خلافت رسول ہے۔ دین کا برپا رکھنا اور حوزہ ملّت اسلام کی حفاظت ہے اور اس کی متابعت تمام امت پر واجب ہے۔

اگر امامت فروع دین سے ہوتی تو اس کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نہ فرماتے کہ جو شخص امام زمانہ کو نہ پہچانے اور مر جائے وہ اہل جاہلیت کے طریق پر مرا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو اکابر علمائے اہل سنت نے نقل کیا ہے مثلاً ؟ جمع بین الصحیحین اور علامہ سعد تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اور دوسروں نے بھی بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیہ؛

جو شخص مرجائے اور امام زمانہ کو نہ پہچانتا ہو پس بہ تحقیق وہ دین جاہلیت پر مرا ہے۔

یہ ظاہر اور نمایاں ہے کہ فروع میں سے کسی فرع کی عدم معرفت دین کے تزلزل کا سبب اور جاہلیت پر مرنا نہیں ہو سکتی جیسا کہ قاضی بیضاوی نے صریح طور پر کہا ہے کہ امامت کی مخالفت موجب کفر و بدعت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امامت اصول دین میں داخل ہے اور مقام نبوت کا تتمہ ہے۔

اس لحاظ سے امامت کے معنٰی میں بہت فرق ہے۔ اہل سنت اپنے علماء کو امام کہتے ہیں۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک امام شافعی امام احمد حنبل امام فخرالدین رازی، امام ثعلبی امام غزالی وغیرہ یہ اس عظیم المرتبت اصطلاح کے لحاظ سے امام نہیں ہیں۔ بلکہ عام لغوی اعتبار سے امام ہیں جو مختلف علوم و فنون میں عوام کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح لغت کے لحاظ سے ہمارے ہاں بھی امام جمعہ و جماعت ہوتے ہیں اس لغوی معنٰی میں بہت وسعت ہے اور ایسے

امام ایک ہی زمانہ میں ہزاروں ہو سکتے ہیں۔

لیکن وہ امامت خاصہ کہ جسے اصطلاحی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جس میں ریاست عامۂ مسلمین کی ذمہ داری ہے تو اس عہدہ پر فائز امام تو ہر زمانے میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور ضروری ہے کہ وہ تمام صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ کا مجموعہ ہو تمام بنی نوع انسان میں علم میں افضل بھی ہو انقٰی و اورع بھی ہو اشجع و اشرف بھی اور صاحب مقام عصمت بھی ہو اور یہ زمین اس کے وجود سے تا روز قیامت خالی نہ رہے اور ظاہر ہے کہ ایسا امام جو تمام صفات عالیہ انسانیہ کا جامع ہو اس کا مقام بالاترین مقامات روحانیت ہو سکتا ہے اور ضروری ہے کہ ایسے امام کا تقرر حق تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص ہو۔ اور تمام خلائق میں ارفع و اعلیٰ ہو۔ اس کا مقام نبوت عامہ سے بلند و برتر ہو۔ چنانچہ اس حقیقت پر قرآنی استدلال موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ سورہ بقرہ میں ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جان و مال و فرزند کے سہ گانہ امتحان کے بعد جیسا کہ تفاسیر میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس بزرگوار کو رفعت درجہ عطا فرمائے چونکہ آپ اس سے پیشتر نبوت و رسالت خلت و اولوالعزمی کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ کوئی اور مقام ظاہر نہیں تھا کہ جس سے انہیں رفعت مرتبت حاصل ہو سکے صرف مرتبہ امامت تھا جو تمام مقامات روحانی سے مافوق، بالا و برتر تھا اس لئے وہ بقرہ کی آیت ۱۱۸ میں اپنے حبیب محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا کو خبر دیتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ؕ

اے حبیب! اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتحان میں مبتلا فرمایا اور وہ تمامی امتحانی امور کو بجا لائے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا میں نے تجھے لوگوں کا امام و پیشوا قرار دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ یہ امامت میری اولاد کو بھی عطا فرما تو ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہد امامت ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اس آیہ شریفہ سے امامت کا رفعت مقام ظاہر ہے۔ اور اس مرتبہ کے اثرات و فوائد نمایاں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مقام عظمت امامت رتبہ اور درجہ میں مقام نبوت سے بلند و برتر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت و رسالت کے بعد خلعتِ امامت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مقام امامت مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے۔ ا

البتہ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام امام ہیں تو پھر کیا ان کا مرتبہ حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بلند و برتر ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر یہ شیعہ اثنا عشریہ کے مسلّمہ عقیدہ کے خلاف ہے

جناب امیرؑ کو رسول اللہؐ سے افضل سمجھنا غالیوں کا عقیدہ ہے جو شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک مردود ہے۔ اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ نبوت خاصہ اور نبوت عامہ کے درمیان بہت فرق ہے۔ امامت کا مقام نبوت عامہ سے بالاتر اور نبوت خاصہ سے پست تر ہے اور نبوت خاصہ مقام بلند و بزرگ خاتمیت ہے کیونکہ امامت خلافت و نیابت حضرت ختمی مآب محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ہمارے اس جواب پر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے مرتبہ نبوت میں فرق روا نہیں رکھا چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے :۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۛ

کہ ہم پیغمبروں میں سے کسی ایک میں فرق نہیں سمجھتے

اس میں کلام نہیں کہ یہ آیہ مبارکہ اپنے مقام پر صحیح ہے یعنی مقام دعوت و بعثت میں آدم سے لیکر خاتم تک سب انبیاء علیہم السلام یکساں و برابر ہیں دعوت مبداء و معاد اور تربیت انسانیہ میں سب مساوی ہیں۔ لیکن فضل و کمال، طریقۂ بعثت، محل بعثت اور درجہ اور رتبہ میں ان میں فرق و تفاوت موجود ہے اور کیا وہ نبیؐ جو محدود انسانیت پر جو بنی نوع انسان پر مبعوث ہُوا یہ سب برابر ہیں۔ کیا پرائمری کلاسوں اور ہائی کلاسوں کے معلّم برابر ہیں۔ کیا ایک ہائی سکول کا ٹیچر اور ایک ڈگری کالج کا پروفیسر برابر ہیں کیا ایک ڈگری کالج کا لیکچر اور ایک یونیورسٹی کا پروفیسر یکساں ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام معلّمین کہ ان کا تقرر ایک محکمۂ تعلیم و تربیت سے

ہوتا ہے اور ان سب کا مقصد بنی نوع انسان کی تربیت ہے اس لحاظ سے سب برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں لیکن معلومات کے لحاظ سے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے وہ ہرگز برابر نہیں ہیں۔

ان میں سے ہر ایک معلومات و فضل و کمال کے لحاظ سے جو وہ رکھتے ہیں اختلاف موجود ہے اور وہ مختلف مدارج پر فائز ہیں۔

اسی طرح انبیائے عظام بھی دعوت کے لحاظ سے یکساں ہیں لیکن مرتبہ مقام و معلومات کے لحاظ سے متفاوت ہیں چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ
مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ط

ہم نے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض سے
خدا نے کلام فرمایا اور بعض کے درجات کو بلند کیا۔

اہل سنت کے فاضل مفسر جار اللہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں کہا ہے کہ لفظ بعض سے مراد ہمارے پیغمبر محمد مصطفٰیؐ ارواحنا لہ الفداہیں جو تمام انبیاء و مرسلین پر اپنے خصائص و فضائل کے لحاظ سے فضیلت رکھتے ہیں اور ان بے شمار خصائص میں سب سے اہم مقام خاتمیّت ہے۔

الغرض مقام امامت عظمٰی جو نیابت و خلافت خاتم ہے مقام نبوت عامہ سے برتر ہے۔ چنانچہ حضرت ختمی مآب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس حقیقت کو اپنی ایک حدیث سے بالصراحت واضح فرما دیا ہے۔

حضور نے اس امام معصوم سرکار صلح و امن حضرت امام حسنؑ اور ان کے بھائی سرکار شہادت امام حسین علیہما السلام کے متعلق فرمایا۔

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے

حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

ظاہر ہے کہ جنت میں ہر شخص نوجوان ہوگا اور انبیاء و رسل بھی جنت میں ہوں گے تو حضرت حسنینؑ ان کے بھی سردار ہوئے اور سردار مرتبہ کے لحاظ سے رعایا پر فضیلت رکھتا ہے اس لحاظ سے امام حسن علیہ السلام کو انبیاء و رسل ماسبق پر فضیلت ہے۔ البتہ جناب رسالتمآب صلعم کی حیثیت سے ان سے افضل ہیں اور ان کے والد بقول رسالت ابوھما خیر منھما ان کے باپ ان دونوں سے بہتر ہیں وہ بھی مستثنےٰ ہیں امام حسن علیہ السلام کے اس مقام رفیع کے پیش نظر ان کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

شرائط امامت:۔ امامت کے اس قرآنی رفعت مقام کے لحاظ سے شیعی نقطہ نگاہ سے امامت کے کچھ شرائط ہیں جو انہوں نے نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مرتب کیئے ہیں اور صحیفہ فطرت بھی ان کی تائید کر رہا ہے۔

شرائط و اوصاف امامت:۔ امام جو خلق پر اللہ کا نمائندہ اور سرکار رسالت کا نائب جانشین اور خلیفہ ہے اس میں کچھ شرائط کا پایا جانا نہایت ضروری ہے کیوں کہ وہ

رسول کے بعد دین کی حفاظت کرنے والا۔ احکام خدا کی نشر و اشاعت کرنے والا۔ معاملات امت کا نگران، اور منازعات عامۃ الناس کا فیصلہ کرنے والا ہے لہذا اس میں وہی شرائط و اوصاف موجود ہونے چاہیئے جو خود نفسِ نفیس سرکار رسالت میں موجود ہیں۔

مثلاً علم، عصمت، نص الہٰی، شرافتِ نسب، شرافت حسب حسن اخلاق ظاہریہ و باطنیہ۔

صحیفۂ فطرت سے استدلال:- نظریہ ارتقار کے چار بنیادی اصول ہیں

۱- (HERIDITY) ناموس توارث صفات

۲- (VARIATION) ناموس تبائن

۳- (STRUGGLE FOR EXESTENCE) ناموس تنازع للبقات

۴- (SURVIVAL OF THE FITTEST) ناموس بقائے اصلح

نظریہ ارتقا کے نتائج جو مغربی فلسفہ نے وضع کئے ہیں ہمیں اگرچہ ان سے اختلاف ہے مگر ان چاروں بنیادی اصولوں سے جو قدرت کے اٹل اور عالمگیر اصول ہیں کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:-

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ

اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(الروم آیت ۳۰ پ۲۱ ع۷)

(اے رسول !) تم باطل سے کترا کے دین کی طرف رخ کیے رہو یہی خدا کا قانون قدرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی خلق میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی مضبوط دین ہے۔ مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

ان اصولوں کی قرآن مجید بھی بڑے شد و مد سے تائید فرما رہا ہے۔

I ناموس توارث صفات (HERIDITY) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ ۢ بَعْضٍ وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝

(آل عمران آیت ۳۲ پ۳ ع۱۲)

(۱) بے شک خدا نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو سارے جہانوں سے برگزیدہ کیا ہے یہ بعض بعض کی اولاد ہیں اللہ سمیع و علیم ہے۔

(۲) وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔

ہم نے اولاد ابراہیم میں نبوت و کتاب کو رکھا۔

(۳) لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرَاهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ۔

(الحدید آیت ۲۵ پ ۲۷ ع ۲۰)

بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان ہی دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی۔

فَقَدْ اٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنَاهُمْ مُلْکًا عَظِیْمًا۔

(النساء ۵۳ پ۵ ع ۵)

ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور ان کو بہت بڑی سلطنت دی۔

II ناموس تباین (VARIATION) کے متعلق ارشاد باری ہے۔

(۱) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔

(الزخرف آیت ۳۲ پ۲۵ ع ۹)

ہم نے ایک سے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں۔

(۲) تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔

(البقرہ ۲۵۳ پ ۳ ع ۱)

یہ رسول ہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے ایسے ہیں جن سے خدا نے بات کی اور بعض

کے درجے بلند کیئے۔

III ناموس تنازع للبقا (STRUGGLE FOR EXISTENCE) کے متعلق ارشاد باری ہے:-

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۸ پ ۲۷ ع ۷)

انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے

IV بقائے اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST)

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ (الرعد ۱۷ پ ۱۳ ع ۸)

غرض تو خشک ہو کر غائب ہو جاتا ہے اور جس چیز سے انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے اسے زمین میں روک لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے

امامت میں شرافت نسب وحسب کی شرط کی بنیاد اسی قدرت کے قانون توارث صفات پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ذریت ابراہیم میں نبوت اور کتاب کو رکھایا اولاد ابراہیم و نوح میں نبوت و کتاب کو قرار دیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان بزرگواروں کی اولاد کو ایسے صفات توارث صفات میں ملے تھے جو نبوت و کتاب کے کفیل تھے۔

توارث صفات کا قانون ایک عالمگیر قانون ہے جو اس کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے۔ چنانچہ جمادات میں بھی یہ قانون نافذ ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا

ہے یہ عقیق عقیق یمنی ہے یہ فیروزہ نیشاپور کا فیروزہ ہے اسی طرح یہ قانون نباتات میں بھی جاری وساری ہے کہا جاتا ہے یہ گندم 591 نمبر کی گندم ہے یہ آم ثمر بہشت ہے۔ یہ ناگپور کا سنگترہ ہے حیوانات میں بھی اسی طرح اس قانون کی کار فرمائی موجود ہے یہ بیل دہنی بریڈ ہے یا حصار بریڈ ہے یہ گھوڑا عربی النسل ہے یہ کتا بلتستانی بریڈ ہے۔ جب تمام کائنات کو یہ قانون اپنی گرفت میں لیئے ہوئے ہے تو پھر اشرف المخلوقات انسان اس قانون سے کس طرح مستثنے ہو سکتا ہے چنانچہ علم اخلاق ETHICS میں ناموس تہائین پر سیر حاصل بحث موجود ہے علم اخلاق میں خصائل سازی یا تشکیل سیرت

کے جو تین عناصر تسلیم کئے گئے ہیں ان میں سے ایک توارث صفات ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ توارث صفات (HERIDTTY)

۲۔ ماحول (ENVIRONMENT)

۳۔ قوت ارادیہ (WILL)

چنانچہ توارث صفات پر احادیث نبویہ بھی موجود ہے۔

(۱) واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب کیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کیا اور مجھے بنی ہاشم سے منتخب کیا۔ (اس طرح سے میں نسب کے اعتبار

سے کل عالم کا انتخاب ہوں) یہ حدیث صحیح ہے
(صحیح ترمذی اردو ترجمہ جلد ۲ حدیث نمبر ۱۴۶۳ صفحہ ۳۵۰ مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ کراچی)

۲- حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ قریش نے آپس میں ایک بحث کے ضمن میں اپنے حسب و نسب کا ذکر کیا اور آپ کی مثال کھجور کے اس درخت سے دی جو زمین کے ایک ٹیلہ پر ہو۔ (یعنی نمایاں حیثیت اور عزت کا مالک ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے ان کے بہترین فرقہ میں رکھا اور دونوں فریقوں کو بہتر بنایا پھر اس نے تمام قبیلوں کو بہتر بنایا تو مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا پھر اس نے گھرانے بہتر بنائے تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں رکھا اس طرح میں ان میں سب سے اچھا فرد ہوں اور سب سے اچھے گھرانے کا ہوں۔ یہ حدیث حسن ہے)
صحیح ترمذی اردو ترجمہ جلد ۲ حدیث نمبر ۱۴۶۴ صفحہ ۳۵۰)

۳- حضرت مطلب بن ابی وداعہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا انہوں نے حضور کے متعلق کوئی بات سنی تھی اس کو سنانے حضور کے پاس آئے جب رسول اللہ نے وہ بات سنی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں آپ پر سلامتی ہو حضور نے فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوق بنایا پھر اس کے دو فرقے کئے تو مجھے اچھے فرقہ میں پھر اس کے قبیلے بنائے تو مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا پھر اس کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے گھر اور شخصیت دونوں کے لحاظ سے سب سے اچھا بنایا (یہ حدیث حسن ہے)

(صحیح ترمذی اردو ترجمہ جلد نمبر ۲ حدیث نمبر ۱۵۶۵ صفحہ ۳۵)

۴۔ حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ قبیلہ کو برگزیدہ کیا پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ کیا۔ (یہ حدیث حسن غریب ہے)

(صحیح ترمذی اردو ترجمہ جلد نمبر ۲ حدیث نمبر ۱۵۶۶ صفحہ ۳۵ مطبوعہ اصح المطابع آرام باغ کراچی)

چنانچہ حکیم الٰہی سرکار مدینۃ العلم علی ابن ابی طالبؑ نے ناموس توارث صفات کے حقائق کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

منہا من وصف الانبیاء

فاستودعهم فی افضل مستودع واقرهم
فی خیر مستقر تناسختهم کرائم الاصلاب
الی مطهرات الارحام کلما مضی منهم
سلف قام منه بد بن الله خلف حتی افضت
کرامة الله سبحانه الی محمد صلی الله علیه

وَّاٰلِہٖ وسلم فاخرجہ من افضل المعادن
منبتًا واعزالاورومات مغرسًا من الشجرۃ
اللتی صدع منھا انبیاءہ وانتخب منھا امناءہٖ
عترتہ خیرالعتر واسرتہ خیرالاسر، و
شجرتہ خیرالشجر نبتت، فی حرم وبُسقت
فی کرم، لھا فروع طوال وَثمرۃ لاتنال
فھو امام من اتقی وبصیرۃ من اھتدٰی
سراج لمع ضوءہٖ وشھاب سطع نورہ و
زند برق لمعہ سیرتہ القصد وسنۃ الرشد
وکلامہ الفصل وحکمہ العدل

نہج البلاغہ جلد ا خطبہ ۹۰ صـ۱۹۵ طبع ۸۶ مطبوعہ مصر

اوصاف انبیاء میں :-

انبیاء کو بہترین سونپے جانے کی جگہوں میں رکھا اور
بہترین ٹھکانوں میں ٹھہرایا اور بلند مرتبہ صلبوں سے
پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے جب ان
میں سے کوئی گزر جانے والا گزر گیا دوسرا دین خدا کو
لے کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ الٰہی شرف محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا جنہیں ایسے معدنوں
سے جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسے

اصلوں سے کہ جو نشو و نما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں پیدا کیا۔ اسی شجرے سے کہ جس سے انبیاء پیدا کئے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے ان کی عترت بہترین عترت اور قبیلہ بہترین قبیلہ، شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر اُگا اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا جس کی شاخیں دراز اور پھل دسترس سے باہر ہیں، وہ پرہیزگاروں کے امام ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے سرچشمہ بصیرت ہیں وہ ایسا چراغ ہیں جس کی روشنی لو دیتی ہے اور ایسا روشن ستارہ ہیں جس کا نور ضیا پاش اور ایسا چقماق جس کی ضو شعلہ فشاں ہے۔ ان کی سیرت افراط و تفریط سے بچکر سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے ان کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا اور حکم میں عدل ہے۔

توارث صفات سنت الٰہیہ ہے، قانون فطرت ہے۔ جس طرح انبیاءً ورسل ماسبق کو اللہ نے بہترین توارث صفات سے سرفراز فرمایا اسی سنت الٰہی کا تقاضا ہی تھا کہ امامت مطلقہ جو خلافت الٰہی اور نیابت سرکار رسالت پناہی ہے جس کا مقام فوق نبوت عامہ و تحت نبوت خاصہ خاتم ہے۔ بلند ترین توارث صفات سے سربلند فرمائے۔ چنانچہ سرکار رسالت کے یہ بارہ

جانشین تو ارث صفات میں بھی اپنے دوسرے اوصاف کی طرح یگانہ و یکتا ہیں۔

امام حسن علیہ السلام اشرف المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے اس شان سے وارث ہیں کہ اللہ نے آیۂ مباہلہ میں انہیں ابنا ئنا کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ اور نیز طاہرہ قریش، محسنۂ اسلام، ملکۂ تجار عرب ام الائمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے اوصاف کے وارث ہیں، وہ محسنۂ اسلام جس کی بے پایاں دولت سے اسلام پروان چڑھا! یہ بطل اسلام حکیم الٰہی باب مدینۃ العلم کے بھی وارث اور بضعۃ الرسول معصومۂ کونین حضرت فاطمۃ الزہرا کے بلند صفات بھی انہیں ورثہ میں ملے ہیں۔

ناموس تبائن (VARIATION)

قدرت کا عالمگیر قانون ہے ماہرین علم نباتات (BATONY) کا یہ فنی فتویٰ ہے کہ قدرت نے ایک ہی درخت کی ایک ہی شاخ پر دو پتے بھی ایک سے پیدا نہیں کئے اسی طرح عالم انسانیت میں بھی انفرادی اختلاف موجود ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تمام انسان ایک سے ہوتے تو دنیا موجودہ دنیا سے بالکل مختلف ہوتی، انفرادی اختلاف ایک عالمگیر قانون ہے علمائے نفسیات نے اس قانون کی اہمیت کی وجہ سے اسے نفسیات میں ایک مستقل عنوان قرار دیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

انسانی شکل و صورت میں صانع مطلق نے تبائن و اختلاف رکھا ہے۔ چنانچہ نقاش فطرت نے انسانی چہروں پر جو چند نقش و نگار ہیں ان میں اس

قدرت نے تباین و اختلاف موجود رکھا ہے کہ ہزاروں کے اجتماع میں دو چہروں کو بھی ایک سے نقش و نگار سے مزین نہیں فرمایا۔ اگر انسانی چہرے ایک سے ہوتے تو افراد انسانی کی شناخت اور پہچان مشکل بلکہ محال ہو جاتی، چہرہ تو پھر بھی بڑی چیز ہے۔ انسانی ہاتھ کا انگوٹھا کیا اور اس کی بساط کیا ہے نقاش قدرت نے اس انگوٹھے پر چند لکیریں کھینچ دی ہیں اور ان چند لکیروں میں اس قدر تباین و اختلاف موجود ہے کہ دو انگوٹھوں پر بھی ایک سی لکیریں موجود نہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین، اس حقیقت کو دنیا کی ہر حکومت نے تسلیم کر کے انتھرو ڈیپارٹمنٹ قائم کئے ہیں۔ اور انگوٹھے کے نشان کو ناخواندہ لوگوں کے دستخط قرار دیا ہے۔

جس طرح انسانی اشکال میں تباین کا قانون جاری و ساری ہے اسی طرح قابلیت و صلاحیت کا اختلاف بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

اللہ کے عدل تدبیری نے مختلف انسانوں کو مختلف صلاحیتیں اور مختلف قابلیتیں عطا فرمائیں تاکہ نظام عالم قائم رہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

(POET BORN NOT MADE) انگریزی میں ایک مشہور ضرب المثل ہے

کہ شاعر پیدا ہوتا ہے بنانے سے نہیں بنتا۔

یہ ضرب المثل شاعری کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر فن کے لئے ہے۔

تاجر پیدا ہوتا ہے بنانے سے نہیں بنتا

ڈاکٹر پیدا ہوتا ہے بنانے سے نہیں بنتا

وکیل پیدا ہوتا ہے بنائے سے نہیں بنتا۔

ٹیچر پیدا ہوتا ہے بنائے سے نہیں بنتا

اسی طرح نبی پیدا ہوتا ہے بنائے سے نہیں بنتا۔

النبی نبیاً و لو کان صبیاً

نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ وہ شیر خوار بچہ ہو

اسی طرح امام پیدا ہوتا ہے بنائے سے نہیں بنتا۔

الامام اماماً لو کان غلاماً

امام امام ہوتا ہے اگر چہ وہ بچہ ہو۔

الامام اماماً و لو کان فی لبطن امہ

امام امام ہوتا ہے اگرچہ ماں کے شکم اطہر میں ہو

قدرت نے ہر انسان میں کچھ خاص رجحانات طبیعہ (نیچرل ٹنڈینسز) (NATURAL -TEDENCIES) رکھی ہیں۔ جس انسان میں تاجرانہ رجحانات طبیعہ ہیں اگر ان کو نشر و ارتقا دیا جائے تو اس شخص کی زندگی کامیاب زندگی ہوگی اور اگر رجحانات طبیعہ کو نظر انداز کر کے اسے کسی اور فن میں تربیت کیا جائے تو اس کی زندگی ناکام زندگی ہوگی۔ ہم میں اور اہل مغرب میں یہی فرق ہے کہ وہ بچہ کی تربیت کا آغاز اس کے رجحانات طبیعہ کا جائزہ لے کر کرتے ہیں اور ہم اندھا دھند بلا سوچے سمجھے اور رجحانات طبیعہ کا جائزہ لئے بغیر اس کی تربیت شروع کرتے ہیں اس لئے عام طور پہ ہماری دنیاوی زندگیاں اس طرح کی باکام زندگیاں نہیں جیسا کہ اہل مغرب کی ہیں۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ امامت کے لئے قدرت کی طرف سے کیسے رجحانات طبعیہ عطا ہونے چاہیئے چونکہ امامت نیابت حضرت ختمی مرتبت ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت ختمی مرتبت کی اغراض بعثت کیا ہیں۔ تو نیابت میں انہی اغراض و مقاصد کی انجام دہی نائب کا فریضہ ہوگی۔ پس جو رجحانات طبعیہ ان اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے کفیل ہوں وہی امامت مطلقہ کے منصب کے لیئے ضروری ہوں گے سرکار احدیت کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (الجمعه)

وہ وہ باعظمت خدا ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا تاکہ ان پر آیات قرآنیہ کی تلاوت کرے انہیں پاک کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

صاف ظاہر ہے کہ اغراض بعثت تین ہیں۔

(۱) تلاوت آیات قرآنیہ

(۲) تزکیہ نفوس انسانیہ

(۳) تعلیم کتاب و حکمت

ان فرائض کی انجام دہی کے لئے دو رجحانات طبیعہ صاحب منصب امامت کے لئے ضروری ہیں۔

۱۔ عصمت

۲۔ علم لدنی

عصمت:- نفوس انسانیہ کا تزکیہ وہی کر سکے گا جو خود پاک و پاکیزہ ہو یعنی گناہوں سے ہر طرح محفوظ ہو۔ اس رجحان عصمت کے فقدان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جھوٹ بھی بول سکے گا اور خود غرضی سے احکام خدا میں تبدیلی بھی کر سکے گا اور تبلیغ احکام میں سستی کا بھی مرتکب ہوگا طمع و لالچ میں احکام خدا کو کچھ سے کچھ بتا سکے گا۔ اس سے بھول چوک بھی ہو سکے گی اور یہ تمام باتیں تبلیغ احکام الہیہ کے لئے مضر ہیں۔ بھلا ایک عاقل و مدبّر انسان ایک غیر معصوم کی باتوں پر کس طرح اعتماد کر سکے گا یا اس کی باتوں پر اعتبار کر سکے گا۔ جبکہ اس کو معلوم ہوگا کہ ہمارا یہ پیشوا جھوٹ بھی بول سکتا ہے خود غرضی کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے اسے سہو و نسیان بھی عارض ہو سکتا ہے جب اسے اس کی باتوں پر ہی اعتبار نہیں ہوگا تو اس کے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کیونکر کرے گا۔ نیز جب ہادی معصوم نہ ہوگا اور امامت بھی غیر معصوم ہوگی تو ایسے پیشوا اور ہادی کی وقعت ہی لوگوں کے دلوں میں کیونکر پیدا ہوگی جب اس کی عظمت و وقعت انسانی دل میں نہ ہوگی تو کوئی شخص اس کی باتوں کو قابل عمل اور واجب الامتثال کب سمجھے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے اس ہادی کو مجھ پر کونسی فوقیت ہے جیسا میں خطاکار اور گنہگار ہوں ویسا ہی یہ

بھی ہے اس صورت میں سرکار احدیت کا جو مقصد امام بنانے کا ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور پھر اس کا تقرر ہی فعل عبث ہوگا حالانکہ فعل عبث شان احدیت کے منافی ہے وہ حکیم مطلق ہے عبث کام اس کی ذات سے محال ہے لہذا ضروری ہے کہ امام عصمت کے رجحان طبعیہ کے ساتھ دنیا میں قدم رکھے اور معصوم ہو۔ اسی لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے منصب امامت کو طلب کیا تو ارشاد ہوا. لاینال عہدی الظالمین۔ میرے اس عہد کو گنہگار نہیں پاسکتے۔

چنانچہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا معصوم ہونا آیہ تطہیر آیہ مباہلہ اور آیۂ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

علم لدنی:۔ علم لدنی کی شرط اس لئے ہے کہ اگر امام جاہل ہوگا تو ع

شخصے کہ خود گم است کرا رہبری کند
کو سے کجا عصا کشے کو سے دگر بود

کا مصداق ہوگا۔ جب وہ خود ہی احکام الہیہ سے ناواقف ہوگا تو دوسروں میں ان احکام کی کس طرح تبلیغ کر سکے گا اور ضرورت کے وقت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو کس طرح ادا کر سکے گا علل و وجوہ احکام کیسے بیان کرے گا. اسی لئے ہر ہدایت کرنے والے، پیشوا اور امام کو وہ خواہ نبی ہو یا رسول، امام ہو یا خلیفہ، اللہ تعالیٰ نے علم کی صفت پہلے سے ہی عطا فرمادی اس کی فطرت میں ودیعت رکھدی۔ اور اسے علم لدنی کے رجحان طبعی سے

سرفراز فرمایا۔

حضرت آدم

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

خلیفہ تھے ان کے متعلق ارشاد ہوا

عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔

یعنی اللہ نے آدم کو تمام اسما تعلیم کر دیئے۔

حضرت خضر کے متعلق ارشاد ہوا:۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ؕ

ہم نے اسے اپنے پاس سے علم عطا کیا تھا

حضرت یحییٰ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ؕ

ہم نے انہیں اس حالت میں حکمتیں عطا کیں جبکہ وہ شیر خوار بچے تھے۔

قرآن حکیم زبان حضرت عیسیٰ روح اللہ سے خود اس حقیقت کو اس طرح بیان کروا رہا ہے۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا

أَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ؕ

میں بندۂ خدا ہوں مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور مجھے

بنا دیا گیا ہے اور میں جب تک زندہ رہوں مجھے نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔

پھر حضرت لوط کے متعلق ارشاد فرمایا

وَ لُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا ؕ — سورۃ الانبیا

اور لوط کو ہم نے حکمت و علم دیا۔

پھر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے متعلق ارشاد ہوا

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا

داؤد اور سلیمان جب کہ زراعت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ قوم کی بھیڑوں نے اسے کھالیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ تو ہم نے سلیمان کو فیصلہ کا طریقہ سمجھا دیا، اور ان دونوں کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔

پھر حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۔

ابراہیمؑ کو ہم نے رشد عنایت کیا تھا پہلے ہی سے
اور ہم اس کے عالم تھے۔

پھر حضرت موسیٰ اور ہارون کے متعلق ارشاد ہے۔

لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ
وَضِیَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ۔

ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان اور روشنی یعنی علم
اور متقین کے لئے ذکر یعنی یاد دہانی عطا کی

پھر جناب ختمی مرتبت محمد مصطفٰے کے لئے ارشاد فرمایا:۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

النسآ پ ۵ ع ۱۴

(اے حبیب!) اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل
کی اور جو کچھ تمہیں معلوم نہیں تھا وہ پڑھایا

پھر دوسرے مقام پر سرکار رسالت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی
عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ (النجم پ ۲۷ ع ۱)

وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے وہ کہتے ہیں جو اس پر
وحی ہوتی ہے اسے شدید قوتوں والے یعنی خدا
نے تعلیم دی۔

پھر حضور کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(اے رسول !) پڑھو اور تمہارا کریم ترین رب وہ ہے جس نے قلم سے تعلیم کی اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کیا جس سے وہ ناواقف تھا۔

الغرض سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ ہدایت خلق کا کام سپرد کرتا ہے اسے اپنی طرف سے علم عطا فرماتا ہے جب سنت الٰہیہ ہمیشہ اسی طرح سے جاری و ساری ہے بعد رسالت جو حضرات ہدایت خلق کے لیئے درجہ امامت پر فائز ہوں ان کے لئے اپنی مقررہ سنت کو کس طرح تبدیل کرے گا جبکہ قرآن مجید میں نص موجود ہے کہ اللہ کی سنت کے لئے تبدیلی نہیں ہے حالانکہ بعد رسالت صاحبان علم لدنی اور راسخون فی العلم کی انبیائے ماسبق کے زمانے سے بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ

۱۔ نبوت و رسالت ختم ہو چکی اب قیامت تک نوابین سرکار رسالت نے ہی کار ہدایت کو انجام دینا ہے ختم رسالت کے بعد نیابت و خلافت رسالت حضرت خاتم کو امامت کے لقب سے ہی سرفراز کیا گیا ہے۔

سرکار رسالت کے جانشینوں کے ذمہ ان تمام امور کی انجام دہی ہے جن کے لئے حضور مبعوث ہوئے تھے انہیں تعلیم کتاب و حکمت کو

انجام دینا تھا کونسی کتاب جس کے متعلق ارشادات باری تعالی ان الفاظ میں موجود ہیں:

(۱) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ

ہم نے اس کتاب میں ہر چیز بیان کر دی ہے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا بیان نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

(۲) لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔

کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین یعنی قرآن حکیم میں موجود نہ ہو۔ یعنی ہر خشک و تر کا ذکر اس کتاب محکم میں بیان ہوا ہے خواہ بطور تفصیل ہو خواہ بہ حیثیت اجمال ہو۔

(۳) نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ۔

اے رسول ہم نے تم پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان کا ہے اور جو مسلمانوں کے لئے رحمت اور بشارت ہے۔

جب کتب ماسبق کے لئے جن کی تعلیم درجہ کمال پر نہیں پہنچی تھی اور جنہیں تکمیل کی سند نہیں ملی تھی ایسے ہادیوں کی ضرورت تھی جو صاحبان علم لدنی تھے تو ایسی کتاب کے لئے جس میں ہر چیز کا بیان ہو یقیناً ایسے شارحین اور معلمین کی بوجہ اتم ضرورت ہے جو علم لدنی کے بلند مقام پر

فائز ہوں اور ان کا علم ہر شے پر حاوی ہو ایسے ہی امام کی شان میں قرآن حکیم نے ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی ہے۔ وکل شیء احصیناہ فی امام مبین

ہم نے ہر شے کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے اگر قرآن مجید تبیانا لکل شیء ہے تو اس کا معلم اور شارح بھی ایسا ہے جسے ہر شے پر احاطہ ہے

اور منصب امامت کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے

(۱) وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَوٰةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ

سورۃ الانبیا آیت ۷۳ پ ۱۷ ع ۵

ہم نے ہی انہیں ائمہ قرار دیا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں ہم نے ان پر افعال خیر کو وحی کیا نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ صرف ہماری ہی عبادت کرنے والے ہیں۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۔

ہم نے ہی انہیں امام مقرر کیا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے صبر کیا۔

ہمارے بیانات ماسبق کا جنہیں ہم نے قرآنی استدلال سے ثابت

کیا ہے خلاصہ یہ ہے :۔

۱. امام منصوص من اللہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ انی جاعلک للناس اماماً۔ ہم نے تجھے لوگوں کا امام مقرر کیا وجعلناہم ائمۃ "ہم نے انہیں عہدہ امامت پر مامور فرمایا" سے ظاہر ہے افہام وتفہیم کیلئے ہم اس نص کو ایک عام فہم مثال سے واضح کرتے ہیں۔

جب کوئی مرکزی حکومت کسی شخص کو کسی علاقہ کا گورنر مقرر کرتی ہے تو اس کے لئے ایک خاص فرمان جاری ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں شخص کو فلاں تاریخ سے گورنری کے عہدے پر مامور فرمایا ہے جس سے لوگوں کو اس کے تقرر کا علم ہو جاتا ہے اور لوگ باطمینان اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بغیر فرمان کے دعوٰے کرے کہ میں گورنر ہوں حالانکہ اس سے پہلے نہ اس کا نام اس عہدہ کے لئے سرکاری گزٹ میں شائع ہوا ہو نہ اس کے پاس سرکاری مہر سے مزین کوئی فرمان ہو نہ اس سے پہلے سرکاری نمائندہ نے اس کی حکومت کا اعلان کیا ہو تو کب کوئی بابصیرت شخص ایسے دعویدار کی بات کو تسلیم کرے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص امام یا خلیفہ ہونے کا دعوٰے کرے وہ اپنے پاس الٰہی فرمان یا رسول اللہ کی سند نہ رکھتا ہو۔ اس کے پاس اس منصب کے متعلق نہ کوئی آیہ قرآنی اور نہ کوئی حدیث موجود ہو تو ایسا شخص نہ الٰہی نمائندہ امام ہو سکتا ہے اور نہ نائب رسول خلیفہ ہو سکتا ہے اگر بعض مسلمانوں نے اسے چن لیا ہے تو اسے ہم خلیفۃ المسلمین کہیں گے اگر کسی غیر معصوم کی نص سے

اس عہدہ پر فائز ہوا ہے تو وہ اس شخص کا جانشین کہلائے گا اور اگر کسی کمیٹی نے شوریٰ سے اسے مقرر کیا ہے تو وہ اس کمیٹی کا نمائندہ سلطان شورائی کہلائے گا۔ اور اگر قہر و غلبہ سے لوگوں پر مسلط ہو گیا ہے تو ملک عضوض یا سلطان جابر کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔

۲۔ امام معصوم ہوتا ہے تاکہ وہ نفوس انسانیہ کا تزکیہ نفس کما حقہ کر سکے۔

۳۔ امام! صاحب علم لدنی ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید جیسی جامع شریعت کا شارح اور معلّم ہو سکے وہ حکیم ہوتا ہے تاکہ تعلیم حکمت دے سکے اور شریعت بیضائے اسلامیہ کے احکام کی علل و حکم کو بیان کر سکے۔

۴۔ امام نسب و حسب میں بلند ہونا چاہیئے ائمہ اہل بیت کی حسبی نسبی شرافت کو ہم توارث صفات کے عنوان میں بیان کر چکے ہیں۔

۵۔ امام کے لئے صاحب حسن اخلاق اور اوصاف حمیدۂ ظاہریہ و باطنیہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اخلاق ظاہریہ اور باطنیہ کی رفعت کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ان کے دشمن بھی ان کے ذوات قدسیہ میں کوئی عیب نہیں نکال سکے چنانچہ اموی حکومت کے شہرۂ آفاق پرائیم منسٹر عمرو ابن العاص نے اپنے ایک قصیدہ میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

بآلِ مُحَمَّدٍ عُرِفَ الصَّوَابُ   وَفِي أَبْيَاتِهِمْ نُزِّلَ الْكِتَابُ

وَهُمْ حُجَجُ الْإِلَهِ عَلَى الْبَرَايَا   بِهِمْ وَبِجَدِّهِمْ لَا يُسْتَرَابُ

ہم نے آل محمد کے ذریعہ سے ہی راہ صواب کو پہچانا ہے یہ وہ آل

محمد ہیں جن کے گھروں میں اللہ کی کتاب نازل ہوئی وہ مخلوقات پر اللہ کی حجتیں ہیں اور ان کے حد میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

نظریہ ارتقا کا تیسرا بنیادی اصول تنازع للبقا (STRUGGLE FOR EXISTENCE) ہے آل محمد نے اس اصول کو جس شان سے اپنایا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آل محمد وہ ہیں جنہوں نے بقائے مذہب کے لئے ایسی بے پناہ قربانیاں پیش کیں اور ایسے شاندار ایثار کا ثبوت پیش کیا جو تاریخ جد و جہد انسانیت میں اپنی مثال آپ رہے گا۔
عام ذہنیت کے انسان آل محمد یا ائمہ اہل بیت کی جد و جہد زندگی کو بادشاہوں کی تحریک کشور کشائی پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ ائمہ اہل بیتؑ کو بادشاہی کے دنیاوی تصور سے کوئی واسطہ نہیں تھا وہ انسانی حاکمیت کے تصور کو مٹانا چاہتے تھے۔ وہ حکومت کا مستحق تو اللہ کو ہی سمجھتے تھے وہ اس کا نمائندہ ہو کر شریعت کی راہ پر بنی نوع انسان کی قیادت کرنا چاہتے تھے وہ سلطنت دنیوی کے خواہش مند نہیں تھے بلکہ نظام اسلام کے قیام و بقا کے لئے جد و جہد کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ کو ان کی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ اسی معیار پر کرنا چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ ان دین کے محافظ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو تخت و تاج ملا یا نہ ملا وہ مادی حکومت پر مسلّط ہوئے یا نہ ہوئے آیا انہوں نے شریعت اسلامیہ کی حفاظت کی ہے یا نہیں وہ تزکیۂ نفوس انسانیہ میں سرگرم عمل رہے یا نہیں؟ انہوں نے تعلیم

علم و حکمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت تو نہیں کیا۔ آیا انہوں نے اجنبی تہذیب و تمدن کے تاثرات کے خلاف جدوجہد نہیں کی۔ اگر آپ تحقیق کر کے فیصلہ کریں گے تو ان ذوات قدسیہ نے اپنے فرائض میں ایسی جدوجہد کی ہے کہ آج اسلام انہی کی جدوجہد سے باقی ہے

اس کتاب میں جو امام مظلوم و مسموم امام حسن علیہ السلام ہمارا موضوع بیان ہیں۔ ان کی معصومانہ زندگی پر ارباب اقتدار نے ایسے تاریک پردے ڈال دیئے ہیں۔ کہ ان کے نام لیواؤں کو بھی ان کی کامیابیوں کا عرفان نہیں رہا جو انہوں نے اپنے پیش نظر اغراض و مقاصد کے لیئے ایک انتہائی نازک دور میں حاصل کی ہیں۔

ان کی زندگی کو بنی امیہ کے زر خرید مؤرخوں نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ آج مغرب کے مفکروں کو ان کی بلند سیرت کا کھوج نہیں ملتا۔ اور وہ اموی روایات پر ہی امام حسن علیہ السلام کی شخصیت کی تنقیص میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم جنہیں آل محمد علیہم السلام کے شیعہ ہونے کا دعوےٰ ہے عنداللہ و عندالرسول جوابدہ ہیں کہ ہم ایک واجب الاطاعت معصوم شخصیت کو دنیائے انسانیت سے متعارف کرنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سرکار امام حسن علیہ السلام نے جس وقت عنان حکومت اپنے دست حق پرست میں لی دیکھنا ہے اس وقت کے حالات کیا تھے۔

۱۔ یہ بنی ابی سفیان کے شام میں انتہائی اقتدار کا زمانہ تھا ظاہر ہے

کہ بنی امیہ کی یہ شاخ آخری وقت تک اسلام کی انقلابی تحریک سے برسرپیکار رہی
یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ انہوں نے اسلامی طاقت کے
سامنے اپنے سر جھکا دیئے تھے حکیم الہی علی ابن ابی طالب علیہ
السلام جیسے ماہر نفسیات نے ان کے متعلق اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔

وما اسلموا ولکن استسلموا

یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اسلامی طاقت کے سامنے
اپنے سر خم کر دیئے تھے۔ اس لئے ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اسلامی تحریک
انقلاب کو مٹا کر جاہلی تہذیب و تمدن کو دوبارہ قائم کریں۔

شام کا ملک جو عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا فوجی طاقت کے
بل بوتے پر مسلمان ہوا تھا۔ ان کے دلوں میں بھی انتقام کا وہ جذبہ موجود
تھا جو ہر مفتوح قوم کے دل میں فاتح کے متعلق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے شامی
عیسائی بھی چاہتے تھے کہ وہ اسلام کو صفحہ ارض سے مٹا کر پھر عیسائیت کی
طرف رجعت اختیار کریں۔ ولایت شام میں اسلام کو مٹانے کے مقصد میں
کامیابی حاصل کرنے کے لئے اموی حکمرانوں اور شامی رعایا کا جو بظاہر مسلمان
اور باطناً عیسائی تھی یہ گٹھ جوڑ ہوا تھا۔ اور بنی امیہ کی شام میں کامیابی کا راز
اسی حقیقت میں مضمر ہے۔ اس گٹھ جوڑ سے اسلامی شریعت کی بربادی کا وقت
قریب آچکا تھا اس لئے کہ اس پر فتن زمانے میں مسلمانوں میں اس قدر
طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ شامیوں کی دست برد سے اسلامی شریعت
کو بچا سکیں۔

۲- اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی اور نظم مملکت تلف ہو چکا تھا. تزکیہ نفوس، علم دین، اخلاق و معاشرت فتنہ و فساد کی زد میں آچکے تھے۔ اور ان امور کی اشاعت اور انہیں احیاء ثانیہ عطا کرنا اسلامی تحریک کا اولین فریضہ تھا۔

۳- اس فتنہ و فساد کے زمانے میں یہ بھی اندیشہ پیدا ہو چکا تھا کہ غیر مسلم شکست خوردہ طاقتیں اسلامی مملکت پر حملہ کر کے اسلام کو جو ان طاقتوں کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا فنا کر دیں۔

۴- غیر ممالک میں اسلام کی نشر و اشاعت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سیاسی بدنظمی میں تبلیغ کے پھر شروع ہونے کا امکان نہیں رہا تھا۔

۵- مسلمانوں میں خود غرضی طبقاتی درجہ بندی. طمع و حرص اس طرح گھر کر چکے تھے ان میں روحانی اور اخلاقی قدروں سے بیگانگت پیدا ہو چکی تھی اس لئے انہیں دوبارہ مسلمان کرنے کی ضرورت تھی۔

۶- علم و حکمت کے ارتقاء کی بجائے ان پر جہالت طاری ہو چکی تھی اور اور فوجی جدو جہد اور مال غنیمت کی تمنائیں انہیں علمی دینی اور روحانی جدو جہد سے بیگانہ کر چکی تھیں۔

۷- اسلام کی حفاظت میں سر کی بازی لگانے والی. سلمان، ابو ذر، عمار جیسی شخصیتیں دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں اور جو باقی تھے وہ اموی اقتدار کے تحت افلاس، اور بیچارگی میں زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔

۸۔ ملکی فتوحات کی وجہ سے غیر اسلامی فلسفہ مملکت اسلامی میں قدم رکھ چکا تھا اس لیئے مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔

۹۔ مسلمانوں کے ذہنوں سے حکومتِ الہیہ کا تصوّر ختم ہو چکا تھا وہ بادشاہت اور خلافت میں کوئی فرق محسوس نہیں کر رہے تھے ان کی نگاہوں میں حضرت علی اور امیر شام معاویہ کی حکومت میں کوئی فرق نہیں تھا۔

۱۰۔ مسلمانوں میں دنیا طلبی اس طرح قدم جما چکی تھی کہ شام کے حکمرانوں کی دولت انہیں خرید رہی تھی اور وہ خوش تھے۔

۱۱۔ مرکز اسلام حجاز کی آبادی پر اس طرح موت طاری ہو چکی تھی کہ اموی افواج ان کی عورتوں کو کنیزیں بنانے پر تلی ہوئی تھیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔

۱۲۔ مصری اور ایرانی مسلمان اسلام سے ناآشنا تھے چونکہ انہیں اسلام فوجی طاقتوں کے ذریعہ سے پہنچا تھا اس لئے ان کے اسلام سے کسی اصولی جنگ میں تعاون کا امکان نہیں تھا۔

۱۳۔ عراق کے مجاہدوں پر جمل صفین اور نہروان کی پے درپے لڑائیوں کی وجہ سے ایک تھکن اور کلفت کا عالم طاری تھا وہ اب جنگ میں حصّہ لینے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ ان کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ آپ جناب امیر علیہ السلام کے ان خطبوں سے کر سکتے ہیں جو انہوں نے اپنے عساکر کو جہاد کی تحریک و ترغیب کے لئے ارشاد فرمائے تھے۔

۱۴- اموی ڈپلومیسی نے جاسوسی کا ایک جال ساری مملکت اسلامیہ میں پھیلا رکھا تھا اور ایک پروپیگنڈے کی مہم جاری تھی جس میں جائز و ناجائز کا سوال ہی نہیں تھا۔

ان حالات میں اللہ کے نمائندے اور رسول اللہ کے جانشین اور نائب امام حسن علیہ السلام کی ذمہ داریاں کیا تھیں۔

۱- ملک میں ایک امن و سکون کی فضا پیدا کی جائے۔ کیونکہ داخلی سکون کے بغیر تزکیۂ نفس، تعلیم علم و حکمت قرآن و حدیث کے نظریات کی اشاعت، تصور خلافت و امامت فقہ اسلامی کے بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی ناممکن تھی۔

دنیائے اسلام کو بنی امیہ کی اسلام دشمنی سے آگاہ کرنا اور انہیں اس مستبدانہ حکومت سے نجات دلانا غیر ممالک میں اسلامی تبلیغ کا احیاء اور غیر مسلم طاقتوں کی اس جرأت و جسارت کا ختم کرنا جو ان میں مملکت اسلامی کی بدنظمی سے پیدا ہوئی تھی اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ایسے نازک دور میں ان مقاصد کے حصول کے لئے امام حسن علیہ السلام کو کونسی روش اختیار کرنا چاہیئے تھی ان حالات میں امام حسن علیہ السلام کو دو صورتیں در پیش تھیں جنگ یا معاہدۂ جنگ بندی یعنی (CEASE FIRE AGREEMENT) جنگ کے متعلق ان حالات پہ غور کرنا ضروری ہے۔

۱- شام اور عراق کا سرحدی علاقہ اموی طاقتوں کا ایک زبردست فوجی کیمپ بن چکا تھا اور شامی اس گٹھ جوڑ پہ جو امویوں کے ساتھ ہوا تھا

اسلام کو مٹانے کی جد و جہد میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

۲۔ مسلم عوام معاویہ کی زر پاشیوں اور سیاسی چالوں کی وجہ سے اموی حکومت کا ساتھ دے رہے تھے۔

۳۔ اکثر مسلمان اسلام کے الٰہی نظام کو حصول دولت کے ناجائز طریقوں کے منافی سمجھ رہے تھے۔ معاویہ سے تعاون اپنے مفادات کا ممد و معاون سمجھتے تھے۔

۴۔ معاویہ فیصلہ حکمین کے بعد انتقام خون حضرت عثمان کو فراموش کر چکے تھے جو ایک سٹنٹ تھا جس پر انہوں نے جناب امیر علیہ السلام سے لڑائیاں لڑی تھیں ان کے حصول سلطنت کا جذبہ بے نقاب ہو چکا تھا۔ ان کے خلافت کے منسوب ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا یہ خطرہ دور ہو چکا تھا کہ وہ بظاہر اسلام سے دست بردار ہو کر زمانہ جاہلیت کی خصوصیات کو دوبارہ لوٹائیں گے۔

خلافت کا الٰہی نمائندگی کا تصوّر جو امام حسن علیہ السلام کا مؤید ہو سکتا تھا مسلمانوں کے ذہنوں سے رخصت ہو چکا تھا

۱۔ ان حالات میں اگر امام حسن علیہ السلام جنگ کو جاری رکھتے تو اسلام کی محافظ جماعت جو ہر حالت میں امام حسن علیہ السلام کے ساتھ دینے پر آمادہ تھی اس لڑائی میں تہ تیغ ہو جاتی خاندانِ رسالت کا خاتمہ ہو جاتا پھر اسلامی تحریک انقلاب کا کوئی حامی باقی نہ رہتا۔ دین مبین کے حقائق کے پیش کرنے والا کوئی موجود نہ ہوتا حق اور صحیح اسلام کی تبلیغ کرنے والے

ختم ہو جاتے۔

۲۔ شامیوں کے اسلام کو ختم کرنے کی آتش انتقام اور بڑھ جاتی اور آلِ رسول کی شکست کا نتیجہ یہ ہوتا کہ شامیوں کے ہاتھوں اسلام کے بنیادی تصوّرات اور اصولی عقائد و تعلیمات فنا ہو جاتے۔

۳۔ مان لیا جائے۔ حالانکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ اگر امام حسن علیہ السلام کو اس جنگ میں ظاہری فتح بھی ہو جاتی تو امام حسن علیہ السلام کے لئے اس کا امکان نہیں تھا کہ وہ ان بگڑے ہوئے حالات میں جبکہ مسلمانوں پر حرص و آز کے بادل امڈ رہے تھے اسلام کے نظام مساوات کو پھر دوبارہ قائم کر سکیں امام حسن علیہ السلام کا مقصد اسلام کے نظام کا احیا تھا نہ کہ بادشاہت کا حصول۔

۱ الٰہی نمائندہ امام حسن علیہ السلام نے ان حالات کے پیش نظر جنگ کو جاری رکھنا مصالح روحانی کے خلاف سمجھا اور جنگ کی بجائے معاہدہ سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا جسے مورخین نے اپنی اصطلاح میں صلح حسن کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

۱۔ اس معاہدۂ جنگ بندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ابتدائی اور تاریخی موڑ پر آلِ رسول ذبح ہونے سے بچ گئی۔ اسلامی تعلیمات کے صحیح نمائندے قتل ہونے سے بچ گئے اگر یہ حضرات ختم ہو جاتے تو اس کا نتیجہ اسلام کا خاتمہ تھا۔

۲۔ اس معاہدۂ جنگ بندی نے مملکت اسلامی کی سرحدوں پر امن کی فضا

طاری ہوئی غیر مسلم طاقتوں کو حملہ کی جرأت نہ ہوئی اور ممالک غیر میں نشر و اشاعت اسلام کے مواقع حاصل ہوئے۔

۳۔ اس معاہدۂ جنگ بندی کے نتیجہ میں اسلام کے سچے متبعین کو بھرپور موقع ملا کہ وہ اسلام کے صحیح تصورات کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

۴۔ مسلمانوں کی حکومت کا مرکز دمشق میں منتقل ہو جانے سے مرکز روحانیت مدینہ طیبہ کی فضا سیاسی آویزشوں، پولیٹیکل ہنگامہ آرائیوں سے پاک ہوئی اور آل رسول کو تعلیم کتاب و حکمت کا موقع ملا۔ امام حسن علیہ السلام کو سیاسی مرکز سے دور رہ کر بھرپور موقع ہاتھ آیا کہ وہ آزادی سے الٰہی پیغام کا اسی مقدس سرزمین سے نشر فرمائیں جہاں سے رسول اللہ نے مکہ معظمہ کے مصائب و شدائد سے آزاد ہو کر دعوت اسلام کا آوازہ بلند کیا تھا۔ یہی وہ مقدس مقام تھا جہاں دنیا بھر کے مسلمان شرف زیارت حرم نبوی کے لئے آتے تھے اور ان کے ذریعہ سے اہل بیت علیہم السلام کے نظریات کی اشاعت کا آغاز ہوا۔

۵۔ اس معاہدۂ جنگ بندی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کو ایسے جانباز مخلصین کی جماعت مل گئی جو المیہ کربلا میں اپنی بے نظیر قربانیوں سے اسلام کو حیات جاودانی عطا کر سکیں اس معاہدۂ جنگ بندی کا نتیجہ تھا کہ اب بنی امیہ کھلم کھلا اسلام سے رجعت قہقہری نہیں کر سکتے تھے چونکہ انہیں ظاہری اسلام کی وجہ سے سلطنت حاصل ہوئی تھی۔ اس جنگ بندی کے نتیجہ میں وہ تمام تحریکات جو اسلام کو مٹانے کے درپے تھیں دب گئیں۔

۶۔ اس معاہدہ نے بنی امیّہ کو عریاں کر دیا کیونکہ التوائے جنگ میں شرائط کی خلاف ورزی کی وجہ سے اموی حکومت اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آگئی۔

۷۔ اس معاہدہ التوائے جنگ نے امام حسین علیہ السلام کی مجاہدانہ جدو جہد کے لئے رستہ صاف کر دیا۔ حقیقت میں یہ صلح نہیں تھی بلکہ معاہدۂ التوائے جنگ یا معاہدۂ جنگ بندی تھا جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں (CEASEFIRE) کہتے ہیں اسے صلح کہنا دنیائے انسانیت کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا ہے۔ صلح کہتے ہیں دلوں کی صفائی کو دوستانہ تعلقات کے قیام کو۔ اور مخالفت کی بندش کو اس معاہدہ کے بعد ایسا نہیں ہوا بلکہ اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ گرم جنگ ختم ہو گئی اور پر امن فضا میں سرد جنگ کا آغاز ہوا وہ سرد جنگ جس میں امام حسن علیہ السلام نے اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے مخالفین پر فتح مبین حاصل کی۔ معاہدۂ التوائے جنگ میں فریقین اپنے اپنے اصولوں کے پابند رہتے ہیں اپنے اپنے موقف پر قائم رہتے ہیں۔

دنیا کی کوئی تاریخ اس امر کو ثابت نہیں کر سکتی کہ کیا ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں صفائی ہو گئی تھی امام حسن علیہ السلام اور معاویہ میں دوستانہ فضا پیدا ہو چکی تھی اور آل رسول اور آل ابی سفیان میں جو تصادم مدت مدید سے

ہو رہا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔

صلح کے بعد معاویہ نے کوفہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

إني لم اقاتلكم لتصلوا ولا لتزكوا وانما

اقاتلتكم لاتامر عليكم.

میں نے تم سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو

نہ اس لئے کہ تم زکوٰۃ دو بلکہ اس لیئے کہ میں تمہارا

بادشاہ ہو جاؤں

اب حکومت مجھے حاصل ہو گئی ہے خواہ تم اسے

نہ چاہو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے حسن کے ساتھ چند

شرائط کی ہیں۔ اب وہ تمام میرے قدموں کے نیچے ہیں (بحار انوار الائمۃ السابعہ)

امام حسن علیہ السلام اپنے اصول پر قائم رہے چنانچہ آپ نے

جو خطبہ صلح کے بعد معاویہ عمرو عاص وغیرہ کے سامنے پڑھا ہے اس سے

ظاہر ہے۔ یہ خطبہ تاریخ طبری کے فارسی ترجمہ مطبوعہ نولکشور پریس میں

موجود ہے ہم اس کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پہلوں سے تم کو ہدایت

کی اور پچھلوں کی بدولت تم کو خونریزی

اور ہلاکت سے نجات بخشی تحقیق کہ دنیا ادلنے بدلنے

والی شے ہے اور ہر شے کے لئے ایک مدت مقرر

ہے اور تم وہ لوگ ہو کہ اس بیعت پر مرو گے جو ناا‌ہلوں سے

شروع ہوئی محل نا حق میں رکھی گئی اور میں وہ کہتا ہوں
ہوں جس کا اللہ بزرگ و برتر نے امر کیا ہے کہ میں نہیں
جانتا کہ شاید تمہارے لئے فتنہ و فساد ہے یا ایک مدت
تک تمتع و نفع قلیل ہے۔

چنانچہ ابن ابی الحدید نے بھی ابوالحسن مدائمنی سے نقل کیا ہے۔ کہ معاویہ نے التوائے جنگ کے بعد امام حسن علیہ السلام سے کہا کہ آپ مجمع مسلمین میں خطبہ پڑھیں۔

آپ حمد و ثنا بجالانے کے بعد آناں فرمایا تمام محامد
اس خدا کے لئے ثابت ہیں جس نے تمہارے سابقین
کو ہمارے ذریعہ سے کفر و شرک سے نکالا اور لاحقین کو
خونریزی سے بچایا۔ پس ہمارے احسانات تم پر قدیم
وجدید ہیں خواہ تم انہیں مانو یا کفران نعمت کرو۔"

اگر یہ معاہدۂ التوائے جنگ صلح ہوتا تو آپ امیر شام معاویہ کے خلاف کچھ نہ کہتے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں معاہدۂ التوائے جنگ پر دستخط فرماتے ہوئے معاویہ کے خیمہ میں امام حسن علیہ السلام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا آغاز اپنے ان الفاظ میں کیا کہ۔

ایتہا الناس ہم رسول اللہ کے اہل بیت ہیں۔ ہم تمہارے

امیر و سردار ہیں جن کو اللہ نے ہر رجس سے پاک
کیا ہے۔

معاویہ نے اس التوائے جنگ کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام کو سب و شتم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کیا یہ صلح تھی یا محض معاہدۂ جنگ بندی۔ تیر و تلوار کی جنگ ملتوی ہو چکی تھی۔ مگر اعصابی جنگ بدستور جاری رہی۔ اور امام حسن علیہ السلام نے اس جنگ میں معاویہ کو بری طرح سے شکست دی معاہدہ کے آغاز میں معاویہ سمجھتے تھے کہ انہیں فتح نصیب ہوئی ہے مگر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ امام حسن علیہ السلام کی سیاست ربانی نے تلوار کو روک کر انہیں ایسی شکست دی جو ناقابل برداشت ہے وہ دیکھ رہے تھے کہ جس اسلام کو اموی حکومت ملیامیٹ کرنا چاہتی ہے اس کی امام حسن علیہ السلام مدینہ جیسے مرکزِ روحانی سے بشد و مد تبلیغ کر رہے ہیں۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس معاہدہ جنگ بندی کے بعد عوام کی نفرت بنی امیہ سے بڑھتی جا رہی ہے اور آلِ رسول کی صحیح تبلیغ سے حکومت الہیہ کا تصور عام ہوتا جا رہا ہے اور اہل دنیا، معاویہ کو خلیفہ نہیں بلکہ ملک عضوض یا سلطان جابر سمجھنے لگے ہیں۔ چونکہ اس شکست کے انتقام میں شیعیان علی پر تلواریں چلنے لگیں۔ صحابی رسول حجر ابن عدی ۵۱ ہجری شہید ہوئے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب پر شد و مد سے سب و شتم ہونے لگا۔ اگر معاویہ اور حضرت امام حسن علیہ السلام میں واقعی صلح ہوئی ہوتی تو اموی حکومت کو معاہدہ کے دس سال بعد زہر

دلوانے کی کیا ضرورت تھی زہر کا واقعہ تبلا رہا ہے کہ جنگ جاری تھی صرف جنگ کا منہج بدل گیا تھا۔ نئے انداز سے لڑائی شروع ہوئی تھی اسی لئے حکیم اسلام علامہ اقبال نے اس معاہدہ کو معاہدہ صلح نہیں کہا فرماتے ہیں۔

آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم!

تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پازد بر سر تاج و نگیں

اس معاہدہ جنگ بندی کو تاج و تخت کا ٹھکرانا کہا ہے صلح نہیں کہا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات حسنین علیہما السلام کے متعلق جو حدیث فرمائی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الحسن والحسین اماماں قاما او قعدا

حسنؑ اور حسینؑ دونوں امام ہیں خواہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں یا بیٹھ جائیں

اس معاہدے سے امیر شام کو صرف یہ فائدہ ہوا کہ سلطنت مل گئی اسلام کو مٹانے کی مہم میں وہ ناکام ہو گئے اور جو انہیں ملی تھی وہ بھی بہت جلد ختم ہو گئی چند سال کے بعد حکومت اولاد ابی سفیان سے اس طرح نکلی کہ پھر کبھی انہیں حکمرانی کا موقعہ نہ ملا۔ حکومت مروان اور اولاد مروان میں منتقل ہوئی وہ بھی اموی تھے آخر اس نفرت کے باعث جو عامۃ الناس میں ان کے خلاف پیدا ہو چکی تھی ان کے خاتمہ کا باعث ہوئی جس تحریک نے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ اس تحریک کا نام "تحریک رضائے آل محمد" تھا۔

کنیت - اسم سامی
حُلیہ مبارک - القابات

کنیت :- کنیت وہ نام جو کسی کی تعظیم یا علامت کے لئے بولا جائے وہ نام جو اب، اُمّ، ابن یا بنت سے شروع ہو۔ (المنجد)

صاحب مجمع البحرین علامہ فخر الدین الطریحی طاب ثراہ لکھتے ہیں،

" الکنیت اسم یطلق علی الشخص للتعظیم کابی القاسم وابی الحسن " کنیت اس نام کو کہتے ہیں جس کا اطلاق کسی شخص پر تعظیم کے لئے کیا جائے جیسے سرکار رسالت محمد مصطفےؐ کی کنیت ابوالقاسم اور سرکار ولایت علی مرتضیٰ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ کنیت کا لفظ کنایہ سے مشتق ہے جس کے معنی اشارہ ہے۔ ایسا نام جس سے کسی کی طرف اشارہ کیا جائے کنیت کہلاتا ہے بعض اوقات کنیت اوصاف کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ابوالصفا۔ یعنی وہ شخص جو صفائی کو اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہے جناب امیرؑ کی کنیت ابوتراب ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

انا فجمیع من فوق التراب فداء تراب نعل ابی تراب

میں اور جو کوئی بھی تراب (مٹی) پر ہے! ابوتراب کے جوتے کی مٹی پر فدا ہے کنیت مفاخر و مراسم عرب سے ہے چنانچہ امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

نحن الکرام وطفلنا فی المہد یکنی اذا اذا قعد اللئام

علی البساط لعز قمنا: ہم شریف ہیں، ہمارے بچوں کو گہوارہ میں ہی کنیت سے نامزد کیا جاتا ہے اور جب کمینے لوگ عزت کی بساط پر بیٹھ جائیں تو ہم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کنیت کا عربوں کے علاوہ دنیا کی دوسری قوموں میں رواج نہیں تھا

حضرت امام حسن علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہے جو سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنالہ الفدا نے تجویز فرمائی اور اکثر فرماتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ کنیت کسی کی نہیں ہوئی (نورالابصار ص ۱۱۹)

اسم سامی:۔ آپ کا اسم سامی حسن ہے حسن حُسن سے ہے جس کے معنی خوبصورتی و جمال ہے (المنجد) حسن کے معنی دلکش، خوبصورت، جمیل اور خوشنما ہیں۔ چنانچہ آپ کا حلیہ مبارک ان معنیٰ کا آئینہ دار ہے۔

حلیہ مبارک:۔ حضرت امام حسن کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی غلافی خوشنما و خوش منظر تھیں۔ رخسار پتلے کتابی خدوخال کے تھے۔ کلائیاں گول گاؤ دم تھیں۔ داڑھی گنجان، کانوں کی لوتک بل کھائے ہوئے تھی گردن بلند اور روشن شفاف صراحی کی طرح تھی شانے اور بازو گدگدے اور بھرے بھرے تھے، سینہ چوڑا چکلا تھا۔ قد نہ زیادہ طویل اور نہ کوتاہ۔ گویا میانہ تھا۔ رخ اقدس زیبا، نورانی اور نہایت حسین تھا، آپ کے بال گھونگر والے تھے اوسمہ کا خضاب فرماتے تھے، بدن سڈول اور نہایت خوبصورت تھا گویا حسن و جمال کے لحاظ سے حسن اسم بامسمیٰ تھے۔

شباہت رسولؐ:۔ اکثر روایات شاہد ہیں کہ آپ حسن و جمال میں رسول

اللہؐ سے مشابہ تھے آپ نصف جسم میں رسول اللہ سے کامل مشابہت رکھتے تھے جناب امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اسے دیکھنا چاہے جو گردن سے روئے مبارک تک سرکار رسالت محمد مصطفٰے سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ حسن کو دیکھ لے۔ آنحضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ امام حسن سینہ سے سر تک سب سے زیادہ جناب رسالت مآب سے مشابہ ہے انس بن مالک کہتے تھے کہ امام حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضرت رسول خدا کا ہم شکل نہیں ہے۔

کنز العمال جلد ۷ صہ ۱۰۶ تا ۱۰۷

عتبہ بن الحارث سے روایت ہے کہ ایک روز جناب ابوبکر عصر کی نماز پڑھکر مسجد سے باہر نکلے۔ جناب علی علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ امام حسنؑ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں ابوبکر نے ان کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور کہا مجھے اپنے باپ کی قسم ہے یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شبیہ ہیں علی کے ہم شکل نہیں علی ہنس رہے تھے۔

(رواہ البخاری) ارجح المطالب صہ ۲۶۸)

حسن و جمال اور حدیث رسولؐ :- حضرت کا حسن و جمال ظاہری حضرت کا ایک امتیاز ہے جس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔ منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور جناب سیدہ نے بچّہ کو آغوش رسالت میں دیا تو حضورؐ نے بچّہ کی شکل دیکھتے ہی ارشاد فرمایا۔

ہذا احسن من ذاک۔

یہ تو پہلے بچہ سے بھی زیادہ حسین ہے اس سے معلوم ہوا کہ نام رکھنے والے کو نام رکھنے میں ان کا حسن و جمال ظاہری بھی ملحوظ تھا۔

چنانچہ سرکار رسالت سے منقول ہے:

یہ نام عالم انوار میں رکھا گیا:۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اور علی و فاطمہ سے حسن و حسین کو خلق کیا۔ بعد خلق جب ان دونوں کو پکارا تو اس پر ان دونوں نے اللہ کی اطاعت کی پھر اللہ نے ہمارے نام رکھے جنہیں اپنے ناموں سے مشتق کیا تھا، اللہ محمود ہے اور میں محمد ہوں، اللہ علی ہے یہ علی بھی علی ہے۔ اللہ فاطر ہے اور یہ فاطمہ ہے اللہ صاحب احسان ہے اور یہ حسن ہے اللہ محسن ہے۔ اور یہ حسین ہے اور اللہ صاحب احسان ہے اس کے بعد ہم سے حسین کی صلب میں نو امام پیدا کئے اور ان کو بلایا انہوں نے بھی اطاعت کی اور یہ سب کچھ اسوقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے نہ آسمان پیدا کیا تھا اور نہ زمین نہ ہوا کی تخلیق ہوئی تھی نہ پانی کی نہ فرشتہ کو پیدا کیا تھا نہ انسان کو۔ (تفسیر فرات)

ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام کا نام حسن رکھنے میں ظاہری اور مادی حسن و جمال سے بڑھکر جمال باطنی اور حسن معنوی ملحوظ تھا چنانچہ ان کا نام احسان سے مشتق ہے اس لئے امام حسن کے امتیازات میں احسان ایک امتیازی صفت ہے۔ خلق حسن شہرۂ آفاق اور اخلاق باطنی جمال ہے۔ آپ جہاں ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے حسن ہیں اس سے بڑھکر باطنی حسن و جمال میں بھی آپ کو رسول اللہؐ سے مشابہت ہے۔

رسول اللہؐ سے باطنی شباہت:۔ سرکار رسالت حضرت محمد مصطفےٰؐ کا ارشاد ہے کہ حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت و سخاوت ہے (طبرانی) اور یہ امر حسن باطن کا آئینہ دار ہے۔

نام کے لئے الٰہی اہتمام:۔ ابو الحسین نسابہ جو ماہر بن علم نسب میں سے ہیں حسنؑ و حسینؑ کے اسمائے سامیہ کے متعلق کہتے ہیں۔

خداوند عالم نے ان دو اسموں کو دنیا کی نگاہ سے پردہ خفا میں چھپا رکھا تھا یہاں تک کہ خاتون قیامت سیدۂ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزندوں کے نام حسن و حسین رکھے گئے

عالم اسباب میں تسمیہ:۔ ابن بابویہ نے بسند معتبر جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام متولد ہوئے اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے جناب امیر علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ آپ اس مولود کا نام تجویز فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں نام رکھنے میں سرکار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ پر سبقت کرنا نہیں چاہتا۔ پس جناب امیرؑ امام حسن علیہ السلام کو کپڑے میں لپیٹ کر خدمت رسالتمآبؐ میں لے گئے۔ پھر حضور نے اپنی زبان اس بچے کے منہ میں رکھی امام حسنؑ زبان رسالت چوس رہے تھے۔ پھر جناب امیرؑ سے دریافت کیا کہ آپ نے اس بچہ کا نام کیا تجویز کیا ہے جناب امیرؑ

نے عرض کیا میں اس معاملہ میں سبقت اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا میں اس معاملہ میں اپنے رب پر سبقت نہیں کرتا اس وقت باری تعالیٰ نے حضرت جبریل امینؑ کو حکم دیا کہ ہمارے حبیب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے جاؤ ہمارے حبیب کو سلام کہو اور ہدیہ تبریک پیش کرو اور کہو کہ علی کو تجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس مولود کا نام ہارون کے بیٹے کے نام پر رکھو پس جبریل نازل ہوئے اور رسول اللہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ معبود نے فرمایا ہے کہ اپنے اس بیٹے کا ہارون کے بیٹے کے نام پر شبّر رکھو حضور نے فرمایا میری زبان عربی ہے اور شبّر عبرانی زبان کا لفظ ہے جبرئیل نے کہا اس کا نام حسن رکھو جو شبر کا مترادف ہے۔

(منتہی الآمال صلا)

اس نام کی توضیح

خداوند عالم نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:-

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا
كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ؕ (المزمل)

اے اہل مکہ! ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تمہارے اعمال کا گواہ ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

اس آیت سے عموماً یہ مراد لی جاتی ہے کہ جناب سرکار رسالت سرور انبیا سید المرسلین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثیل موسےٰ

ہیں۔ حالانکہ یہاں جناب رسالتمآبؐ کی تشبیہ جناب موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام سے نہیں بلکہ بھیجنے کی تشبیہ بھیجنے سے ہے ذرا الفاظ پر غور و فکر کیجئے۔

ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جس طرح کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا یعنی ہمارے بھیجنے کا نہج و انداز وہی تھا جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے اختیار کیا۔ ذرا غور کیجئے۔

۱ موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے۔ اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہٖ کافۃ للناس یعنی تمام بنی نوع انسان کے لئے مبعوث ہوئے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ (الفرقان)

بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ عالمین کے لئے نذیر ہو۔

اللہ رب العالمین ہیں اور محمد مصطفےٰ نذیراً للعالمین جہاں جہاں اللہ کی ربوبیت کارفرما ہے وہاں محمد مصطفےٰ کی نذارت۔

۲۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کی شان میں ارشاد ہوا کلّم اللہ موسیٰ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور جناب ختمی مرتبت محمد مصطفےٰؐ کی شان میں ارشاد ہوا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ (النجم)

ان کی بات کو ان کی بات نہ سمجھو ان کی ہر بات ہماری
بات ہے۔ ان سے ہماری وحی کا سلسلہ منقطع نہیں
ہوتا۔ ان کی ہر جنبش لب اور حرکت لسان ہماری
وحی ہوتی ہے۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام طور پر بلائے نہیں گئے بلکہ آگ کی چمک دیکھ کر خود پہنچے
جناب صاحب معراج خاص اہتمام و انتظام سے عرش پر بلائے گئے

۴۔ کہاں موسیٰ جو پیدل چلکر طور پر پہنچے کہاں محمد مصطفےٰ جن کے لئے براق
کی سواری آئی اور سفر میں خدمت کے لئے جبرئیل جیسا امین خادم
عطا کیا گیا۔

۵۔ جناب موسیٰ کوہ طور پر پہنچے اور محمد مصطفےٰ عالم نور تک جسے آیات
کبرائے نے گھیرا ہوا تھا۔

۶۔ جناب موسیٰ کو طور پر حکم ہوا۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى

ذرا جوتیاں اتار کر آؤ۔ تم طور کی مقدس وادی میں ہو۔

جناب محمد مصطفےٰ سے ارشاد ہوا اور قریب آؤ اور قریب آؤ

دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

(النجم) القرآن الحکیم۔

۷۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاکر فرعون کو ہدایت کرو وہ سرکش
ہو گیا ہے یہ حکم پاکر مصروف مناجات ہوئے۔

معبود! تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں۔ مگر میرا سینہ
کشادہ کردے۔ میری زبان کی گرہیں کھول دے
اور اس سے بڑھکر یہ کہ میرے بھائی ہارون کو میرا
وزیر مقرر کردے اور اس کے ذریعہ سے میرا بوجھ ہلکا
کردے، نبی معصوم کی دعائیں تھیں اجابت میں کوئی
رکاوٹ موجود نہیں تھی اس لئے قبول ہوئیں، شرح
صدر بھی ہوا، زبان کی گرہیں بھی کھل گئیں، ہارون سا
عصمت لئے ہوئے وزیر اور قوت بازو بنا۔ مگر
یہ سب کچھ مانگ کر لیا، سوال کرنے پر ملا۔

مگر سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر بھی فخر فرمائیں
زیبا ہے کہ بغیر مانگے زبان قدرت فرما رہی ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اے حبیب! کیا
ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا۔ وَوَضَعْنَا
عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ کیا ہم
نے تمہاری رسالت کا وہ بوجھ ہلکا نہیں کیا جو تمہاری
کمر توڑ رہا تھا۔ دیکھئے "وزر" کے معنی ہیں بوجھ اس
لئے وزیر اسے کہتے ہیں کہ جو بوجھ اٹھالے اور محمد مصطفےٰ
کے وزیر نے کس طرح بوجھ اٹھایا۔

۱۰ سرکار رسالت نے دعوائے نبوت و رسالت کیا تصدیق آپ کے

وزیر علی مرتضیٰؑ نے کی۔

۲۔ تبلیغ رسالت حضور فرما رہے تھے۔ معجزۂ شجاعت بن کر سینہ سپر علیؑ تھے۔

۳۔ مکہ سے سفر سرکار رسالت نے فرمایا۔ مکہ میں مقیم رہ کر ادائے امانات کا فریضہ علی مرتضیٰ نے ادا کیا۔

۴۔ غار میں رسول اللہ تھے۔ اور مجتمع عرب کی تلواروں تلے آپ کا وزیر موجود تھا۔

۵۔ الفاظ قرآن مجید کو رسول اللہ پہنچا رہے تھے۔ ان الفاظ کی تفسیر صاحب علم لدنی علی مرتضیٰ کر رہے تھے۔

۶۔ سپہ سالار اسلام حبیب خدا محمد مصطفےٰ۔ علمبردار لشکر سرتاج اولیا علی مرتضیٰ

۷۔ سراپا رحمت سرکار رحمۃ للعالمین۔ اشدّاء علی الکفّار حیدر کرار

۸۔ جہاد لسانی رسول اللہ کا فریضہ۔ جہاد بالسیف علی مرتضیٰ کا شعار۔

۹۔ مدینۃ العلم، علم کا شہر نبی امّی۔ باب مدینۂ علم خطیب سلونی قبل ان تفقدونی۔ علی

(۱۰) بت شکنی کا حکم رسول اللہ نے دیا بت شکنی سوار دوش پیمبر علیؑ کا سر احنام کو دس تک عشرہ کاملہ

۸۔ جناب موسیٰ کے خلیفہ، جانشین، وزیر ہارون رہے مگر حضرت موسےٰ کی زندگی میں انہیں اتنی مہلت نہ ملی کہ بعد حضرت کلیم اللہ وہ خلافت موسےٰ علیہ السلام کے فرائض کو انجام دیں۔

حضرت محمد مصطفٰے کے وزیر علی مرتضٰی نے کچھ اس شان سے سرکار رسالت کا بوجھ ہلکا کیا کہ رب العزت کا ارشاد ہوا۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

(پ۔۳۰ القرآن)

دیکھو اے حبیب! جب تم تبلیغ رسالت کی تکمیل کر چکو تو اب اس کار رسالت میں حصہ لینے والے کو اپنی جگہ نصب کر دو جب اسے مقرر کر چکو تو ہماری طرف آنے کی رغبت کرنا اور دیکھو اگر تم نے اس اہم حکم کی تبلیغ نہ کی تو گویا تم نے ہماری رسالت کو ہی نہیں پہنچایا کار رسالت کی تکمیل اسی تقریب پر منحصر ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔

(المائدہ القرآن الحکیم)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا اسے پہنچا دے اگر تو نے اسے عملاً و فعلاً نہ کیا تو گویا تو نے فریضہ رسالت کو ہی انجام نہیں دیا اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا چنانچہ رسالت نے اسے من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ کے الفاظ

سے لاکھوں کے مجمع میں پہنچایا اور فعلاً اپنا جانشین
بنا کر تعمیل ارشاد الٰہی کی

۹- موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہارون ان کے خلیفہ تھے مگر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد ان کے وصی اور جانشین یوشع بن نون ہوئے اور وصایت و خلافت موسوی اولاد ہارون علیہ السلام میں منتقل نہیں ہوئی۔

اس کے برعکس جناب امیر زمانہ سرکار رسالت میں بھی رسول اللہؐ کے خلیفہ تھے اور بعد رسالت بھی ان کے خلیفہ، وصی و جانشین و امام خلق ہوئے بلکہ وصایت کے لئے رسول اللہ کی وصایت و خلافت اور عہدۂ ولایت و امامت جناب علی مرتضیٰ کی اولاد معصومہ میں قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ آخری حجت خدا بھی صلب علی مرتضیٰ اور بطن فاطمہ زہراؑ سے مہدی موعود ہوگا۔

(۱۰) اگرچہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا نام حضرت ہارون کے فرزند شبر کے نام پر رکھا گیا۔ مگر ان کے مناصب و مراتب میں زمین آسمان کا فرق ہے امام حسن علیہ السلام بھی معصوم تھے اور درجۂ ولایت و امامت پر فائز تھے۔ بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور اہلبیت سرکار رسالت سے ممتاز تھے۔ اور سردار جوانان بہشت تھے۔ یعنی ہر اس شخص کے سردار جو بھی جنت میں مقیم ہوگا بجز سرکار رسالت و سرکار ولایت، تلک عشرۃ کاملہ

القابات :۔ کثرت القابات، کثرت فضائل کی دلیل ہے جناب امام حسن علیہ السلام القابات کثیرہ سے ممتاز ہیں جن میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) تقی، (۲) زکی (۳) سید (۴) سبط (۵) ولی (۶) مجتبےٰ (۷) طیّب (۸) نقی (۹) امین (۱۰) حجت (۱۱) بر (۱۲) زاہد (۱۳) صفوۃ اللہ۔ الناصح (۱۵) القایم (۱۶) ریحانۃ النبی (۱۷) شبیہ رسول۔

تقی کا مادہ وقٰی ہے اسی مادہ سے تقی ہے جس کے معنی پرہیز گار ہونا ہے اسی سے لفظ تقویٰ ہے جس کے معنٰی اللہ سے خوف اور اس کی اطاعت میں عمل کرنا ہے۔ اسی مادہ سے تقی جس کی جمع اتقیا ہے ماخوذ ہے اس کے معنٰی متقی اور پرہیز گار ہیں۔ قرآن حکیم نے انسانی اعمال کی قبولیّت کا دارو مدار اسی تقوٰے پر رکھا ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ؕ

اِنّمَا کلمہ حصر ہے اس لئے اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف پرہیز گاروں کے عمل کو قبول کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اعمال حسنہ، خیرات و میرات، پرہیز گاری کے بغیر بارگاہ الٰہی سے سندِ قبولیت حاصل نہیں کرتے اور مسترد ہو جاتے ہیں جس طرح قابیل کی قربانی مسترد ہوئی اعمال حسنہ کی قبولیت کا معیار تقوٰے و اتقا ہے۔ اسی لئے جناب امیر المومنین امام المتقین ہیں وہ پرہیز گاروں

کے امام ہیں فاسق و فاجر انسانوں کے نہیں انہی معنوں میں امام حسن علیہ السلام بھی تقی ہیں حجت تاسع یعنی ہمارے نویں امام محمد بھی محمد تقی ہیں۔ اللہم اجعلنا من المتقین

زکی:- زکی پاک و پاکیزہ ہونا۔ نشو و نما پانا۔ صدقہ دینا زکی کے معنی پاک و پاکیزہ۔ ہادی کے لئے پاکیزگی جیسے عصمت و طہارت کہتے ہیں لازم و ضروری ہے چونکہ ہادی کا اہم فریضہ بنی نوع انسان کو پاک و پاکیزہ کرنا ہے چونکہ تزکیۂ نفس ہی انسانی فلاح و بہبود اور نجات کا ذریعہ ہے جیساکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا پ۳۰ القرآن

ھا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے آیۂ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ کیا، تزکیہ نفس کر لیا اسی نے ہی فلاح و نجات پائی۔

التزکیۃ التطہیر من الاخلاق الذمیمۃ الناشئۃ من شر البطن والکلام والغضب والحسد والبخل وحب الجاہ وحب الدنیا والکبر والعجب:

(مجمع البحرین)

تزکیہ نفس کے معنی برے اخلاق سے جو پیٹ اور زبان کی شر سے نشو و نما پاتے ہیں طاہر و پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اخلاق ذمیمہ غصہ۔ حسد، بخل، حب جاہ، دنیا کی محبت تکبر اور غرور

ہیں زکی کے معنی اخلاق ذمیمہ، زبان و شکم کے شرور سے پاک و پاکیزہ انسان ہیں وہ انسان جس میں غیظ و غضب حسد و بخل، حب جاہ و حب دنیا اور تکبر و غرور نہ ہو ایسا شخص معصوم ہی ہو سکتا ہے حضرت امام حسن علیہ السلام کا یہ لقب ان کی عصمت و طہارت کی دلیل ہے نفس زاکیہ و زکیہ صاحب عصمت کو ہی کہتے ہیں۔

الزکیۃ والزاکیہ نفس لم تذنب قط

(مجمع البحرین)

زکی اور زاکی ایسے نفس کو کہتے ہیں جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ یعنی معصوم چنانچہ اس فرشتے نے جو جناب مسیح علیہ السلام کی بشارت لے کر آیا تھا حضرت مریم سے کہا تھا۔

لِاَہَبَ لَکِ غُلاماً زَکِیّاً (سورۃ مریم)

غلاماً زکیاً ای طاہراً من الذنوب۔ ایسا لڑکا جو گناہوں سے پاک ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا :- ای ظفر من طہر نفسہ بالعمل الصالح: (مجمع البحرین)

یعنی وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو اعمال صالحہ سے پاک کیا۔

زکوٰۃ کو اسی لئے زکوٰۃ کہتے ہیں چونکہ اس سے مال پاک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ دینے والا بخل و حرص جیسی دنس سے پاک ہو جاتا ہے جناب رسالت

ماب کی بعثت تزکیہ نفس کے لئے ہوئی تھی.

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ)

وہ وہ خدا ہے جس نے اہل مکہ میں رسول کو مبعوث فرمایا تاکہ ان کے لئے آیات کی تلاوت کرے اور انہیں پاک کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے تعلیم کتاب وحکمۃ سے پہلے تزکیہ نفس ضروری ہے اس لئے رسول اللہ کے منصب خلافت کے فرائض میں تزکیہ نفس تعلیم کتاب وحکمۃ سے مقدم ہے مگر تزکیہ نفس وہی کر سکتا ہے جو زکی ہو نفس زکیہ ہو. تو لقب زکی سے ثابت ہوا کہ آپ منصب خلافت رسالت پر فائز تھے۔

نقی. یہ لفظ نقا سے مشتق ہے. جس کے معنی ہے باطن کو پاک کرنا اس لئے نقی وہ جس کا باطن ہر قسم کے گناہ و خطا اور عیب سے پاک ہو اسی لئے حدیث قابیل میں ہے کہ قابیل نے ایسی چیز کی قربانی دی، ما زرعہ عالم ینتق ای لم یکن خالیاً من الفتن. یہ قربانی زرعی پیداوار سے دی جو کھوٹ اور آمیزش سے خالی نہیں تھی. امام حسن علیہ السلام اور حجت دہم حضرت علی ابن محمد کا لقب نقی ہے یعنی ان دونوں کے اعمال خالصۃً للہ تھے اور

ہر قسم کے کھوٹ اور آمیزش سے خالی تھے اور یہی شان عصمت ہے۔
سید۔ یعنی سردار اور اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے رسول اللہؐ نے ان کے اور ان کے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے فرمایا۔

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ
وَاَبُوْهُمَا اَفْضَلُ مِنْهُمَا۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حسنؑ و حسینؑ تمام اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں مگر ان کا باپ ان سے بہتر ہے۔ دنیا کی سب سرداریاں چند روزہ ہیں مگر جنت کی سرداری ابدی ہے۔

اس حدیث کی بناپر علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ سید میں کس قدر شرف ہے کہ یہ لقب زبانِ وحی ترجمانِ رسالت نے عطا فرمایا ہے۔ نیز رسول اللہ کی مشہور حدیث ہے

ابنی ہذا سید: یہ میرا بیٹا سید ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲)

صفوۃ اللہ: الٰہی پاکیزگی۔ اگر لقب سید میں یہ اعلیٰ شرافت موجود ہے کہ یہ لقب رسول اللہؐ نے عطا فرمایا ہے تو لقب صفوۃ اللہ اللہ کا عطا کیا ہوا لقب ہے۔ بحار الانوار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام نے کلمۂ توحید و رسالت کے ساتھ ہر جگہ لکھا ہوا دیکھا۔ "علی خیرۃ اللہ۔ الحسن صفوۃ اللہ والحسین امین اللہ،
السبط: بیٹے یا بیٹی کا بیٹا چنانچہ مجمع البحرین میں ہے۔" الاسباط اولاد

الولد جمع سبط"۔

اسباط کے معنی ہیں بیٹے یا بیٹی کی اولاد یہ سبط کی جمع ہے امام حسن ان معنی میں سبط ہیں کہ سرکار رسالتمآب کی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہرا کے فرزند ہیں۔ عربی کی لغت منجد میں ہے کہ اگرچہ سبط اولاد کو کہتے ہیں۔ مگر یہ لفظ زیادہ تر نواسے کے لئے مخصوص ہے۔ جس طرح پوتے کے لئے حفید مخصوص ہے

سبط ایسے درخت کو کہتے ہیں کہ جس کی شاخیں بہت ہوں اور جڑ ایک ہو ان معنی میں بھی حضرت امام حسن سبط ہیں چونکہ شجرۂ طیبہ سیادت سے ہیں جس کی جڑ ایک ہے اور شاخیں بہت سی ہیں۔

اللہ نے اس شجرۂ طیبہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی سورۂ ابراہیم میں نہایت وضاحت سے فرمایا ہے:۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ
فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ
بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ؁

(ابراھیم آیت ۲۴ و ۲۵ پ ۱۳ ع ۱۶)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیا اچھی مثال بیان کی اس کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی ہے

کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک
پہنچی ہوئی ہیں وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت پھلا
پھولا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے واسطے اس لئے
مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت و عبرت
حاصل کریں۔

اس آیہ مبارکہ کی توضیح ایک حدیث میں سرکار رسالت نے اس طرح فرمائی ہے۔

میں اس درخت کی جڑ ہوں۔ علی اس کا تنا اور ائمہ
اہل بیت اس کی شاخیں اور ہمارے شیعہ اس کے
پتے ہیں۔ (قرآن پاک) اردو ترجمہ مولانا فرمان علی اعلی اللہ مقامہم)

کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت میں شجرہ طیبہ کا مطلب دریافت کیا گیا۔ فرمایا یہاں وہ درخت مراد ہے۔ جس کی جڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تنا امیر المومنین علیہ السلام ہیں اور آئمہ جو ان دونوں بزرگواروں کی اولاد ہیں وہ اس کی شاخیں ہیں اور ائمہ علیہم السلام کا علم اس درخت کا پھل ہے۔ اور ان حضرات کے شیعہ اس درخت کے پتے ہیں پھر فرمایا واللہ جب کوئی مومن پیدا ہوتا ہے تو ایک پتہ اس میں لگ جاتا ہے اور جب کوئی مومن مر جاتا ہے تو اس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔ اسی طرح شجرۂ طیبہ کی توضیح جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں اس طرح فرمائی ہے جسے ہم توارث صفات کے عنوان

میں لکھ چکے ہیں۔

حَتّٰی اَفْضَتْ کَرَامَۃُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ
اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
فَاَخْرَجَہٗ مِنْ اَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتاً
وَاَعَزِّ الْاَرُوْمَاتِ مَغْرِساً مِنَ الشَّجَرَۃِ
الَّتِیْ صَدَعَ مِنْہَا اَنْبِیَاءَہٗ وَانْتَخَبَ
مِنْہَا اُمَنَاءَہٗ عِتْرَتُہٗ خَیْرُ الْعِتَرِ وَاُسْرَتُہٗ
خَیْرُ الْاُسَرِ وَشَجَرَتُہٗ خَیْرُ الشَّجَرِ نَبَتَتْ فِیْ
حَرَمٍ وَبَسَقَتْ فِیْ کَرَمٍ لَھَا فُرُوْعٌ طِوَالٌ
وَثَمَرَۃٌ لَا تُنَالُ۔

نہج البلاغہ خطبہ ۹۰ ص ۱۸۵ و ص ۱۸۶ مطبوعہ مصر

یہاں تک کہ یہ الٰہی شرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا جنہیں ایسی معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے جو نشوونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں پیدا کیا۔ اسی شجرے سے کہ جس سے انبیاء پیدا کئے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے ان کی عترت بہترین عترت (اولاد) ہے ان کا قبیلہ بہترین قبیلہ ہے اور شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر اگا اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا

جس کی شاخیں دراز اور پھل رفعت کے لحاظ سے
دسترس سے باہر ہیں۔

اس لحاظ سے بھی امام حسن علیہ السلام "سبط" ہیں۔

سبط کے معنی ہیں جس سے کسی کی نسل باقی رہے۔ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہی باقی رہی اس لئے ان معنٰی میں حضرت امام حسنؑ بھی سبط ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی سبط ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ جعل ذریتُ کل نبیؐ فی صلبہ
جعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب

(فردوس الاخبار دیلمی)

اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کی صلب میں رکھی مگر میری
اولاد صلب علی ابن ابی طالب علیہما السلام میں رکھی
اس صلب سے امام حسن و امام حسین علیہما السلام پیدا
ہوئے اور ان سے نسل رسالت باقی رہی ان معنٰی میں
حسنؑ بھی سبط ہیں اور حسینؑ بھی۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝

اے رسول! ہم نے تمہیں کثرت اولاد عطا فرمائی
اب تم (شکریہ میں) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھو
اور قربانی دو یا اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند
کرو (تکبیر کہو) یقیناً جو تمہارا دشمن ہے وہی بے اولاد ہے

احادیث میں کوثر کے مختلف معنی وارد ہوئے ہیں خیر کثیر، علم و عمل، نبوت وکتاب، شرف وارسن وکثرت اولاد و متبعین مگر سورۂ کوثر میں ابتر کا قرینہ صادقہ بتلا رہا ہے کہ کثرت اولاد کے معنی مطلوب حقیقی ہیں۔ چونکہ دشمن کو بے اولاد کہا گیا ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں رسول اللہؐ کے لئے کثرت اولاد کا وعدہ ہے ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ سرکار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے کسی کو اولاد کی نعمت عطا فرمائی حضرت ماریہ قبطیہ کو اللہ نے فرزند ابراہیم عطا فرمایا جو زندہ نہ رہا اور اس سے رسول اللہ کی اولاد کا سلسلہ نہ چلا۔ ہمارے بھائیوں حضرات اہل سنت کا خیال ہے کہ رسول اللہؐ کے صلب سے حضرت خدیجہ کے چار بیٹیاں ہوئیں جو ہمارے مسلمات کے خلاف ہے اگر ان کو رسول اللہ کی بیٹیاں بھی سمجھ لیا جائے تو ان میں سے کسی سے نسل رسالت کا بقا نہ ہوا ان معنی میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ حالانکہ کثرت اولاد کا وعدہ اس کا مقتضی تھا کہ ہر بیوی کے اولاد ہو اور پھر رسول اللہؐ سے منسوب ہونے والی ہر بیٹی سے اولاد ہو مگر ان سب کا نعمت اولاد سے محروم رہنا بتلا رہا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا کہ سیدہ فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے

بطن سے ہی نسل رسالت کا بقا ہو اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی اولاد اولادِ رسول کہلائے اس لئے اس معنی میں یہ دونوں بزرگوار سبط ہیں اور یہ لقب منشائے الٰہیہ د قوت قاہرہ ربانیہ کا مظہر ہے۔

کافی میں کوثر سے مراد ذریت طیبہ بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب سیدہ اور سبطین شریفین جن سے بقائے نسل رسالت ہوئی معصوم تھے چنانچہ اس کے متعلق ایک روایت اہل سنت کے ہاں بھی موجود ہے۔

ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدۂ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں تشریف لائے اور پانی مانگا جناب سیدہ نے لکڑی کے پیالے میں پانی حاضر کیا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈبویا۔ اور اس پانی کو جناب سیدہ کے سر اور سینہ پر چھڑکا اور دعا کی۔

اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؁

پالنے والا! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے فریب سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

صواعق محرقہ ابن حجر مکی و ابوداؤد وغیرہ بحوالہ حاشیہ قرآن مجید مترجم مولانا فرمان علی

یہ حدیث جناب سیدہ اور ان کی اولاد کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور حضرت سیدہ کی اولاد طیبہ کی طہارت پر دلالت کر رہی ہے۔

ولی :۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب ولی

ہے ولی کے معنٰی ہیں مَنْ ولی امر احد" فھو ولیہ جو کسی کے امر کی ذمہ داری لے وہ اس کا ولی ہے۔ اس طریقہ سے جو شخص امرالٰہی کی ذمہ داری لے وہ ولی اللہ ہے۔ اور اولیاء اللہ کی یہی صفت ہے۔ ع۔

ہاں یہ بندے ہی مگر کار خدا کرتے ہیں۔

اور جب یہ لفظ مخلوق کی طرف منسوب ہو اس کے معنٰی ہوں گے امور عباد رشد و ہدایت کی ذمہ داری لینے والا تو سرکار صلح و امن حضرت امام حسن علیہ السلام ہر دو معنٰے کے لحاظ سے ولی ہیں۔ ولی اللہ بھی ہیں ولی المومنین بھی اس لحاظ سے آپ کا لقب ولی ہے۔

ولی کے معنٰے ہیں: اَلْوَلِیُّ الَّذِیْ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ولی وہ ہے جو کسی امر کی تدبیر کرے چونکہ امام ہیں اور امام کی شان ہے وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ہم نے انہیں امام بنایا ہے وہ ہمارے امر سے تدبیر امور ہدایت فرماتے ہیں اس لئے ولی اللہ ہیں۔ چونکہ مومنین کی اصلاح باحکام شرعیہ کرتے ہیں اس لئے ولی المومنین ہیں۔

ولی کے معنٰے محب بھی ہیں چونکہ امام حسن علیہ السلام اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ہیں ان کو اللہ سے محبت سب سے بڑھکر ہے اس لئے ولی اللہ ہیں چونکہ انہیں مخلوق سے ہمدردی اور محبت ہے اس لئے ان معنٰی میں ولی المومنین ہیں۔

ولی کے معنٰے ہیں ناصر۔ چونکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی نصرت میں گزرتا تھا اس لئے ان معنوں میں بھی ولی اللہ ہیں۔ اور چونکہ مخلوق خدا کی

نصرت اور اعانت بھی فرماتے رہے اس لئے ولی المومنین ہیں۔ ولی کے معنے ہیں صاحب اختیار و اولیٰ بالتصرف۔ اگرچہ ولی کا ہر معنی حقیقی معنوں میں ان کے شایان شان ہے مگر ان کے لقب ولی ہیں اللہ کو یہ معنے مطلوب و مقصود ہیں اور یہ وہ منصب ولایت ہے جو انہیں ورثہ میں بھی ملا اور اپنے سیرت و کردار سے بھی اس منصب کی خصوصیات و امتیازات سے مخصوص و ممتاز ہیں یہ منصب ان کا ننھالی ورثہ بھی ہے اور دادیالی ورثہ بھی اور اللہ کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے بھی یہ منصب انہیں عطا ہوئے۔ چونکہ سیرت و کردار کے لحاظ سے یہ اس منصب کے اہل ہیں اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝

سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا
رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے انہوں نے نماز کو قائم
کیا اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کی

اللہ کی طرف سے ہادیان راہ ہدایت کے چند مناصب ہیں۔ خلافت نبوت، رسالت، امامت اور ولایت مگر ان مناصب میں منصب ولایت کو ایک امتیاز حاصل ہے اللہ نے خلافت کے صاحب منصب کو خلیفہ کہا مگر اپنی ذات کو اس لفظ سے منسوب نہ کیا صاحب منصب نبوت کو نبی کے لفظ سے سرفراز فرمایا۔ مگر اپنی ذات کے لئے یہ لفظ اختیار نہ

فرمایا۔

رسالت سے ممتاز ہستی کو رسول کہا مگر اپنی ذات کے لئے اس لفظ کو استعمال نہ کیا صاحب منصب امامت کو امام کہا مگر خود اس لفظ کو نہ اپنایا ولایت کو مناصب عالیہ میں سے چن کر اپنے لئے بھی اختیار کیا اپنے حبیب کو بھی ولی کہا اور ولی کو بھی لفظ ولی سے یاد فرمایا۔

اب جن معنیٰ میں اللہ ولی ہے انہی معنوں میں رسول ولی ہے انہی معنوں میں علیؑ ولی ہیں اور انہی معنوں میں امام حسنؑ جن کا لقب ولی ہے ولی ہیں یعنی صاحب اختیار اور اولیٰ بالتصرف الولی اسمائے حسنۂ الہیہ سے ہے اور ہر اسم الٰہی کا کوئی مظہر ہے القابض کا مظہر حضرت عزرائیل، الباسط کا مظہر میکائیل الحفیظ کا مظہر جبرئیل امین، اور اللہ کا مظہر محمد اسی طرح الولی اللہ ہے اور ولایت اسی کے لئے ہے اور اس اسم الٰہی کا مظہر سرکار رسالتؐ ہیں سرکار ولایت علیؑ ابن ابی طالب اور سرکار صلح و امن امام حسنؑ ہیں اور سرکار شہادت امام حسینؑ ہیں اور ان کی ذریت کے نو معصوم امام اولیاء اللہ ہیں

آیہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ الخ

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس امر کو دو سندوں سے نقل کیا ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ جناب علی علیہ السلام کی شان میں ہی نازل ہوئی ہے۔ نیز نیشاپوری اور بیضاوی کو اسی بات کا اعتراف ہے ملا سعد تفتازانی نے شرح مقاصد میں اور ملا علی قوشجی نے شرح تجرید میں اقرار

کہا ہے کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے

سمعانی، واقدی، بیہقی، نظیری، صاحب مشکوٰۃ مؤلف مصابیح اور سیوطی بھی اسی کے معترف ہیں

اس آیہ مبارکہ میں لفظ ولی صاحب اختیار اور اولی بالتصرف کے معنےٰ میں ہی استعمال ہوا ہے۔

۱ آیہ مبارکہ کی ابتدا لفظ "انما" سے ہوئی ہے۔ تمام اہل لغت و اہل عربیت کا اس پر اتفاق ہے انما مفید حصر ہے اگر اس آیہ میں ولی کے معنی محب یا ناصر لئے جائیں تو حصر لغو اور غیر صحیح ہو جائے گا۔ چونکہ محبت اور نصرت خدا سے ہی مخصوص نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

مومنین اور مومنات بعض بعض سے محبت کرنے والے ہیں

یا بعض بعض کے ناصر و مددگار ہیں۔

بلکہ فرشتے بھی مومنین کے محب ویاور و ناصر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے قول کو ان الفاظ میں قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے۔

نَحْنُ اَوْلِيَاءُ كُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں

بلکہ بعض کافر بھی مسلمانوں کے محب، یاور و مددگار ہیں۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى.

ان حالات میں ولی کا معنے محب و ناصر لینا حصر کے خلاف ہے اور لفظ انما بالوضاحت حصر کی صراحت کر رہا ہے۔ نیز حسان بن ثابت انصاری نے جو عرب کے بلند پایہ شاعر اور فصاحت و بلاغت میں ایک بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے اس آیہ کے نزول پر جو قصیدہ کہا اس کا آخری شعر یہ ہے۔

فانزل فیک اللہ خیر ولایۃ فدتک نفوس القوم یا خیر راکع

اے بہترین رکوع کرنے والے قوم کے نفوس تجھ پر فدا ہوں اللہ نے تیری ہی شان میں بہترین ولایت نازل فرمائی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں ولی کے معنی اولی بالتصرف ہیں محبت و نصرت خیر و لایت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ کسی ایک سے خصوصیت نہیں رکھتی کمیت شاعر نے بھی اس موقعہ پر شعر کہا ہے۔

وفتجع التقوٰی ونعم المؤدب ونعم ولی الامر بعد ولیہ

نماز و زکوٰۃ کا جمع کرنا صرف اس حالت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ایسا کرنے والا توجہ کے لحاظ سے دو جنبے رکھتا ہو ایک جنبہ سے توجہ الی اللہ کو قائم رکھ سکے اور دوسرے جنبہ سے مخلوق کے حوائج سے غافل نہ ہو۔ یعنی واسطہ بین الخالق والمخلوق ہو اللہ سے انعام الہیہ کو لے اور بندوں

تک پہنچائے اور بندوں کی التجاؤں دعاؤں اور تمناؤں کو خدا تک پہنچائے وہ امت وسطیٰ کا فرد ہو جو ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل صفات اس برزخ کبریٰ میں ہیں حرف مشدّد کے

کے اسی لئے زکوٰۃ دینے کے لئے حالت رکوع تجویز کی گئی جو قیام وقعود کے درمیان حالت وسطیٰ ہے پس ان معنیٰ میں حضرت امام حسن مجتبےٰ ولی ہیں ع

ونعم ولی امر بعد ولیہ

مجتبیٰ۔ امام حسن علیہ السلام کے القابات خاصہ میں سے ایک لقب مجتبیٰ بھی ہے۔

مجتبیٰ کا لفظ جبار سے مشتق ہے۔ کسی کا بلند جگہ سے اچانک نمودار ہونا مجتبیٰ، رفعت کے لحاظ سے چنا ہوا۔ عربی میں چناؤ کے لئے چند الفاظ آتے ہیں، اصطفا۔ پاکیزگی کے لحاظ سے چننا اسی سے لفظ مصطفٰے ہے پاکیزہ و طہارت کے لحاظ سے چنا ہوا ارتضا، رضائے الٰہی کے لحاظ سے چننا اسی سے لفظ مرتضٰی ہے۔ اجتبا، رفعت کے لحاظ سے چننا اسی سے لفظ مجتبیٰ ہے قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

ثم اجتباہ ربہٗ۔ پھر اس کے رب نے اسے رفعت مقام کے لحاظ سے چنا۔

واجتبیناہم۔ اللہ نے انہیں بلندی کے لحاظ سے چُنا

یجتبیک ربک تیرا اللہ تجھے رفعت و عظمت کے لحاظ سے چنے گا۔

طیّب:۔ امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب طیب ہے پاک وپاکیزہ۔ طیب ما کان طاہراً جو پاک ہو، ماخلاعن الاذی فی النفس والبدن جو نفس اور بدن میں اذیت سے خالی ہو امام حسن علیہ السلام شجرۂ طیبہ سے ہیں اور عادات وخصائل میں پاک وپاکیزہ ہیں اس لئے ان کا لقب طیب ہے۔

امین:۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کا ایک لقب امین ہے۔ جو امن سے مشتق ہے اسلام مذہب امن ہے اسی لئے اس کے مرکز روحانیت کو البلد الامین کہتے ہیں مکہ یعنی امن کا شہر اس کی صفت ہے مَنْ دَخَلَہ کَانَ اٰمناً جو اس شہر میں داخل ہوا وہ امن کی فضا میں ہوگیا۔ اسلام اگر مذہب امن ہے تو اس کا خاتم رسول امین ہے اور جس محترمہ نے اس سراپا امن کو اپنے بطن اقدس میں رکھا وہ ہے آمنہ یعنی امن والی بی بی، اور اس پیغمبر امن پر پیغام امن کی وحی لایا وہ ہے روح الامین امن والی روح سرکار صلح وامن حضرت امام حسن کا لقب امین ہے یعنی جس نے امنِ عالم کے لئے تخت وتاج کو ٹھکرا دیا۔

الحجت: امام حسن علیہ السلام کے القابات میں ایک لقب الحجت ہے۔ حجت کے معنی دلیل، آپ وجود باری کی دلیل ہیں اس لئے حجت اللہ ہیں۔ صداقت اسلام کی دلیل ہیں غرضیکہ ہر حیثیت سے آپ الحجت ہیں۔

برّ:۔ امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب برّ ہے عربی زبان میں اس لفظ کے معنی ہیں نیک اطوار، بھلائی کرنے والا بڑا نیک

شعار، سچا۔ ہر معنی کے لحاظ سے امام حسن علیہ السلام برتر ہیں۔ بلکہ سید الابرار ہیں۔

زاہد:۔ سرکار صلح دامن کے القابات میں زاہد بھی ہے۔ زہد فی الشیٔ کے معنے ہیں اس شے کو ترک کرنا اور اس سے اعراض کرنا۔ زہد کے معنی مزخرفات دنیا کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا زاہد کے معنی ہیں مزخرفات دنیا کو ترک کرنے والا حدیث میں زاہد کی تعریف اس طرح پر ہے۔

من یحب ما یحب خالقہ ویبغض ما یبغضہ خالقہ یتخرج من حلال الدنیا ولا یلتفت حرامھا۔

یعنی زاہد وہ شخص ہے جو اس چیز سے محبت کرے جسے اس کا خالق محبت کرتا ہو اور اس چیز سے بغض رکھے جس سے اس کا خالق بغض رکھتا ہو دنیا میں جو چیز حلال ہے اسے صرف کرے اور دنیا کے حرام کی طرف توجہ نہ کرے۔ زاہد کے تین حرف ہیں اس لئے تین چیزوں کے ترک کرنے کو زہد کہتے ہیں۔

ز:۔ ترک زینت

ترک ہوا خواہش کو ترک کرنا۔

د: ترک دنیا: دنیا کو ترک کرنا یعنی مذموم دنیا کو ترک کرنا حدیث میں ہے افضل الزہد اخفاء الزہد۔

افضل زہد، اپنے زہد کو چھپاتا ہے۔
ہر معنی کے لحاظ سے بوجہ اتم امام حسن علیہ السلام زاہد ہیں۔

الناصح: امام حسن علیہ السلام کا لقب ہے نصح سے ماخوذ ہے اسی مادہ سے نصیحت ہے عربی زبان میں نصیحت کا لفظ متعدد معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فالنصیحۃ للّٰہ۔ الاعتقاد فی الواحدانیۃ واخلاص النیۃ فی عبادتہ ونصرۃ الحق فیہ

پس جب اللہ کے لئے نصیحت کا لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی ہیں اللہ کی واحدانیت پر اعتقاد اور اس کی عبادت میں اخلاص نیت، نیت کا خالص ہونا اور اللہ کے بارے میں حق کی نصرت اس معنی میں حضرت امام حسن الناصح ہیں۔

والنصیحۃ لکتاب اللّٰہ ھو التصدیق بہ والعمل بما فیہ وذب عنہ دون تاویل الجاھلین تحریف الغالین وانتحال المبطلین۔

جب نصیحت اللہ کی کتاب سے متعلق ہو تو اس کے معنی ہیں کتاب اللہ کی تصدیق اس پر عمل کرنا جاہلوں کی تاویل، غلو کرنے والوں کی تحریف۔ اور باطل پرستوں

کے شغف سے علیحدہ رہ کر کتاب خدا کے اشاروں پر متحرک رہنا۔ ان معنی میں بھی کامل طور پر امام حسن علیہ السلام الناصح ہیں۔

وَالنصیحۃ لرسول اللہ التصدیق بنوتہ و رسالتہ وَالانقیاد لما امر بہ ونھی عنہ

اور جب نصیحت کی نسبت رسول اللہ سے ہو تو اس کے معنی ہیں آنحضرت کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنا اور جن امور کا انہوں نے حکم دیا یا جن امور سے انہوں نے منع فرمایا ان میں ان کی اطاعت کرنا ان معنیٰ میں بھی حضرت امام حسن علیہ السلام الناصح ہیں۔

نصیحت کے معنی ہیں اخلاص و خیر خواہی ان معنیٰ میں بھی امام حسن علیہ السلام الناصح ہیں۔

الناصح کے معنی ہیں پاک دل، مخلص امام حسن کی پاک دلی پر ان کی عصمت گواہ ہے اور ان کے اخلاص پر ان کی ہر حرکت ان کا ہر سکون ان کی زندگی کا ہر لمحہ شاہد ہے

القائم :۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب القائم ہے کیونکہ آپ باعث قیام دین حق ہیں۔

ریحانۃ النبی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب ریحانۃ النبی ہے ریحانۃ کے معنیٰ ہیں گلدستہ اور جناب امام حسن علیہ السلام اخلاق و اعمال و کردار رسول اللہ کا گلدستہ ہیں ان کا ہر حرکت و سکون رسالت کی خوشبوؤں سے معطر ہے اس لئے آپ ریحانۃ النبی ہیں۔

شبیہ الرسول:۔ حضرت امام حسن کے القابات میں سے ایک لقب شبیہ الرسول ہے متعدد روایات میں وارد ہوا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نصف جسم میں رسول اللہ سے کامل شباہت رکھتے تھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اسے دیکھنا چاہے جو گردن سے روئے مبارک تک سرکار رسالت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ حسن کو دیکھ لے، جناب امیر علیہ السلام یہ بھی فرماتے تھے کہ حسن سینہ سے سر تک سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ ہے۔

انس بن مالک انصاری کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کا ہم شکل نہیں ہے (کنز العمال ص ۱۰۶ تا ۱۰۷)

حضرت رسول اللہ فرماتے ہیں کہ حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت و سخاوت ہے (طبرانی)

ولادت باسعادت

نازل ہوئے قرآن کی صورت رمضان میں

مرزا دبیر

خواب و رویا حضرت ام الفضل سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے ولادت امام حسن سے چند روز پہلے خواب میں دیکھا کہ سرکار رسالت کے مطہر کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں ہے۔ حضور کی خدمت میں یہ خواب عرض کی۔ حضور نے اسکی تعبیر میں فرمایا نہایت مبارک خواب ہے عنقریب سیدہ طاہرہ فاطمہؑ کے ایک بیٹا پیدا ہوگا تم اسے اپنے بیٹے فضل بن عباس کا دودھ پلاؤ گی (ارجح المطالب)

ولادت کے سال کے متعلق اختلاف: حضرت امام حسن علیہ السلام کی تاریخ ولادت و ماہ ولادت کے متعلق کوئی اختلاف نہیں جملہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت ۱۵ رمضان المبارک شب نیمہ رمضان المبارک میں ہوئی۔ البتہ سال ولادت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ۲ھ بعض ۳ھ اور

بعض سنہ ۴ھ

۱ مناقب شہر آشوب میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام سے دس مہینے اور بیس روز بڑے تھے اور بعض حضرات کے نزدیک ولادت امام حسین علیہ السلام ۵ شعبان المعظم سنہ ۵ھ میں ہوئی جس سال میں غزوہ احزاب یعنی جنگ خندق ہوئی ہے اس صورت میں سنہ ولادت امام حسن علیہ السلام ۱۵ رمضان سنہ ۴ھ ہونا چاہیئے علامہ مجلسیؒ نے جلاء العیون میں تحریر فرماتے ہیں

"شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ اور اکثر اعاظم علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت نیمہ رمضان سنہ ۳ھ میں ہوئی۔

اہل سنت کا بھی اسی پر اتفاق ہے چنانچہ اسد الغابہ میں زہری سے روایت ہے کہ آپ کی ولادت نیمہ رمضان سنہ ۳ھ میں ہوئی بہر کیف اکثر علما کا اسی پر اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت سنہ ۳ھ میں ہوئی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا وقت ولادت امام حسن علیہ السلام رسول اللہؐ مدینہ میں موجود تھے یا نہیں۔

اس سلسلہ میں برّہ بنت امیہ سے روایت ہے کہ امام حسنؑ کی ولادت کے بعد تین روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لائے اس لئے بنت رسول اللہ نے بہ شفقت مادری ان کو دودھ پلا دیا۔

یہ روایت زمانۂ بنی امیہ کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اصول

مسلمہ کے خلاف ہے۔ جناب سیدہ معصومہ تھیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ اپنے والد بزرگوار کے حکم کے خلاف کریں۔ تین دن کی تو کوئی بات نہیں اگر ایک ہفتہ بھی گزر جاتا تو آپ خلاف امر رسالت نہ کرتیں۔

اسی قسم کی روایت وضع کرنے سے بنی امیہ کا مقصد آل محمد کی عصمت و طہارت کو مشتبہ کرنا ہے۔ اور اسی سعی میں یہ اصول وضع کیا گیا کہ عصمت خاصہ انبیا ہے۔ حالانکہ یہ اصول منافی قرآن ہے۔ اس قدر بنی امیہ کی کوشش کے باوجود بھی بعض منصف مزاج اور حقائق پر رکھنے والے علمائے اہل سنت نے اس قسم کی خلاف مسلمات باتوں سے اثر نہیں لیا بلکہ علمائے اہل سنت میں سے ایک گروہ عصمت معصومہ کونین عصمت کبرٰی سیدہ طاہرہ کی عصمت پر ایمان رکھتا ہے چنانچہ علامہ محمد مبین سندھی اپنی شہرہ آفاق کتاب دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں۔

والائمۃ اثنا عشر من اھل البیت وسیدۃ نساء العالمین بضعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ام الائمۃ فاطمۃ الزھرا الطاھرۃ علی ابیھا وعلیھا الصلوۃ والسلام لاشبۃ فی کونھم معصومین

(دراسات اللبیب صـ ۲۳۹ مطبوعہ مطبعۃ العرب کراچی)

اہل بیت کے بارہ امام اور سیدۃ النساء العالمین بضعۃ رسول اللہ ام الائمۃ فاطمہ زہرا الطاہرہ

کے معصوم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بحارالانوار میں ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا نے ام المومنین ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم نے سیدہؑ کے پاس ہی رہنا ہے اور جب اس کے ہاں فرزند پیدا ہو تو داہنے کان اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا ہے۔ اور دیکھو ام سلمہؓ جب تک میں نہ آؤں تم نے کوئی امر اپنی طرف سے نہ کرنا چنانچہ جب امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضور سرور کائنات تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ناف کو کاٹا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور فرمایا:-

میرے معبود! میں اس کو تیری پناہ میں دیتا ہوں
اس کو بھی اور اس کی اولاد کو بھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت ولادت امام حسن علیہ السلام مدینہ میں ہی موجود تھے

روایت میں ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام کو رسول اللہ نے بعد ولادت اپنی گود میں لیا تو اپنی زبان دہن اقدس امام حسن علیہ السلام میں رکھی پس آپ اسے چوسنے لگے (منتہی الآمال)

معتبر سند سے حسین بن خالد نے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ضامن ثامن امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ مولود کے لئے کس وقت مبارک باد کہنا چاہیئے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب امام

حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ تو جبرئیل امین تہنیت کے لئے ساتویں روز نازل ہوئے اور اللہ کی طرف سے حکم لائے کہ ان کا نام اور کنیت رکھیں اور ان کا سر منڈائیں۔ اور عقیقہ کریں اور کان میں سوراخ کریں۔

(منتہی الآمال)

آپ کی ولادت کے ساتویں دن رسول اللہ نے آپ کا عقیقہ کیا آپ کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ ہم وزن چاندی خیرات کی جائے۔

(اسد الغابہ جلد ۳ صہ ۱۲)

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ ؐ نے امام حسن علیہ السلام کا عقیقہ اپنے دست مبارک سے کیا اور بارگاہ رب العزت میں اس طرح دعا کی:۔

اَللّٰھُمَّ عَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَ
دَمُھَا بِدَمِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ۔ اَللّٰھُمَّ
اجْعَلْنھَا وَقَاءً لِمُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ

بارالہا! اس کی ہڈی بعوض مولود کی ہڈی کے ہے اور اس کا گوشت بعوض اس کے گوشت کے ہے اور خون اس کا بعوض خون کے ہے اور بال اس کے بعوض مولود کے بال کے ہیں۔ خداوندا! اس قربانی کو محمد و آل محمد کے لئے بچانے والا قرار دے آپ نے امام حسن علیہ السلام کے سر کے بال ترشوائے

اور ولادت کے ساتویں دن بالوں کے عوض
چاندی تصدق کی۔

روایت میں ہے کہ جب ساتواں دن ہوا تو سرکار رسالتؐ نے امام حسن کا عقیقہ کیا اور اپنے فرزند کے بال اتروائے اور ان کے ہم وزن سونا تصدق کیا۔ اور سر پر خلوق نامی خوشبو ملی جو زعفران اور خوشبو دار چیزوں سے بنائی جاتی ہے اور اس کے رنگ میں سرخی اور زردی غالب ہوتی ہے۔

پہلی روایات میں اور اس روایت میں صرف اس قدر اختلاف ہے کہ پہلی روایات میں ہے کہ بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق فرمائی اور دوسری روایت میں ہے کہ سونا تصدق فرمایا، جمع بین الحدیثین مقتضی ہے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضور نے چاندی بھی تصدق فرمائی اور سونا بھی۔

پ

محبتِ سرکارِ رسالتؐ اور امام حسنؑ

۱ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اہل بیت میں مجھے حسنؑ و حسینؑ سب سے زیادہ محبوب ہیں (ترمذی شریف فضائل حسنین)

(سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۲)

۲- ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن بن علی کے لئے اپنی زبان دہن مبارک سے باہر نکالتے جب وہ زبان مبارک کی سرخی کو دیکھتے تو اس کی جانب جھک پڑتے

(اخرجہ ابن سعد) ارجح المطالب صہ ۲۶۹

۳- حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قینقاع کے بازار سے لوٹا۔ تو آپ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا بچے کہاں ہیں۔ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ گئے آپ نے فرمایا خدایا میں انہیں محبوب رکھتا ہوں۔ اس لئے تو

بھی انہیں محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ (صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل الحسنؑ والحسینؑ)

سیر الصحابہ جلد ۶ صـ۳۲)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو میں اس وقت سے محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے ان کو رسول اللہؐ کی گود میں دیکھا۔ یہ ریش مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور رسول اللہ اپنی زبان ان کے منہ میں دیکر فرماتے تھے خدایا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی اسے محبوب رکھ۔

مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل حسنین)

(سیر الصحابہ صـ۳۳) نور الابصار صـ۱۱۹ وذخائر

۵۔ حضرت ابو ہریرہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے جناب حسن علیہ السلام کو مدینہ طیبہ کے بعض بازاروں میں دیکھا اور کہا آپ پیٹ سے کپڑا اٹھا دیں تاکہ جس جگہ پر رسول اللہؐ نے بوسہ دیا ہے میں بھی وہاں پر بوسہ دوں جناب امام حسنؑ نے اپنا بطن مبارک کھول دیا۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے آپ کی ناف پر بوسہ دیا۔

(اخرجہ ابو حاتم) ارجح المطالب صـ۲۶۹

۶۔ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم ہم لوگوں سے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حسنین شریفین علیہما السلام سرخ قمیصیں پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے

انہیں دیکھ کر رسول اللہ منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا فرمایا خدا نے سچ ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا۔

ترمذی فضائل حسنین) سیر الصحابہ صہ ۳۳

۷۔ منقول ہے کہ سرکار رسالتؐ امام حسنؑ کو دوش مبارک پر سوار کر کے فرماتے خداوندا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی محبوب رکھ۔ (ترمذی فضائل حسنینؑ)

(کشف الغمہ) (سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۳) حلیۃ الاولیاء)

۸ روایت ہے کہ سرکار رسالت نماز پڑھتے رکوع میں جاتے تو حسنین دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے آپ ان دونوں کے نکلنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے۔

تہذیب التہذیب جلد ۲ صہ ۲۹۶) (سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۳)

۹۔ منقول ہے کہ سرکار رسالت سجدہ میں ہوتے تو دونوں صاحبزادے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک دونوں خود سے اتر نہ جاتے

اصابہ جلد ۲ تذکرہ حسنؑ) (سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۳)

۱۰۔ منقول ہے کہ حضرت ختمی مرتبت دوش مبارک پر سوار کر کے امام حسن کو کھلانے کے لئے نکلتے۔ ایک مرتبہ آپ امام حسن کو کندھے پر

اٹھا کر نکلے ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا سوار بھی تو کتنا اچھا ہے

صحیح ترمذی مناقب حسنین (سیر الصحابہ صہ ۳۴)

۱۱- اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہ کے پاس گیا۔ آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے۔ میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا۔ آپ چادر میں کیا چھپائے ہیں۔ آپ نے چادر ہٹا دی تو اس میں سے حسنؑ و حسینؑ برآمد ہوئے آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں۔ خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔

صحیح ترمذی مناقب الحسنؑ والحسینؑ) سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۴

۱۲- ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے حسن و حسین میرے جنت کے دو پھول ہیں۔

سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۴) صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین)

حذیفہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ کے ساتھ مغرب وعشا کی نماز پڑھی نماز عشا کے بعد آں حضرت تشریف لے چلے میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا میری آواز سنکر حضور نے فرمایا کون؟ حذیفہ میں نے عرض کیا جی، فرمایا خدا تمہاری اور تمہاری ماں

کی مغفرت کرے، تمہاری کوئی ضرورت ہے۔ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی اور حسنؑ و حسینؑ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں (صحیح ترمذی مناقب حسنؑ و حسینؑ (سیر الصحابہ ص۳۴ و ص۳۵

سیادت سیدہ طاہرہؑ و سیادت حسینؑ کے اعلان کے لئے اللہ نے خاص پیغام رساں فرشتہ

مامور فرما کر سرکار رسالت کے پاس بشارت کے لئے بھیجا۔

۱۳۔ **آنحضرتؐ کی فریفتگی:۔** سرکار رسالت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسنین شریفین علیہما السلام سرخ لباس پہنے ہوئے گھر سے باہر تشریف لا رہے تھے مگر ان کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے حضور سرور کائنات یہ دیکھ کر منبر سے اتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اس کے بعد فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں۔ اور ان کے پاؤں لغزش کرتے ہیں، تو مجھ سے رہا نہیں گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات منقطع کر دی اور ان کو اٹھا لیا۔

(اسد الغابہ جلد ۳ ص۱۵)

۱۴ - اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ ایک ضرورت سے میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا، حسنؑ و حسینؑ میرے دو فرزند ہیں اے خدا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے بلکہ ان کے دوستوں تک سے محبت کر۔

تاریخ الائمہ ص ۳۲۲ و ص ۳۲۳

۱۵ - ایک اور صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کی طرف رسول اللہؐ اس شان سے تشریف لائے کہ ایک شانے پر حسنؑ اور دوسرے شانے پر حسینؑ تشریف فرما تھے، اور آں حضرت کبھی حسنؑ کا بوسہ لیتے تھے کبھی حسین کا اسی طرح ہمارے پاس پہنچ گئے تو فرمایا۔ جو شخص ان دونوں سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھ سکتا ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا بھی دشمن ہے۔

تاریخ الائمہ ص ۲۲۳

۱۶ - ایک دفعہ آنحضرت نماز میں مشغول تھے جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں بچے حسن و حسین پشت مبارک پر چلے جاتے لوگوں نے روکنا چاہا۔ تو حضرتؐ نے اشارے سے منع فرمایا اور نماز تمام کر کے دونوں کو گود میں بٹھا لیا پھر فرمایا جو مجھ سے محبت کا دعوے کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ ان دونوں سے بھی محبت کرے

اصابہ جلد ۲ ص ۱۱ و ص ۱۲

۱۷ - آنحضرت ایک مرتبہ آپ کو شانہ پر سوار کئے ہوئے تھے ایک

صحابی نے کہا اے آقا زادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو۔ یہ سنتے ہی آنحضرت نے فرمایا (گویا بگڑ کر) کہ یہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے۔

(اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۵)

۱۸۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ جب کبھی بھی میں حسن علیہ السلام کو دیکھتا ہوں میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں ایک دفعہ خدمت سرکار رسالت مآبؐ میں حاضر تھا کہ امام حسن علیہ السلام دوڑے ہوئے آئے اور دامن رسول اللہ میں بیٹھ گئے آنحضرت نے ان کے دہن مبارک کو کھولا اور اپنا دہن اقدس اس پر رکھا۔ پروردگار میں حسن علیہ السلام کو کو دوست رکھتا ہوں اور اس کو بھی دوست رکھتا ہوں جو حسنؑ کو دوست رکھے۔

(منتہی الآمال ص ۱۶۱ بحوالہ کشف الغمہ وحلیۃ الاولیاء)

۱۹۔ اکثر تفاسیر میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین علیہما السلام کے لئے دو سورۂ قرآن اقل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس کو تعویذ کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان سورہ مبارکہ کو معوذتین کہتے ہیں۔

(منتہی الآمال ص ۱۶۱ بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب)

۲۰۔ روایت ہے کہ ایک روز سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ حسنین شریفین علیہما السلام آئے اور حضورؐ کی

پشت پر سوار ہو گئے جبکہ حضور سجدہ میں تھے۔ جب سرکارِ دو عالم نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نہایت لطف و مدارات سے انہیں زمین پر بٹھایا جب پھر سجدے میں گئے تو یہ دونوں پھر پشت مبارک پر سوار ہو گئے جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی گود میں بٹھلایا اور فرمایا جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ان دو بیٹوں سے بھی محبت رکھتا ہے۔

(منتہی الآمال صہ ۱۶۱)

۲۱- روایت ہے کہ سرکار رسالتؐ نے فرمایا کہ حسنینؑ عرش کے دو گوشوارے ہیں

منتہی الآمال صہ ۱۶۱

۲۲- روایت ہے کہ بہشت نے حق تعالےٰ سے عرض کیا کہ مجھے ضعفا و مساکین کا مسکن قرار دے حق تعالیٰ نے اس پر ندا فرمائی کہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میں تیرے ستونوں کو حسن و حسین سے زینت دوں

منتہی الآمال صہ ۱۶۱

۲۳- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دن سرور کائنات محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا فراز منبر پر تشریف فرما تھے کہ اپنے دونو پھولوں حسنؑ و حسینؑ کے گریہ کی آواز سنی پس عالم بیتابی میں منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اور تشریف لے گئے اور حسنین علیہما السلام

کے گریہ کو ساکت کیا اور پھر روئے اور فرمایا کہ ان کے گریہ کی آواز نے مجھے بیتاب کر دیا،

منتہی الآمال ص ۱۶۱

یہ احادیث جو ہم نے کتب فریقین سے نقل کی ہیں، مسلمہ فریقین ہیں اس لئے ان سے انکار کی کوئی صورت نہیں تھی اس لئے محبت رسول کی اہمیت کو گھٹانے کے لئے ایک سیاسی چال بنوامیہ نے اختیار کی ہے کہ رسول اللہؐ کی دو حیثیتیں قرار دے لیں۔ ایک نبوت کی حیثیت اور دوسرے بشری حیثیت اور بنی امیہ نے اس کا پروپاگنڈا کچھ ایسے انداز سے کیا کہ تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی بعض شان نبوت میں سطحی نظر رکھنے والے پکار رہے ہیں کہ "نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ کی بشری حیثیت کا تعلق ہے حسنؑ و حسینؑ کی ذات گویا ذات محمدی کا جزو تھی" اس مقولہ پر ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اللہ تعالیٰ نے اس مقولے کی تردید اسی آیت سے جس سے مسلمانوں کو غلط فہمی ہوئی ہے تردید فرمادی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ: اے رسولؐ تو ان سے کہہ دے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں بھی تمہاری مانند بشر ہوں مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

ماہرین لغت عربیہ جانتے ہیں کہ بشر کا لفظ شر سے مشتق نہیں کہ ہر انسانی لغزش پر کہہ دیا جائے کہ بشریت کا تقاضا ہے بلکہ بشر کا لفظ بشرہ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ظاہری شکل و صورت ہے تو اگر رسول اللہ ہماری

مانند ہے تو صرف ظاہری شکل و صورت میں ہے۔ بشرہ جنس مشترک ہے اور اس کی فصل ممیز یوحی الی ہے۔ یوحی الی کی شان امتیاز نے رسول اللہ ؐ کو عام انسانوں سے بالکل الگ کر دیا صرف بشرہ میں ہی اشتراک ہے۔ اور کسی چیز میں نہیں۔ نبی تو در کنار ایک حق کے درجہ پر فائز نیک انسان کو بھی ہم اپنے نفس پر قیاس نہیں کر سکتے مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اہل حق را تو قیاس از خود مگیر　　گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

تو اہل حق کو اپنے نفس پر قیاس نہ کر اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (دودھ) ایک ہی صورت رکھتے ہیں۔

اگرچہ ظاہر صورت میں نبی بشر اور غیر نبی بشر ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ہم صرف بشر ہیں اور رسول اللہ خیر البشر

ہم غیر معصوم (گناہگار) بشر ہیں اور رسول اللہ معصوم بشر

ہم مطیع بشر ہیں اور رسول اللہ مطاع بشر

ہم تابع بشر ہیں، اور رسول اللہ متبوع بشر

ہم مادی دنیا میں ہوا و ہوس کی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے والے بشر

اور رسول معراج میں تاج سر عرش پر لہرانے والا بشر

ہم غلام بشر ہیں اور رسول اللہ آقا بشر ہیں

ہم جاہل بشر ہیں اور رسول اللہ وہبی علم کا مالک۔ لدنی علم کا محل

اور علمت مالم تکن تعلم کے منصب جلیلہ پر فائز بشرت

اس کی بشریت پر مورد وحی ہونا چھایا ہوا ہے چنانچہ سرکار رسالت کی کیفیت وحی کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

ہمارا یہ رسول کبھی اپنی خواہش سے لبوں کو حرکت نہیں دیتا بلکہ اس کے لب وحی سے ہی جنبش اختیار کرتے ہیں۔

اس آیت کے معنے نحو کی روشنی میں یہی ہو سکتے ہیں کہ ہمارا رسول عام نطق بھی صرف وحی سے فرماتا ہے اور کوئی چیز اس کی گفتگو کا محرک نہیں ہوتی ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(مولانا روم)

اس لئے محبت حسن کے باب میں جو الفاظ زبان وحی ترجمان سے صادر ہوئے وہ عین وحی اور مظہر منشائے الٰہی تھے جس طرح رسول اللہ صلعم کا ہر قول قول خدا ہر کلام کلام خدا ہے اسی طرح آپ کا ہر فعل فعل خدا آپ کا ہر عمل عمل خدا ہے اور اسی حقیقت پر قرآن حکیم خود شاہد ناطق ہے ارشاد سرکار احدیت ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اے رسول! کفار کی طرف یہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے جبکہ تو نے پھینکے ہیں۔ بلکہ اللہ نے پھینکے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

یہ لوگ جب تیری بیعت کرتے ہیں تو تیری بیعت
نہیں کرتے اللہ کی بیعت کرتے اللہ کا ہاتھ ان کے
ہاتھوں پر ہے۔ اللہ کے حبیب اگر کلام کے لحاظ
سے لسان اللہ ہیں تو عمل کے لحاظ سے ید اللہ ہیں

ید عمالہ الہیہ ہیں ع

ہیں یہ بندے ہی مگر کار خدا کرتے ہیں

اس لئے باب محبت حسن علیہ السلام میں جو کچھ زبان وحی ترجمان سے فرمایا وہ کلام خدا ہے اور جو کچھ اس محبت کے سلسلہ میں کیا۔ وہ فعل عین منشائے الٰہی کے مطابق تھا اس لئے فعل خدا ہے۔ یہ جو کچھ کہا وہ نبوت ورسالت کی حیثیت سے کہا جو کچھ کیا وہ نبوت ورسالت کی حیثیت سے کیا۔ اس میں اپنی خواہش تھی بلکہ للہیت تھی۔ اگر آپ رسول اللہ کی نبوی حیثیت کو نظر انداز کر کے ان اقوال واعمال کو بشریت کا تقاضا قرار دیں گے تو پھر رسالت کی بشریت کا مقام عام مسلمان کی بشریت سے بھی پست نظر آئے گا۔ کیونکہ یہ عام مسلم مبلغ کی بھی شان کے شایاں نہیں کہ وہ تبلیغ احکام الہیہ کو چھوڑ کر بچوں کی محبت میں مبتلا ہو جائے۔ رسول تو رسول یہ عام مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اس کا بچہ حالت رکوع میں اس کی ٹانگوں کے درمیان گھس جائے اور وہ اس بچہ کے خوش کرنے کے لئے

ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دے یا سجدہ کی حالت میں جب اس کا بچہ پشت پر سوار ہو جائے تو وہ سجدے کو اتنا طول دے کہ جب بچہ اسی خوشی سے اترے تو پھر سجدے سے سر اٹھائے۔ اس قسم کی چیزیں عوام کے لئے ناقض صلوٰۃ ہیں۔ مگر رسول اللہ کے لئے نہیں چونکہ نفس مبارک میں دو جذبے موجود تھے ایک جذبہ جو انہیں متوجہ الی اللہ رکھتا تھا اور دوسرا جذبہ متوجہ الی المخلوق اللہ، مخلوق کی طرف متوجہ ہونا انہیں اللہ سے غافل نہیں کرتا تھا اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق سے قطع تعلق کا باعث نہیں تھا وہ اللہ اور مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ تھے پھر کیوں گا سے

انبیا را تو قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

اب ان شواہد کی موجودگی میں کسی مسلمان کو جائے انکار باقی نہیں رہے گی کہ رسول اللہ کے اقوال و اعمال ذاتی خواہشات بشری جذبات اور انسانی وجدانات کے تقاضوں سے متاثر ہو کر انجام پذیر نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ کا ہر قول وحی ربانی کا مظہر اور امرِ خدا کے عین مطابق تھا۔

منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا۔

ان یحب المرء لا یحبہ الا للہ (رحمۃ للعالمین صہ۲۹۲)

انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی سے محبت صرف اللہ کے لئے کرنے کا حکم دیں اور خود کسی سے محبت مقتضائے بشریت سے فرمائیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز عصمت کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ

علیہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں سرکار رسالت نے ارشاد فرمایا۔ فاطمہ تمہیں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ سیدہ نے عرض کیا۔ یک یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہؐ مجھے سب سے زیادہ محبت آپ سے ہے۔ فرمایا۔ فاطمہ کیا تجھے مجھ سے محبت میرے اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ عرض کیا حضور کیا میں نے یہ کہا ہے کہ اے باپ مجھے سب سے زیادہ محبت تجھ سے ہے۔ میں نے عرض کیا ہے یا رسول اللہؐ مجھے سب سے زیادہ محبت آپ سے ہے یا رسول۔ مجھے آپ سے زیادہ محبت ہے ہی اس لئے ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔

جب سیدہ طاہرہ کا یہ مقام ہے تو پھر سرکار رسالت کا مقام اس سے بھی بالاتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ سرکار ختمی مرتبتؐ کو حسنؑ یا حسینؑ سے محبت مادی رشتوں سے نہیں اس لئے امام حسنؑ سے رسول اللہؐ کی محبت خالصۃً اللہ تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام حسن علیہ السلام کی ذہنی قابلیتوں، روحانی قوتوں، عملی صلاحیتوں اور رجحانات طبیعہ کا عرفان تھا وہ علم غیب سے اور بنیانہ بصیرت سے حسنی عظمتوں کی کامل معرفت رکھتے تھے۔

ہمارا ایمان ہے کہ سرکار رسالت کو علم غیب اللہ کی طرف سے فیضان ہوا تھا۔ مگر اہلحدیث اور دیوبند کے مکتب خیال کے اختیار کرنے والے علم غیب رسالت کے منکر ہیں، تاہم موجودہ زمانے کے ماہرین نفسیات

ذہنی امتحانات سے اگر کسی بچے کے رجحانات طبیعہ کو معلوم کر لیتے ہیں۔ تو کیا رسالتمآبؐ کی نبیانہ بصیرت سے یہ بعید ہو سکتا ہے کہ انہیں حضرت امام حسنؑ کے رجحانات طبیعہ کا کامل عرفان نہ ہو اور اسی عرفان کی بنا پر وہ امام حسن علیہ السلام سے خالصتہً للہ محبت فرما رہے تھے اور ان سے محبت کے لئے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کر رہے تھے اور آیۂ مودت کی عملی تفسیر کر کے اجر رسالت کی ادائیگی کے لئے مودت قربیٰ کی راہیں ہموار کر رہے تھے۔

رسول اللہ جیسا کہ احادیث سے ہم ثابت کر چکے ہیں امام حسن علیہ السلام کی محبت کے سلسلہ میں دعائیں فرماتے تھے۔

اے معبود! میں حسنینؑ کو محبوب رکھتا ہوں
تو بھی انہیں محبوب رکھ بلکہ ان کے محبوب رکھنے
والے کو بھی محبوب۔

یہ دعائیں ایک نبی کی دعائیں تھیں اس لئے یقیناً قبول ہوئیں کیوں کہ رسول کا دعا کے لئے اللہ کو پکارنا ایسا نہیں جیسا ہمارا ایک دوسرے کو پکارنا چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا ؕ

تم رسول کے پکار کر دعا کرنے کو ایسا قرار نہ دو جیسا
کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو چونکہ جب رسول
پکارتا ہے تو ع

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

سید باقر داماد علیہ الرحمۃ والرضوان قبولیت و اجابت دعا کے موضوع پر نہایت فصیحانہ و بلیغانہ انداز میں اس طرح روشنی ڈال رہے ہیں۔

۱۔ لسان الاستعداد افضل اللسانین

۲۔ منطق القلب ابلغ المنطقین

۳۔ لھجۃ الاستحقاق اصدق اللھجتین

فرماتے ہیں:۔

۱۔ استعداد کی زبان غیر استعداد کی زبان سے افضل ہے یعنی اگر دعا میں قبولیت کی قابلیت، استعداد وصلاحیت ہو تو دعا کا قبول ہونا حتمی و یقینی ہے

معصیت قبولیتِ دعا میں رکاوٹ ہے

گناہ مانع اجابت دعا:۔ گناہ و معصیت قبولیت دعا کی راہ میں سد راہ ہے۔ جیسا کہ دعائے کمیل میں آپ بالعموم اور شب جمعہ کو بالخصوص پڑھتے ہیں یہ ایک معصوم نے ہم گناہ گاروں کو تعلیم کی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغفرلی الذنوب اللّتی تحبس الدعاء

اے معبود! میرے ایسے گناہوں کو بخش دے جو قبولیتِ دعا کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

انبیا علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان کی دعاؤں کی اجابت میں گناہ رکاوٹ نہیں۔ معصیت سد راہ نہیں اس لئے ان کی دعائیں

یقیناً قبول ہوتی ہیں اب جناب رسالت مآبؐ نے دعا کی

اے معبود! میں حسنؑ کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو اسے محبوب رکھے اسے محبوب رکھ۔

یہ دعا نیک دعا تھی اس کے رستے میں گناہ کی رکاوٹ موجود نہ تھی اس لئے یہ دعا یقیناً مستجاب ہوئی اس لئے امام حسن علیہ السلام محبوب رسولؐ بھی ہیں محبوب خدا بھی اور ان سے محبت کرنے والے بھی یقیناً محبوب خدا بھی محبوب رسول بھی۔

نیز باعث قبولیت دعا عجز و انکسار کی استعداد بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف ۵۳)

اپنے رب سے چھپ چھپا کر اور عجز و انکسار سے دعا کرو۔

چونکہ انبیاءؑ میں عجز و انکسار عام انسانوں سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے انبیاء و رسلؑ کی دعائیں شرف قبولیت و اجابت سے مشرف ہوتی ہیں رسول اللہؐ کی دعائیں حضرت امام کے بارے میں یقینی طور پر قبول ہوئیں اس لئے حسن علیہ السلام محبوب خدا بھی ہیں محبوب رسول بھی اور محبوب خلق بھی

معرفت و عرفان الٰہی وہ استعداد ہے جس سے دعائیں شرف

قبولیت پاتی ہیں چونکہ انبیاء و رسل کی معرفت خدا عام انسانوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اس لحاظ سے بھی دعا قبول ہوئی۔ امام حسن علیہ السلام محبوب خدا، محبوبِ رسول بھی اور محبوبِ خلق بھی۔

قبولیّت دعا کے لئے دلِ دردمند کی ضرورت ہے اور یہ استعداد بھی انبیاء و رسل، ائمہ و اولیا علیہم السلام میں عام انسانوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کا دل محبت الٰہی اور دردِ انسانی سے پر ہوتا ہے اس لئے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ رسول اللہ کی دعائیں امام حسن علیہ السلام کے بارے میں قبول ہوئیں۔

۲۔ منطق القلب ابلغ المنطقین۔

قلب کی زبان ظاہری زبان سے زیادہ بلیغ اور دراجابت تک سب سے زیادہ پہنچنے والی ہوتی ہے۔ ؎

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے (علامہ اقبالؒ)

یا مَنْ لا تشبہہ علیہ الاصوات

اے وہ خدا جس پہ آوازیں مشتبہ نہیں ہوتی (خواہ وہ

زبان بے زبانی سے نکلیں)

انبیا علیہم السلام کے قلوب حب ماسوی اللہ سے پاک ہوتے ہیں اس لئے ان کی دعائیں قلب سے نکلتی ہیں۔ اس لئے مستجاب ہوتی ہیں

بهجه الاستحقاق اصدق الهجتين

قبولیت کا استحقاق پیدا کرکے جو دعا کی جائے وہ غیر مستحق کی دعا سے زیادہ سچائی وصدق لئے ہوئے ہوتی ہے۔

انبیا علیہم السلام سے زیادہ قبولیت دعا کا مستحق کون ہو سکتا ہے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی اطاعت اور خلق پر شفقت کے لئے وقف ہوتا ہے اس لئے ان کی دعائیں مقبول و مستجاب ہوتی ہیں اور پھر سرکار رسالت جنہوں نے کار ہدایت کو درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس لئے امام حسن علیہ السلام کے حق میں دعائیں قبول ہوئیں۔ امام حسن ہمارے محبوب ہیں اللہ ہماری زندگی کا خاتمہ ان ہی کی محبت میں فرمائے اور توفیق دے کہ ان کی محبت کے تقاضے میں ان تمام غلط فہمیوں کو دور کر سکیں جو ان کے مخالفین نے ان کے متعلق پیدا کی ہیں۔

حضرت امام حسنؑ کا زمانہ طفولیت

عام انسانوں میں اور ان انسانوں میں جنہیں اللہ ہدایت و تزکیہ نفس انسانی اور تعلیم کتاب و حکمت کے فرائض تفویض فرمائے بڑا فرق ہوتا ہے عوام جاہل پیدا ہوتے ہیں اور انبیاء، رسل، ائمہ و اولیا دولت علم اپنے وجود کے ساتھ لیکر عالم کون و فساد میں آتے ہیں۔ عوام وسائل سمع و بصرہ وغیرہ سے بتدریج اکتساب علم کرتے ہیں اور ہادیان برحق کا علم لدنی، وہبی ہوتا ہے وہ کسی کے سامنے زانوے تلمذ طے نہیں کرتے۔ عام بچے تو نطق و کلام سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں اور ہادیان برحق بغیر استاد نطق و لسان و علوم سے مالا مال ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عوام کی جہالت کا اس طرح اعلان فرماتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا فَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ۔

ہم نے تمہیں تمہارے ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم

کچھ نہیں جانتے (پھر تمہیں ذرائع علوم) کان، آنکھیں
اور دل عطا فرمائے۔ پس تم نے حسب استعداد ان
ذرائع سے اکتساب علم کیا۔

اور ہادیان صراط مستقیم میں سے ایک کا مثال کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے :-

وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ۔

ہم نے سرکار خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک
ایسے بچے کی خوشخبری دی کہ جو علیم ہے یعنی اپنے وجود
کے ساتھ علم لایا ہے جس سے علم کبھی علیحدہ نہیں ہوا۔

دیکھئے عام بچے پہلے کانوں سے سنتے ہیں پھر آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر دلوں سے فیصلہ کرتے ہیں۔ تب بولنا شروع کرتے ہیں۔ اگر کوئی بچہ جس نے کانوں سے کچھ سنا نہیں آنکھوں سے اسے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور سوچنے سمجھنے کی نوبت نہیں آئی گہوارے میں بولنا شروع کر دے اور یہودیوں کے اعتراضات کو سنکر اپنی طیبہ و طاہرہ و معصومہ ماں کی عفت و صداقت کی ان الفاظ میں گواہی دے

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔

میں بندہ خدا ہوں مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی
بنادیا گیا تو ایسا بچہ یقیناً اس صنف سے نہیں جو جاہل
پیدا ہوتے ہیں۔ کانوں سے سنکر آنکھوں سے دیکھکر

دل سے سوچ سمجھ کر بولنا شروع کرتے ہیں اور بتدریج
اکتساب علم بقدر استعداد کرتے ہیں اب فرق یہ
ہے. کہ عوام کے علم باہر سے اندر داخل ہوتا ہے
جس کسی کے علم اندر سے باہر آئے وہ علم کا ذخیرہ نبی ہے
یا رسول ہے یا امام ہے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے۔

النبی نبیًّا ولو کان صبیًّا

نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ وہ شیرخوار بچہ ہو۔

الامام اماماً ولو کان غلاماً

امام امام ہوتا ہے اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے متعلق وارد ہوا ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا.

ہم نے انہیں حکمتیں عطا کیں جبکہ وہ شیر خوار بچے تھے۔

خدا جسے چاہے عہد طفولیت میں ہی کمال علم و حکمت و عقل دے کر نبوت یا رسالت یا امامت و ولایت کے درجہ پر فائز فرمائے، خاندان رسالت کے بچوں کو بچہ نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ بحکم صغیرنا کبیرنا ہمارے چھوٹے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ان کو عام بچوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔

اَللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ.

بچپن میں وحی یاد کر لینا: سرکار امام حسن علیہ السلام برابر خدمت سرکار

رسالت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رہتے تھے جب آپ کی عمر سات سال کی تھی آنحضرت سے جو کچھ وحی آپ سنتے یاد کر لیتے۔ پھر اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابتدا سے آخر تک سنا دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا جناب امیر علیہ السلام جب داخل بیت الشرف ہوتے تو جناب سیدہ طاہرہ کو اس روز کی وحی پر مطلع پاتے۔ جب اس راز کو دریافت فرماتے تو جناب سیدہ عرض کرتیں کہ آپکے فرزند حسنؑ نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ ایک روز جناب علی مرتضٰے نے کسی گوشہ میں چھپ کر امام حسن علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھنا چاہی اتنے میں امام حسن علیہ السلام داخل ہوئے اور اس روز جس قدر وحی سنکر یاد کر چکے تھے اپنی والدہ سے بیان کرنا چاہا مگر زبان مبارک رک گئی اور ادا نہ کر سکے جناب معصومہ کونین کو اس پر تعجب وحیرت ہوئی امام حسن علیہ السلام نے اس راز مخفی کو بھی دریافت کر لیا عرض کیا اُمّی جان آپ حیران و متحیر نہ ہوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں۔ ان کے رعب و دبدبہ نے میری زبان بند کر دی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ طاہرہ کی خدمت میں عرض کیا اماں! میرا بیان رکتا ہے میری زبان عاجز ہو رہی ہے غالباً میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ سنکر سرکار ولایت علی مرتضٰی اس گوشہ سے نکل آئے امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کا منہ چوم لیا۔

بحار الانوار جلد ۱۰ صـ۱۹۳

اشاعت اسلام کا ولولہ:۔ محمد بن اسحاق نے اسی اسناد سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ابو سفیان حضرت علی

علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور عرض کیا ابو الحسن ! میں آپ کے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہو اس نے کہا میرے ہمراہ اپنے ابن عم محمد کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ میرے لئے اس قسم کا ایک نیا معاملہ کر دیں اور اس کا عہد نامہ بھی تحریر فرمادیں جناب امیرؑ نے جواب دیا ابو سفیان ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے لئے پہلے ہی ایک عہد کر دیا ہے۔ حضرت اس سے انکار کرنے کے نہیں جب یہ گفتگو ہو رہی تھی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پردے کے اندر تشریف فرما تھیں اور امام حسن علیہ السلام آپ کے سامنے کھیل رہے تھے آپ اس وقت صرف چودہ مہینے کے تھے۔ جناب امیرؑ سے مایوس ہونے کے بعد ابو سفیان نے جناب سیدہ سے عرض کیا۔ کہ اے محمدؐ کی دختر ارجمند تم اپنے اس لڑکے (حسنؑ) سے کہو کہ میری سفارش اپنے نانا سے کر دیں اگر یہ ایسا کریں گے تو اس کلام کے سبب سے وہ تمام عرب وعجم کے سردار ہو جائیں گے۔

ابھی جناب سیدہ نے کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا تھا فوراً امام حسن علیہ السلام ابو سفیان کی طرف جھپٹ کر تشریف لائے اپنے ایک ہاتھ سے ابو سفیان کی ناک پر تھپیڑ مارا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ بعد ازاں فرمایا اے ابو سفیان! کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری سفارش اپنے جد بزرگوار سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر جناب امیر علیہ السلام نے فرط محبت سے فرمایا اس خدائے بزرگ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے آل محمد میں بھی خاص ذریت محمد مصطفےٰؐ سے یحییٰؑ بن زکریاؑ کا مثل

ونظیر پیدا کیا اور بچپن میں ہی اس کو شریعت کی حکومت عطا فرما دی۔

مناقب آل ابی طالب جلد ۴ صفحہ ۴۶

مشہور حدیث ہے

عہد طفولیت میں لوح محفوظ کا مطالعہ:۔ جسے بخاری نے بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کا خرما منہ میں رکھ لیا اس پر رسول اللہ نے امام حسن کو مخاطب کر کے فرمایا اما تعلم ان الصدقۃ علینا حرام۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے"۔ اس پر علما نے استعجاب کیا ہے کہ بچوں سے ایک علمی مسئلہ کا سوال کرنا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ اس پر علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ان الحسن لیس حالہ کحال غیرہ فانہ فی

تلک الحال یلاحظہ اللوح المحفوظ۔

فتح الباری

امام حسن کا قیاس اور بچوں پر نہیں کیا جا سکتا اس لئے

کہ وہ بچپن میں ہی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔

ایک بوڑھا آدمی وضو کر رہا تھا مگر طریقہ وضو سے ناواقف تھا۔ امام حسنؑ و امام حسین دونوں بھائیوں نے اپنے عہد طفولیت میں اس مرد پیر کو غلط وضو کرتے ہوئے دیکھا دونوں نے کہا ایسے طریقہ سے اسے صحیح وضو کی تعلیم دی جائے کہ اس پیرانہ سالی میں وہ نادم و شرمسار نہ ہو۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ سے اچھا وضو کرتا ہوں امام حسین

علیہ السلام نے اسی طرح امام حسنؑ سے عرض کیا کہ میں آپ سے اچھا وضو کرتا ہوں۔ آخر دونوں نے اس بوڑھے سے کہا اے شیخ تو حکم بن اور فیصلہ دے کہ ہم دونوں میں کون اچھا وضو کرتا ہے۔ جب اس نے دونوں شاہزادوں کے وضو کو دیکھا تو عرض کیا کہ آپ دونوں اچھا وضو کرتے ہیں لیکن میں جاہل تھا اب آپ کی عنایت و شفقت سے صحیح وضو کا طریق یاد کر لیا۔ یہ ہے علمائے ربانی کا طریق تعلیم

تعلیم و تربیت :- جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انبیاءؑ و رسلؑ اوصیاؑ و ائمہؑ لدلہ کے پڑھائے ہوتے ہیں اور ان کا علم لدنی ہوتا ہے اسی طرح امام حسنؑ بھی امام منصوص من اللہ تھے آپ کا علم اکتسابی نہیں تھا بلکہ وہبی و لدنی تھا تاہم امام حسن علیہ السلام ۶ سال اور ۷ مہینے اپنے نانا سرکار رسالتؐ کے سایۂ عاطفت میں رہے اور سرکار رسالتؐ کی صحبت سے فیضیاب ہو کے تقریباً سات سال معصومہ کونین فاطمہ زہراؑ جیسی ماں کے زیر تربیت رہے اور تقریباً ۳۰ سال اپنے والد بزرگوار کے فیوض سے مستفیض ہوئے۔

مباہلہ :- امام حسنؑ مباہلہ میں شامل تھے اور ابناءنا میں آپ کا شمار ہے مباہلہ کا واقعہ سنہ ۱۰ھ میں ہوا اس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر سات سال تھی۔ مباہلہ کے لئے سرکار رسالت محمد مصطفٰےؐ اروا حنا لہ الفدا حجرہ مبارکہ سے بایں صورت پر صولت برآمد ہوئے کہ بنفس نفیس حضرت امام حسین علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے حسن مجتبٰےؑ کا ہاتھ

پکڑے ہوئے آپ کے عقب میں فاطمہ زہرا تھیں اور ان کے پیچھے علی مرتضیٰ
الغرض جناب رسالتمآبؐ نے نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں آکر حسنین اور فاطمہ
و علی علیہم السلام سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم سب نے ملکر آمین کہنا نجران
کے عیسائیوں نے جب پنجتن پاک کو دیکھا دعا و آمین کا ذکر سنا تو خوف سے
تھرا گئے اور ابوالحارث نے جو ان سب میں بہت ہی سمجھدار تھا کہا اے
قوم اس وقت ہم ایسی صورتیں مشاہدہ کر رہے ہیں جو خدا سے چاہیں تو پہاڑ
بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے تم ان سے ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔
اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا۔ پس ان لوگوں نے عرض
کیا کہ اے ابوالقاسم ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں گے سرکار رسالتؐ نے فرمایا
تو پھر مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ ہم ہر سال دو
ہزار حلّے نذر کیا کریں گے جن میں سے ہر حلہ کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔
ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر سال تیس گھوڑے تیس اونٹ اور
تیس نیزے بھی دیا کریں گے۔ چنانچہ ان ہی شرائط پر باہمی مصالحت
ہو گئی۔ (مدارج النبوۃ)

تاریخ احمدی صفحہ ۸۲ تا ۸۳

سرکار رسالت محمد مصطفےٰ مباہلہ میں نہ صحابہ کرام کو ہمراہ لے گئے اور نہ
ازواج مکرمات کو بلکہ آل عبا یعنی علی و فاطمہ، حسن و حسینؑ علیہم السلام کو ہمراہ
لے گئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آل عبا معصوم و پاک۔ اور مستجاب الدعوات
تھے اگر بد دعا کرتے تو نصاریٰ پر زمین و آسمان منقلب ہو جاتے مباہلہ کی کامیابی

امام حسن علیہ السلام کے عہد طفولیت کا واقعہ ہے۔

علامہ فخر الدین رازی آیہ مباہلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہ آیہ مبارکہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ ابناء نا لفظ سے ظاہر ہے کہ حکم ہوا کہ بیٹوں کو بلاؤ رسول اللہ نے بیٹوں کی جگہ حسنین علیہما السلام کو بلایا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ فرزندان رسول ہیں اس قول کی تائید سورۂ انعام کی اس آیت سے ہو رہی ہے ومن ذریتہ داؤد و سلیمان الی قولہ زکریا و یحییٰ و عیسیٰ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ماں کی طرف سے ہے باپ کی طرف سے نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بیٹی کا بیٹا بھی بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار رسالت کی ازواج مکرمات کے متعلق فرمایا کہ وہ امہات المومنین یعنی مومنوں کی مائیں ہیں تو اس لحاظ سے ان کے شوہر حضرت ختمی مآب محمد مصطفیٰ مومنین کے باپ ہوئے مگر حضور کے متعلق فرمایا۔ ما محمد ابا احد من رجالکم محمد تم آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ ازواج مکرمات سرکار رسالت کی امومت کو جہاں عام کرنا چاہتا تھا وہاں حضور کی ابوت کو حسنین علیہما السلام کے لئے مخصوص رکھنا چاہتا تھا چونکہ وہ ابنائے رسول ہیں جیسا کہ آیہ مباہلہ سے ظاہر ہے۔

سورہ ہل اتیٰ:۔ سورہ ہل اتیٰ کے نزول کا مشہور واقعہ ہے جسے فریقین کے علما نے نقل کیا ہے واقعہ اس طرح بیان ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ حسنین علیہما السلام بیمار ہوئے جناب

سرورِ کائناتؐ ان کی عیادت کے لئے جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لے گئے آپ نے جناب امیر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ وہ ان کی صحت کے لئے نذر مانیں۔ چنانچہ جناب امیر سیدہ طاہرہ فاطمہؑ حسنین علیہما السلام اور ان کی کنیز جناب فضہ سلام اللہ علیہا نے قربۃً الی اللہ تین روزے رکھنے کی منت مان لی۔ شاہزادوں کی صحت یابی پر خاندان اہل بیت نے روزے رکھے جناب امیرؑ بھی روزے سے تھے سیدہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ بھی حسنینؑ بھی روزے سے تھے اور جناب فضہ بھی جناب امیر علیہ السلام نے یہودی کے باغ میں کام کیا اور سیدہ نے اجرت پر اون کاتی۔ شام کے وقت جو جو اجرت میں ملے انہیں سیدہ نے پیسا اور روٹیاں پکا کر افطار کے وقت دستر خوان پر چن دیں تو باہر سے ایک مسکین کی آواز آئی۔

یا اہل بیت محمدؐ! میں مسلمان مسکینوں میں سے ایک
مسکین ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت
کے دستر خوانوں پر کھانا کھلائے۔

پس اس پر خاندان رسالت نے ایثار کیا اور اپنے اپنے حصہ کا کھانا اٹھا کر مسکین کو دے دیا ان ننھے ننھے بچوں حسنؑ و حسینؑ نے بھی اس صغر سنی میں ایثار فرمایا۔ الغرض خاندان رسالت نے روزہ پانی سے افطار کیا اور دوسرے دن بغیر کچھ کھائے روزہ رکھا۔ حسب معمول یہ دن بھی گزر گیا۔ اور دوسرے دن افطار کے لئے کھانا دستر خوان پر چنا گیا افطار سے قبل باہر سے آواز آئی:

السلام علیکم یا اہل بیت النبوۃ! میں مہاجرین کی اولاد
میں سے ایک یتیم ہوں میرا باپ یوم العقبہ شہید ہو گیا
تھا مجھے کھانا کھلایئے اللہ تعالیٰ تمہیں موائد جنت سے
کھانے کھلائے۔

اس پُردرد آواز پر خاندان نبوت نے ایثار فرمایا اور اپنا اپنا کھانا اٹھا کر اس یتیم کو دے دیا حتیٰ کہ ان چھوٹے بچوں نے بھی اپنا کھانا یتیم کے حوالہ کیا۔ ان سب نے آج پھر پانی سے روزہ افطار کیا اور بغیر کچھ کھائے تیسرا روزہ رکھا تیسرے دن بھی جب دسترخوان پر کھانا چنا گیا تو دروازے پر ایک اسیر آ کھڑا ہوا اور اس نے آواز دی

السلام علیکم یا اہل بیت النبوۃ! میں قیدیوں میں
سے ایک قیدی ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں
جنت کے دسترخوانوں پر کھانا کھلائے۔

یہ سنکر خاندان رسالت نے تین دن تک فاقوں کے باوجود اپنا اپنا کھانا اٹھا کر اس اسیر کو دے دیا حتیٰ کہ صغیر سنی کے باوجود حسنینؑ نے بھی اپنا اپنا کھانا اسیر کے حوالے کیا چوتھے روز جب صبح ہوئی تو جناب امیر علیہ السلام نے حسنینؑ شریفین کا ہاتھ پکڑا اور انہیں بارگاہ رسالت میں لائے شدت جوع (بھوک کی شدت) سے حالت یہ تھی کہ وہ پرندے کے نوزائیدہ بچے کی طرح کانپ رہے تھے جناب ختمی مآبؐ نے سبب پوچھا جناب امیر علیہ السلام نے صورت حال بیان کی حضورؐ وہاں سے اٹھکر سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف

لائے دیکھا کہ سیدہ طاہرہؑ محراب عبادت میں کھڑی ہیں پیٹ پیٹھ سے آلگا ہے آنکھوں میں اس طرح حلقے پڑے ہوئے ہیں کہ ڈوبتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جناب رسول اللہ کا دل بھر آیا اس پر جبرئیل امین نازل ہوئے اور اس طرح عرض کیا۔

اللہ تعالیٰ تمہارے اہل بیت کے بارے میں تمہیں تہنیت فرماتا ہے۔ پھر سورۂ ہل اتی کو قرأت کیا۔

امام حسن علیہ السلام کی اس ایثار میں شمولیت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال آپ کو تاریخ عہد طفولیت میں نہیں ملے گی۔

قرآن مجید میں اصل واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۞ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۞ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۞

الدھر ۱۲۷ القرآن الحکیم

وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی، مسکین یتیم اور قیدی کے اس کھانے کی خواہش کے باوجود کھانا کھلاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے

ہیں اور نہ ہی کوئی شکریہ چاہتے ہیں۔

یوفون بالنذر کے متعلق تفسیر صافی میں ہے کہ یہ اہل بیت رسالت کا بہت ہی بلیغ وصف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس واجب کے ادا کرنے میں، جو انہوں نے اپنی ذات پر لازم کیا تھا اتنے مستعد ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے واجبات کی ادائیگی میں کتنے مستعد ہونگے۔

میں یورپ کے مشہور مفکر جان ایس، میکنز (JOHN. S. MACKENSY) کی مشہور کتاب (MANUAL OF ETHICS) پڑھ رہا تھا کہ اس میں ایک نظریہ میری نظر سے گزرا جس نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مفکر موصوف فرماتے ہیں۔

"کسی پر احسان کرنا اسے اپنا بد خواہ و دشمن بنا لینا ہے"

احسان بہت بڑا حسنہ ہے مگر ایک تاریک پہلو کے لحاظ سے اسے اس طرح بھیانک بنانا انسان کے لئے جس قدر سرمایہ حیرت ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر جب مفکر موصوف نے اس نظریہ کی وضاحت فرمائی یہ نظریہ اور بھی دقیع ہو گیا۔ انہوں نے اس نظریہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

انسان بے شمار خواہشوں کا مجموعہ ہے لیکن ان خواہشوں میں سب سے بڑی خواہش بڑا ہونا (TO BE GREAT) قابل ستائش ہونا (TO BE ADMIRED) قابل تحسین ہونا (TO BE APPRICIATED) ہے اور جب کوئی شخص کسی پر احسان کرتا ہے تو اس سے اس کی

سب سے بڑی خواہش کو ٹھیس لگتی ہے اور اس کی وجہ سے
اپنے محسن کے متعلق یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ احسان کر کے
جو مجھ سے بڑھ گیا اور میں پست ہو گیا ہوں. کاش اس
پر بھی کوئی مصیبت آئے اور میں اس پر احسان کر کے،
اس کے برابر ہو سکوں.

اس توضیح کے بعد میں حیران تھا کہ مجھے سورۃ الدھر کی تلاوت کا موقعہ ملا اور میں نے جب یہ پڑھا کہ تین دن فاقے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلانے والے اس ایثار کے ساتھ ایک اعلان بھی کرتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید کے ان الفاظ میں اس طرح پر ہے.

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ
جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۞

اے مسکین و یتیم و اسیر ہم تمہیں یہ کھانا محض اللہ کی خوشنودی
کے لئے کھلا رہے ہیں.
نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکریہ چاہتے
ہیں.

یعنی یہ احسان محض خوشنودی اللہ کے لئے ہے اس میں بڑے بننے کا جذبہ کار فرما نہیں نہ ہی ستائش کی تمنا ہے نہ ہی تحسین کی آرزو بلکہ ہم تم سے کسی شکریہ کے طلب گار نہیں ہیں.

اللہ اللہ درس گاہ ربوبیت کے ان تربیت یافتہ انسانوں کی نظر کہاں

تک انسانی فطرت کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہے کہ احسان کے تاریک پہلو کو اپنے ویثارانہ عمل سے کس قدر روشن و منور کر رہے ہیں۔ اس کارنامے میں حسن علیہ السلام بھی صرف سات برس کی عمر میں برابر کے سہیم و شریک ہیں۔ چونکہ یہ عمل خالصتہً للہ تھا اس لئے زبان احدیت نے اس خلوص سراپا عمل کو سراہا اور فرمایا کہ اے اللہ کی بارگاہ میں ایسا خالص عمل پیش کرنے والو! جس میں کوئی شائبہ ذاتی مفاد کا نہیں اگر تم مخلوق خدا سے طالب جزا نہیں تو تمہاری جزا ہمارے ذمہ ہے سنو

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا۔

جس چیز سے انہوں نے صبر کیا اس کا بدلہ جنت ہے اور ریشمی لباس ہے۔

یہ تو ہے جزا اور باقی رہا شکریہ سنو۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا

یہ ہے تمہارے لئے جزا اور تحقیق تمہاری یہ کوشش اللہ کے نزدیک مقبول و مشکور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سورہ الدھر یا سورۃ ہل اتی شان اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایک قصیدہ ہے۔ اور سورۃ ہل اتی کا لفظ ان کے القابات میں شامل ہو گیا۔ اور لفظ ہل آتی اہل بیت کے عدیم النظیر اور فقید المثال ایثار کی طرف ایک اشارہ ہے علامہ اقبال سیدہ طاہرہ ؑ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ　　　مرتضیٰ مشکلکشا شیر خدا
علی ہیں تاجدار ہل اتیٰ　　　سیّدہ ہیں ملکہ ہل اتیٰ

سلطانہ ہل اتی اور حسنینؑ ہیں شاہزادگان ہل اتی اور ہماری مخدومہ فضہ دربار ہل اتیٰ کی دربان تاجدار ہل اتیٰ کے خاندان کا یہ ایثار صرف امت مسلمہ کے لئے نہیں تھا بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی تھا بلکہ مسلمانوں کے لئے جو ایثار کیا گیا اس سے غیر مسلم کے لئے ایثار بڑھا ہوا ہے مسکین اور یتیم مسلمان تھے اور اسیر غیر مسلم تھا اس لئے کہ مسلم کے قیدی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ اس زمانے میں اسیر وہی ہوتے تھے جو قتال و جہاد کے بعد قید ہوئے تھے۔

خاندان رسالت نے ایک دن کے فاقہ کے بعد مسکین کو کھانا کھلایا اور یتیم کو دو دن کے فاقہ کے بعد لیکن اسیر کو جو غیر مسلم تھا کامل تین دن فاقے سہنے کے بعد کھانا کھلایا اللہ اللہ اہل بیت اطہار اور ان کی کنیز فضہ کا یہ ایثار بتلا رہا ہے کہ یہ ذوات قدسیہ کسی غیر مسلم کو بھی فاقہ سے نہیں دیکھ سکتے اور ایک غیر مسلم کی حاجت غذا کو اپنی حاجت پر ترجیح دے رہے تھے اپنی خواہش نفس کو ایک غیر مسلم کی خواہش پر قربان کر رہے ہیں دنیا کے عموماً تاجدار رعایا کی خون پسینے کی کمائی کو ٹیکس کے ذریعہ وصول کر کے رنگ رلیاں مناتے ہیں اپنے تعیشات اور ناجائز اخراجات پر صرف کرتے ہیں۔ مگر ہل اتیٰ کا شاہی خاندان اپنے خون پسینے کی کمائی خود فاقہ میں رہ کر رعایا کی ضروریات زندگی پر صرف کر رہا ہے۔ یہ رعایا خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہی۔ وجہ ہے کہ جب

اہلِ دنیا نے ان سے ظاہری سلطنت لے لی اور انہیں مادی حکومت سے محروم بھی کر دیا تب بھی یہ انسانی دلوں پر حکومت کر رہے تھے آج تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انسانی قلوب پر ان کی روحانی سلطنت کا سکّہ بیٹھا ہوا ہے۔ سورۂ ہل اتٰی اہل اتٰی کے شاہی خاندان کا قصیدہ مدحیہ ہے شاعر قصیدہ گو ان کا اپنا معبود ہے اس قصیدے کا آخری بند ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔

اے ہل اتٰی کے شاہی خاندان! تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ یہ ہے عصمت اہل بیت کی روشن دلیل اگر ان کے علاوہ دوسرے معصومین علیہم السلام عمل میں معصوم ہیں۔ تو یہ خواہش میں معصوم ہیں۔

عمل کے لحاظ سے انسانی نفس کے چار درجے ہیں۔

پہلے نفس انسانی کسی چیز کو جانتا ہے — IT KNOWS.

پھر وہ کسی چیز کو محسوس کرتا ہے۔ — IT FEELS.

پھر وہ خواہش کرتا ہے — IT WILLS.

پھر وہ عمل کرتا ہے۔ — IT ACTS.

عمل کا یہ جو تھا درجہ ہے خاندان رسالت تیسرے درجہ میں ہی معصوم ہو جاتا ہے۔

خاندانِ رسالت مشیّت الٰہیہ کا محل ہیں ماتشاء ون الاان یشاء اللہ پر غور کیجئے۔ اس ایجاز و اختصار کے ساتھ اہل بیت پر قیامت تک اعتراض کرنے والے معترضین کی زبان بند کر دی ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اے اہل بیت تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔

گویا ان کا ہر حرکت و سکون مشیّت اللہ ہے۔ اس لئے اگر یہ وطن میں رہیں تو بھی مشیت الہیّہ کا تقاضا ہے اگر سفر کریں تو بھی مشیّت الہیّہ کا تقاضا ہے۔

امام حسین علیہ السلام مدینہ طیبہ سے سفر کر رہے ہیں یا مکہ معظمہ کو خیر باد کہہ رہے ہیں لوگ آتے ہیں اور انہیں کہہ رہے ہیں کہ آپ ان مقامات مقدسہ کو چھوڑ کر عراق کی طرف نہ جائیں ان مشورہ دینے والوں میں جلیل القدر صحابی اور عظیم الشان خاندان رسالت کے افراد بھی ہیں عبداللہ ابن عباس بھی ہیں اور محمد بن حنفیہ بھی۔ آج معرفت اہل بیت سے بیگانہ عرفان اہل بیت سے محروم انسان اعتراض کر رہے ہیں امام حسین علیہ السلام نے ان کے مشوروں پر کوئی عمل نہ کیا اور جان بوجھ کر اپنے خاندان کے محترم افراد کو مبتلائے مصائب و شدائد کیوں کر دیا۔ یہ لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں امام حسین علیہ السلام قرآن حکیم کی روشنی میں انہیں جواب دے رہے ہیں۔ شاء اللہ ان یرانی قتیلاً اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ مجھے شہید دیکھے۔

گویا حسین فرما رہے ہیں کہ تم ہی بتلاؤ اب میں تمہارے مشوروں پر عمل کروں۔ یا مشیت ربانیہ پر عمل کروں۔ میں مشیت ربانیہ پر ہی عمل کروں گا۔ چونکہ میں ان میں سے ایک ہوں جن کے لئے زبان وحی نے کہا ہے۔

وما تشاءون الا ان یشاء اللہ

اے اہل بیت تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے رضاء اللہ رضاء نا اہل البیت، ہم اہل بیت کی وہی رضا ہے جو اللہ کی رضا ہے۔ چونکہ مشورہ دینے والے عارف شان اہل بیت تھے اس جواب کو سنکر خاموش ہو گئے۔ البتہ پھر کہا یابن رسول اللہؐ! اگر آپ کو شہادت کا یقین ہو چکا ہے تو پھر ان خاندان رسالت کی مخدرات عصمت و طہارت کو کیوں ساتھ لیئے جا رہے ہیں اس مشورہ میں اعتراض کی ایک جھلک تھی اس کے جواب میں بھی اپنے اس عمل کا جواز ما تشاءون الا ان یشاء اللہ کی روشنی میں پیش

فرمایا شاء اللہ ان یراھن اسیراً

اہل اتی کے شاہی خاندان نے پھر جواب دیا اللہ کی مشیت یہی ہے کہ اپنے دین کی بقا کے لئے ان مخدرات عصمت و طہارت کو اسیر دیکھے۔

اب تک ناسمجھ انسان اقدامات سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام پر اعتراضات کر رہے ہیں حالانکہ امام حسین قیامت تک اعتراض کرنے والوں کو آیۂ مبارکہ ما تشاءون الا ان یشاء اللہ کے ضمن میں مسکت خصم جواب دے چکے ہیں۔

اب اس خاندان کا ایک معصوم فرد امام حسن علیہ السلام صلح کر کے گوشۂ عزلت میں بیٹھ جائے تو اس کا یہ اقدام مشیت الہیہ ہے اور دوسرا فرد امام حسین علیہ السلام اگر کربلا کی سرزمین پر برائے اصلاح امت کے لئے علم جہاد بلند کر کے مقابلہ پر کھڑا ہو جائے تو یہ اقدام بھی مشیت الہیہ ہے اسی لیے

سرکار رسالت نے اپنی زبان وحی ترجمان سے ان ہر دو اقدام کے جواز کو آیہٗ ماتشاء ون کی تفسیر کے طور پر ان الفاظ میں بیان کر دیا تھا۔

ہما اماماں قاماً او قعداً میرے یہ دونوں شاہزادے امام ہیں خواہ جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں یا صلح کر کے گوشہ عزلت میں بیٹھ جائیں جو قصیدہ علامہ اقبال نے سیدہ طاہرہؑ کی شان میں لکھا اس میں اولاد سیدہ طاہرہؑ کے ذکر میں اس حدیث رسول کی کہ حسنین علیہما السلام امام ہیں خواہ جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں یا صلح کر کے بیٹھ جائیں۔ شرح ان اشعار میں فرما رہے ہیں۔

مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پا زد بر سر تاج و نگین
واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوے احرار جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ — اہل حق حریت آموز از حسینؑ

سیدہ مرکز پرکار عشق یعنی امام حسنؑ کی ماں ہیں جو صلح کر کے مرکز کی طرح گوشہ عزلت میں بیٹھ گئے سیدہ عشق کے کارواں سالار کی ماں ہیں یعنی امام حسینؑ کی جو عشق کے قافلے کے سالار بن کر کربلا پہنچے ان میں سے ایک تو شبستان حرم کی شمع ہے اور خیر الامم کے اتحاد کا محافظ ہے تاکہ دشمنی اور جنگ کی آگ بجھ جائے اس نے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا اور دوسرا دنیا کے نیک انسانوں کا

مولا اور دنیا کے آزاد انسانوں کا قوت بازو ہے زندگی میں سوز حسینؑ سے ہے اہل حق حسینؑ سے آزادی سیکھتے ہیں۔

سورۂ الدھر یعنی قصیدہ شان اہل بیت مدینہ میں نازل ہوا۔ اس لئے تمام مصاحف میں اسے مدینہ ہی لکھا ہے۔ مگر بعض حضرات نے اسے مکی بنانے کی اس لئے کوشش کی ہے تاکہ وہ اہل بیت کے اس ایثار کی شان پر پردہ ڈال سکیں مگر اس سورہ میں اسیر (قیدی) کا ذکر بتلا رہا ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں آیہ قتال وامر جہاد کے بعد نازل ہوئی ہے۔

دین کی تعریف جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں رسول اللہ نے یہی فرمایا ہے امر الٰہی کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت ان دو مقاصد کی عملی تفسیر سورہ ہل اتیٰ میں خاندان رسالت نے کی ہے واقعہ ہل اتیٰ بتلا رہا ہے کہ اہل بیت اطہار نے تین دن فاقہ رہ کر جو ایثار کیا وہ صرف اللہ کے لئے تھا۔ اس میں کوئی ذاتی مفاد ملحوظ نہیں تھا نہ بڑے بننے کی تمنا اور نہ ستائش کی آرزو نہ حصول تحسین کا جذبہ نہ معاوضہ کا مطالبہ

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا

خود فاقہ میں رہ کر ہم یہ کھانا تمہیں محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلا رہے ہیں نہ کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکریہ یہ امر الٰہی کی تعظیم کا معراج کمال ہے۔ مخلوق خدا پر شفقت کی بھی یہی یگانہ اور منفرد مثال ہے۔

ذاتی مقاصد کی طلب کا نام انانیت ہے (EGOISM)

اور دوسروں کی مقاصد کی طلب کا نام اخوانیت ہے (ALTRUISM)

اپنے مقاصد پر دوسروں کے مقاصد کو ترجیح دینا ایثار ہے۔

یہ ایثار ہی ہے جس میں ذاتی خواہشوں کو اجتماعی منافع کے لئے قربان کر دیا جاتا ہے اور ذاتی ترقی کا اصل مقصد اجتماعی ترقی ہوتا ہے۔

آیۂ تطہیر:۔ نزول آیۂ تطہیر کا واقعہ بھی زمانہ طفولیت امام حسن علیہ السلام میں ہوا ہے۔ نزول آیۂ تطہیر کا واقعہ متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے حضرت اُمِّ سلمہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ سیاہ رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ امام حسن علیہ السلام آئے حضور نے انہیں چادر میں لے لیا۔ پھر حسینؑ آئے انہیں چادر میں لے لیا پھر علیؑ آئے انہیں چادر میں لے لیا پھر سیدہ آئیں انہیں چادر میں لے لیا حضرت ام المومنین ام سلمہ نے بھی چادر میں داخل ہونا چاہا آپ نے فرمایا انکِ علیٰ خیر تو بھلائی پر ہے مگر چادر تلے نہیں لیا۔ پھر فرمایا پروردگار یہ ہیں میرے اہل بیت اس پر آیۂ تطہیر نازل ہوئی جو خمسۂ نجباء کی عصمت و طہارت کی دلیل ہے۔

بچپن کا ایک واقعہ:۔ سرکار رسالت محمد مصطفٰے کے ارتحال پر ملال کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام اس طرف تشریف لئے جاتے تھے۔ جہاں حضرت ابوبکر تھے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر پر ہیں اس پر آپ نے ان سے فرمایا میرے والد کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس پر سے آپ اترے آئیے حضرت ابوبکر نے کہا آپ سچ کہتے ہیں واقعاً یہ آپ کے والد ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ پھر آپ امام حسنؑ کو گود میں بیٹھا کر رونے لگے۔ ریاض نضرہ ص ۱۱۹ صواعق محرقہ ص ۱۰۵ تاریخ خلفا ص ۱۰۵

عبادات

عبادت سے مراد خالق متعال اور پروردگار خلق کی تعظیم و تمجید ہے۔
عبادت حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے لئے خضوع و خشوع اور تقدیس و تقدیر و تعظیم ہے چنانچہ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداسے جب سرکار ولایت امیر المومنین علیہ السلام نے سوال کیا ما الدین یا رسول اللہ صلعم جعلت فداک۔ اللہ کے رسولؐ دین کیا ہے؟ میں آپ پر فدا ہو جاؤں تو حضور سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ امر الٰہی کی تعظیم اور خلق خدا پر شفقت، امر الٰہی کی تعظیم عبادت ہے جو تمام بلند مرتبہ عقلمندوں، علمائے کرام، ایمہ ہدیٰ اوصیا و انبیا و مرسلین علیہم السلام کا شعار ہے۔ یہ عبادت ہی ہے جو سعادات دنیا کا سرمایہ اور آخرت کے لئے متاع عزیز ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب عبادت کے مفہوم کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ انسان کی حرکت اگر امر الٰہی کے مطابق ہو تو عبادت ہے اور اگر امر الٰہی کے خلاف ہو تو معصیت ہے عبادت ہی کو تعظیم لامر اللہ کہتے ہیں یعنی امر الٰہی کی عظمت اس قدر قلب انسانی میں جاگزین ہو کہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔

جبرئیل علیہ السلام نے دربار رسالت میں سوال کیا ما الاحسان یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول نیکی اور بھلائی کیا ہے سرکار رسالت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد فرمایا الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یرٰ[ک]

تیری نیکی اور بھلائی یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہ دیکھ رہا ہو تو پھر وہ تجھے دیکھتا ہے۔

عبادت سے مراد عبودیت تعبد ہے یعنی بندے کو چاہیئے کہ بندگی کی حالت میں الٰہی حکم کا مطیع و تابع فرمان رہے اور خضوع و خشوع سے اظہار اطاعت کرے کیونکہ عبادت ہی غرضِ خلقتِ انسانی ہے وما خلقت الجن والانس الالیعبدون۔ ہم نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا۔ اگرچہ اللہ کا فعل معلّل بالاغراض نہیں اور نہ ہی عبث اس غرض کا مفاد معبود کو نہیں بلکہ عبد کو ہے عبادت سے بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں اور انسان مدارج رفیعہ پر پہنچتا ہے چنانچہ رسالت خاصہ جو بلند ترین مدارج و مناصب ہے عبادت سے رابطہ رکھتی ہے اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد عبادت گزار اور رسول ہیں۔

عبادت عصمت کے بلند درجہ سے تعلق رکھتی ہے چنانچہ ابلیس کو تنبیہ کے طور پر ارشاد باری ہوا:

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان — اے شیطان میرے عبادت گزار بندوں پر تجھے تسلط حاصل نہیں ہو گا۔

عبادت غیر معصوم انسان کو گناہوں اور بدکاریوں سے بچاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر: تحقیق نماز فواحشات اور برائیوں سے بچاتی ہے۔

عبادت واطاعت انسان کو اوصاف وصفات الٰہیہ سے متصف کرتی ہے :-

حدیث قدسی ہے عبدی اطعنی اجعلک مثلی او مثلی میرے بندے میری اطاعت کریں تجھے اپنی مثل یا اپنے اوصاف کا نمونہ بناؤں گا۔

عبادت کی قسمیں ہیں بہترین عبادت وہ ہے جو رضائے خدا کے لئے ہو جو ریا، توقع، طمع اور اجر کی آمیزشوں سے پاک ہو حضور قلب تقویٰ، پرہیزگاری اور خلوص کے ساتھ ہو۔ یہ حقیقتیں آپکو معصومین علیہم السلام کے سوا کہیں نظر نہیں آئیں گی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت کے تین طبقے ہیں ایک گروہ خوف سے اللہ کی پرستش کرتا ہے۔ دوسرا گروہ اجر اور مزدوری کی طمع میں عبادت کرتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو خدا کی بندگی اللہ کی محبت میں کرتا ہے اور محبت کی وجہ سے مصروف عبادت ہے اور یہ آزاد انسانوں کی عبادت ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام بارگاہ احدیت میں عرض کر رہے ہیں۔

الٰہی ما عبدتک طمعاً للجنۃ ولاخوفاً للنار بل وجدتک مستحقاً للعبادۃ فعبدتک. کفی لی فخراً ان اکون لک عبداً وکفی لی عزاً ان تکون لی الٰہاً وجدتک رباً کما احب فاجعلنی عبداً کما تحب.

میرے معبود میں نے تیری عبادت جنت کے لالچ میں نہیں کی اور نہ جہنم کے خوف سے کی ہے میں نے تجھے عبادت کا

مستحق پایا پس تیری عبادت کی میرے لئے یہ فخر کافی ہے کہ میں
تیرا بندہ ہوں تیرے لئے یہ عزت کافی ہے کہ تو میرا معبود ہو
میں نے تجھے ایسا ہی رب پایا جیسا میں چاہتا ہوں مجھے ایسا
بندہ بنالے جیسا تو چاہتا ہے اگر ہم انسانی صفوف پر نظر ڈالیں
تو ہمیں محمد و آل محمد علیہم السلام سے بڑھکر کوئی عبادت
گزار نہیں ملے گا۔

کمال الدین ابن طلحہ اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں کہ عبادت تین قسموں پر منقسم ہے۔ بدنیہ، مالیہ اور ان دونوں سے مرکب، عبادت بدنیہ جیسے نماز، روزہ، تلاوت قرآن مجید اور دوسرے اوراد و اذکار عبادت مالیہ خمس و زکوٰۃ، خیرات و مبرات اور دونوں سے مرکب جیسے حج و زیارات، جہاد و اعمار اس میں شک نہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ان تینوں قسموں میں حظ وافر و بہرۂ کامل رکھتے تھے۔

عبادات بدنیہ

مقدمۂ نماز ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی عبادت سے پہلے
وضو:- بدنی پاکیزگی ضروری ہے جب وہ معبود یہ چاہتا ہے کہ میری بارگاہ عظمت و جلال میں حاضر ہونے کے لئے انسانی اعضائے جسمانی بھی پاک و پاکیزہ ہوں تو اس سے بڑھکر وہ چاہتا ہے کہ جو شخص بھی میرے دربار قدس میں آئے اس کا قلب و ذہن بھی پاک اور طاہر ہو، وضو تطہیر افکار

تطہیر اذہان و تطہیر نفوس اور تطہیر ارواح کی طرف ایک لطیف کنایہ اور ایک نفیس اشارہ ہے جس طرح اعضائے ظاہریہ پانی سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح قوائے باطنیہ کی طہارت توبہ و انابت سے ہوتی ہے پس انسان کو چاہیئے کہ وہ توبہ کے پانی سے افکار و اذہان، نفوس و ارواح کو پاک کر کے درگاہ قدس میں قدم رکھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام جب وضو کرتے تھے تو حضور کا جوڑ جوڑ کانپنے لگتا تھا رنگ زرد ہو جاتا تھا جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو بھی رب العرش کے سامنے کھڑا ہو اس پر یہ حق ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو جائے اور اس کے جوڑ کانپنے لگیں

(روضۃ الواعظین)

غور فرمائیے کہ جس بزرگوار کی خشیت کا مقدمہ نماز میں یہ عالم ہو اس پر نماز کی حالت میں کیسی خضوع و خشوع کی کیفیت طاری ہوتی ہوگی۔

کیا ہم نے کبھی اپنے نفس سے محاسبہ کیا ہے کہ ایسے خاشع امام کی پیروی کے دعوے کے بعد کبھی ہم پر خوف خدا، خشیۃ اللہ کی وضو تو درکنار نماز میں بھی یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی باطنی کیفیتوں کا تو کیا ذکر ہم میں سے تو اکثر وضو و نماز کے مسائل سے اس قدر جاہل ہیں کہ عبادت کی ظاہری صورت بھی درست نہیں ہے۔

مسائل ضروریہ نماز سے غفلت اس بات کی دلیل ہے کہ ہم عبادات کے استخفاف کی معصیت میں مبتلا ہیں۔

نماز اور اس کے آئین وضوابط کو معمولی سمجھتے ہیں۔ جب ظاہری صورت حال کی طرف بھی ہماری توجہ نہیں تو باطن پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ ائمہ اہلبیت کے خشیۃ اللہ اور خضوع و خشوع ہمارے لئے درس عبرت ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس پر غور و فکر کر کے شیعیان اہل بیت کے شایان شان طرز زندگی اختیار کریں۔

اللہ اللہ! وضو میں یہ کیفیّت اس انسان کا شعار ہے۔ جو گناہوں سے پاک و مبرّا اور معصوم ہیں وائے بہر حال ما کہ دن رات معصیۃ میں مبتلا رہ کر پھر بھی ایسی کیفیت ہم پر طاری نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہمارے پاس ایسے معصوم انسانوں کے بہترین نمونے اور افضل ترین مثالیں موجود ہیں۔ جنکی پیروی کا ہمیں دعوے ہے۔

مسجد:۔ جناب امام حسن علیہ السلام جب مسجد کی طرف روانہ ہوتے اور دروازے کے قریب پہنچتے تو سر آسمان کی طرف بلند کرتے اور عرض کرتے:۔

الٰهی ضیفك ببابك یا محسن قد اتیتك المسیئ فتجاوز عن قبیح ما عندی بجمیل ما عندك یا کریم۔

(روضۃ الواعظین، منتہی الاعمال ص ۱۶۱)

اے میرے معبود یہ تیرا مہمان ہے۔ جو تیری بارگاہ میں ایستادہ ہے۔ میں لغزش کرنے والا تیری بارگاہ

میں جو ناپسندیدہ امر لایا ہوں تو اسے ایسے پسندیدہ
میں بدل دے جو تیرے نزدیک پسند ہے۔ ملے کریم
مسجد وہ مقام رفیع ہے جسے عبادت کا بہترین
ماحول کہہ سکتے ہیں

دن رات دنیوی امور میں مبتلا انسان کے لئے کوئی ایسی جگہ، کوئی ایسا ماحول ہو جہاں اس کی تمام تر توجہات معبود کی طرف ہی منتقل ہو جائیں اور وہ دنیاوی افکار سے علیحدہ ہو کر خالصتہ اپنے معبود سے لو لگا سکے ایسے مقام میں ماسوا اللہ کا خیال پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ زبان پر اگر اللہ کی جبروت وکبریائی۔ اس کی حمد و ثنا اس کی تسبیح و تقدیس، اس کی تہلیل و تمجید ہو تو قلب بھی ان چیزوں سے متاثر ہو اور اعضا و جوارح بھی ان امور میں سرگرم عمل ہوں۔

مگر مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ یہ مساجد فرقہ وارانہ جھگڑوں کا مرکز ہیں مادی اور دنیوی مکروہ سیاست کا موقف بن چکی ہیں۔ مساجد میں ایسے امور پر گفتگوئیں ہوتی ہیں جو خانہ خدا سے باہر بھی مکروہ ہیں بلکہ بعض حالات میں حرام ہیں کسی ایرانی شاعر نے خوب کہا ہے۔

بہ طواف کعبہ رفتم ز حرم ندا بر آمد
کہ بردن درچہ کردی کہ درون خانہ آئی۔

میں خانہ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو مجھے حرم سے
یہ آواز آئی کہ تو نے دروازہ سے باہر کیا کیا ہے جو اب
گھر کے اندر آرہا ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے مسجد میں داخلہ کے متعلق اپنے شعار میں یہ بتایا ہے کہ جب انسان خانۂ خدا میں داخل ہو تو اس کے افکار کیا ہونے چاہیئے۔ دخول مسجد کی یہ دعا افضل العبادات نماز سے قبل تطہیر افکار کا بہترین درس ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے معصوم امام کے اس سبق سے فائدہ اٹھا سکیں جو درحقیقت ایک معصوم امام نے گنہگاروں کی تعلیم و تفہیم کے لئے اختیار کیا ہے دعا کا جملہ ہے۔

الٰھی ضیفک ببابک

اے معبود! تیرا مہمان تیرے دروازہ پر ہے۔

چونکہ مسجد بیت اللہ ہے اور جو کسی کے گھر آئے وہ اس کا مہمان ہوتا ہے حالانکہ اللہ کی ذات مکان و مکانیات و زمان و زمانیات سے پاک و پاکیزہ ہے منزہ و مبرہ ہے مگر اس نے اپنی رحمت واسعہ اپنے کرم لا امتناہیہ سے مقامات عبادت یعنی عبادت گاہوں کو اپنی ذات سے منسوب کرکے بیوت اللہ یا خدا کے گھروں کے لفظ سے مشرف کیا ہے اور جو کسی کے گھر پہنچ جائے اور کریم انسانوں کا یہ شعار ہے کہ اگر ان کی مخالفت کرنے والا ان کا دشمن اور ان کا باغی بھی ان کے گھر پر آجائے تو اس کی عداوتوں اس کی مخالفتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ اس لئے اس دعا میں یا کریم سے اللہ کو مخاطب کیا ہے۔ اور اللہ کی رحمت واسعہ سے اپیل کی ہے کہ میری مخالفتوں سے درگزر کر اور جو تیرے اور انسانیت کے دشمن شیطان سے ساز باز کرکے بغاوت اختیار کی ہے۔ جب مہمان ہو کر تیرے دروازہ پر آگیا ہوں تو اپنے کرم سے مجھے فرمان

امان سے سرفراز فرما۔ قاعدہ ہے کہ میزبان مہمان کا استقبال کیا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ بھی گناہ گار انسان کا اپنی شان رحم وکرم سے اس طرح استقبال کرتا ہے کہ

حدیث میں وارد ہوا کہ جب گناہ گار انسان اپنے گناہوں سے نادم ہو کر راجع الی اللہ ہوتا ہے تو یا اللہ کہتا ہے تو بارگاہ قدس سے دس دفعہ آواز آتی ہے لبیک یا عبدی۔ اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔

اس دعا کے الفاظ پر غور کیجئے ایک معصوم انسان اپنی عصمت مسلمہ اپنی انتہائی عبادات و خیرات و مبرات کے باوجود اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں عجز و انکسار کا کس طرح اظہار کر رہا ہے کہ ناکردہ خطاؤں، عمل میں نہ آئے ہوئے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو "المسئی" کے لفظ سے یاد کیا جا رہا ہے یہ وہ مقام عصمت و عبدیت ہے کہ جس کی مثال ان معصومین کے کردار میں ہی مل سکتی ہے۔ ہماری ہدایت کے لئے ہمارے رشد و رہنمائی کے لئے عرض کر رہے ہیں۔

فتجاوز عن قبیح ما عندی بجمیل ما عندک

مولا! قبیح سے آپ کو کیا تعلق اور امر قبیح سے آپ کو کیا واسطہ ہاں یہ اظہار عبدیت کا انتہائی مقام ہے اور ہمارے لئے درس عبرت ہے کہ اللہ کی شان جمال و تجمل کا واسطہ دیکر اپنے گناہوں، اپنی خطاؤں، اپنی لغزشوں کو بخشوائیں اپنے امراض روحانی کا مداوا کریں اپنے عوارض نفسانی کا علاج کریں۔ رحمت واسعہ کی دوا سے شفا طلب کریں، زبان حال

سے عرض کرمیں سے

اپنی رحمت کی طرف دیکھ کہ بخشش ہو مری
مجھ کو کیا دیکھتا ہے سخت گناہ گار ہوں میں

یہ رحمت کو جوش میں لانے کے انداز ہیں۔

تعقیبات مشترکہ میں ایک دعا وارد ہوئی ہے۔ شیخ شہید سے منقول ہے کہ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ خدا قیامت کے دن اسے اس کے افعال بد سے کسی کو آگاہ نہ کرے اور اس کے گناہوں کے دفتر اور اس کے اعمال نامے کو نہ کھولے اسے چاہیئے کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَرْجٰى مِنْ عَمَلِىْ اِنَّ رَحْمَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذَنْبِىْ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ ذَنْبِىْ عِنْدَكَ عَظِيْمًا. فَعَفْوُكَ اَعْظَمُ مِنْ ذَنْبِىْ اَللّٰهُمَّ اِنْ لَمْ اَكُنْ اَهْلًا اَنْ اَبْلُغَ رحمتك فرحمتك اهل ان تبلغنى وتسعنى لانها وسعت كل شى برحمتك يا ارحم الرّاحمين۔

(مفاتیح الجنان تعقیبات مشترکہ)

اے معبود! تیری بخشش میرے عمل سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے کہ اس سے امید و رجا رکھی جائے۔

تیری رحمت میرے گناہ سے زیادہ وسیع ہے اگر
میرا گناہ تیرے نزدیک بڑا ہے پس تیرا عفو میرے
گناہ سے بھی بہت بڑا ہے
اے معبود اگر میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ تیری
رحمت مجھ تک پہنچے تو تیری رحمت تو اہل ہے
کہ مجھ تک پہنچے اور میرے لئے وسیع ہو کیونکہ تیری
رحمت ہر چیز پر وسیع ہے پس اپنی رحمت کا صدقہ
اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم
کرنے والے مجھ پر رحمت فرما۔

انہی موضوعات کو ہمارے استاد الاستاد حضرت انیس اعلی اللہ
مقامہ نے ان الفاظ میں شعر کا جامہ پہنایا ہے ؎

یہ تو کیونکر کہوں میں لائق تعزیر نہیں
پر تیرے رحم سے بڑھکر میری تقصیر نہیں

نماز عبادات بدنیہ میں اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اس کے متعلق رب
العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ؛
نماز کو قائم کرو اور مشرک نہ ہو۔

گویا تارک صلوٰۃ مشرک ہے حالانکہ بہت کم ایسے گناہ ہیں جن کے
مرتکب کو مشرک کہا گیا ہو۔ اس لئے کہ نماز کو ترک کرنے والا اپنی خواہش کو

معبود بنا رہا ہے، اس لئے مشرک ہے۔

سرکارِ رسالت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز اس قدر عزیز تھی کہ حضور فرمایا کرتے تھے،

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں میری خنکیٔ چشم یا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

نیز نماز کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔

اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔

نماز مومن کا معراج ہے۔

ایک روز صحابہ کرام دربارِ رسالت میں حاضر تھے حضور نے اپنی زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا

تم میں سے کون ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ سے کلام کرے

سب نے بیک زبان اعلان کیا کہ ہم سب چاہتے ہیں،

فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو تو نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ بندے کی اپنی معبود سے باتیں ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا تم میں سے کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس کا معبود اس سے ہم کلام ہو سب نے کہا ہم سب چاہتے ہیں فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو تو تلاوتِ قرآن مجید کیا کرو کیونکہ تلاوت قرآن حکیم اللہ کی اپنے بندوں سے باتیں ہیں۔

اور نماز گزار پہلی ہی رکعت میں ان دونوں امور کو حاصل کر لیتا ہے جب وہ فاتحۃ الکتاب سورۃ الحمد کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ گویا خدا سے ہم کلام ہے اور جب سورہ الحمد کے بعد وہ قرأت میں کسی دوسرے سورہ کو شامل کرتا ہے تو گویا خدا اس سے ہم کلام ہے اس مکالمہ میں اس مکالمہ کے لحاظ سے اسے معراج حاصل ہوگی ہے اس لئے ارشاد رسالت ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنُ

نماز مومن کی معراج ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ کَفَرَ

جس نے نماز کو ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا کفران نعمت کیا۔

نماز رکن دیانت واصل واساس عبادات ہے۔ بلکہ اصل دین ہے بارگاہ احدیت میں سب سے پہلے اسی کی باز پرس ہوگی۔ ؎

روز محشر کہ جان گداز بود

اولیں پرسش نماز بود

اگر وہاں نماز قبول ہوگئی تو سب اعمال قبول ہو جائیں گے اور اگر یہ مسترد ہوئی تو تمام اعمال مسترد ہو جائیں گے

جیسا کہ قول معصوم ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاھَا
وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاھَا

نماز اگر قبول ہو گئی تو سب نیکیاں قبول ہو جائیں گی
اگر نماز رد ہو گئی تو سب اعمال حسنٰی مردود ہونگے

پھر حدیث میں وارد ہوا ہے۔

الصلوۃ ان ردت رد سائر عملہ

جس کسی کی نماز رد ہو گئی تو اس کا تمام عمل مسترد ہو گیا
اسی حقیقت کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ
هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان)

اور ہم اس وقت ان کے اعمال کی طرف متوجہ
ہوئے ان سب کو خاک کی طرح اڑا دیا اور فنا کر دیا

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

لَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا

اور روز قیامت ان اعمال کا کوئی وزن نہیں ہو گا اور
پلۂ اعمال ہلکا بلکہ خالی رہے گا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

من استخف بالصلوۃ لیس منا
ولا تنالہ شفاعتنا

جو شخص نماز کو سُبک اور خفیف سمجھے اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ پڑھی یا نہ پڑھی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ہماری شفاعت اس کو نہیں پہنچ سکتی۔

قال معاویۃ بن وھب سئلت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن افضل ما یتقرب بہ العباد الی ربھم واحب ذلک الی اللہ عز وجل فقال ما اعلم شیئاً بعد المعرفۃ افضل من ھٰذہ الصّلوٰۃ الا ترٰی ان العبد الصّالح عیسی بن مریم قال اوصانی بالصّلوٰۃ والزّکوٰۃ مادمت حیاً الایۃ۔

معاویہ بن وہب کہتا ہے ابو عبداللہ علیہ السلام (امام جعفر صادقؑ) سے سوال کیا گیا سب سے بہتر عمل جس سے بندہ قرب خدا حاصل کرتا ہے کون سا ہے اور کون سا عمل خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے حضور نے فرمایا کہ میں معرفت توحید کے بعد اس نماز سے افضل و بہتر کسی کو نہیں جانتا کیا تو نہیں دیکھتا کہ بندۂ صالح عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے وقت ولادت یہ فرمایا (کہ میں بندۂ خدا ہوں خدا نے

مجھے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے اور مجھ کو مبارک بنایا ہے، مجھ کو جب تک زندہ ہوں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیّت فرمائی ہے۔

عن زید الشحام عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سمعتہ یقول احب الاعمال الی اللہ عزّ وجل الصلوٰۃ وھی اٰخر وصایاء الانبیاء فما احسن الرجل یغتسل او یتوضاء فیسبغ الوضوٗ وینحی حیث لایراہ انیس فلیشرف علیہ وھو راکع او ساجد ان العبد اذا سجد فاطال السجوٗد نادیٰ ابلیس یا ویلہ اطاع وعصیت وسجد وابیت۔

زید شحام حضرت ابو عبد اللہ (جعفر صادق) علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے خدائے عزّ وجل کے نزدیک بندہ کا سب سے پسندیدہ ومحبوب عمل نماز ہے اور یہ آخری وصیّت انبیاء علیہم السلام ہے مرتے وقت ہر نبی نے اپنی امت کو اسی کی ہدایت و وصیّت کی ہے۔ پس کیا اچھا ہے وہ شخص جو غسل یا وضو کرے جیسی بھی صورت ہو اور وضو کو خوب طول دے پھر ایک گوشۂ تنہائی میں جائے

جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو کہ مبادا وہ حالت رکوع یا سجود میں اس کے پاس آجائے اور اس کا دھیان ہٹائے) بیشک بندۂ خدا جب سجدہ میں جاتا ہے اور سجدہ کو طول دیتا ہے تو شیطان چیخ اٹھتا ہے اور کہتا ہے ہائے! ہائے! یہ بندۂ اطاعت خدا کر رہا ہے اور میں نے نافرمانی کی یہ سجدہ کر رہا ہے اور میں نے سجدہ سے انکار کیا۔

قَالَ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ سَاجِدٌ وَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّوَجَلَّ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ؛ رپ ۳۰

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ اسوقت سب سے زیادہ خدا کے قریب ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں جاتا ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے اے بندے سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام یقول اذ قام المصلی الی الصلوۃ نزلت علیہ الرحمۃ عن اعنان السماء الی اعنان الارض وحفت بہ الملئکۃ وناداہ ملک لو یعلم ھذا المصلی ما فی الصّلوۃ لما انفتل۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اطراف آسمان سے اطراف زمین پر رحمت خدا نازل ہوتی ہے۔ اور ملائکہ اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اگر یہ نماز گذار حقیقۃً جانے کہ اس نماز میں کیا لطف اور کیا ثواب ہے تو کبھی نماز سے نہ مڑے برابر پڑھے جائے۔

لہٰذا قال آدم علیہ السلام یارب حقیق من عرفک ان یعبدک۔

اسی لئے آدم علیہ السلام نے فرمایا اے پالنے والے جو تجھے پہچان لے تو اس کا سزاوار ہے کہ تیری عبادت ہی کئے جائے۔

عن آدم علیہ السلام مثل الصلوۃ مثل عمود الفسطاط اذ اثبت العمود نفعت الاطناب والاوتاد والغشا واذا انکسر العمود لا ینفع طنب ولا وتد ولا غشا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز کی شان اعمال دین میں ایسی ہے جیسے کہ خیمہ میں ستون اگر ستون قائم ہیں تو طنابوں، میخوں اور سائبان کا فائدہ

ہے اور اگر ستون ٹوٹ گیا اور گر گیا تو طناب کچھ
فائدہ نہ دیگی نہ میخ اور نہ سائبان یعنی نماز ہی رکن وستون
خانہ دین ہے اگر یہی گر جائے اور دیندار کی نماز صحیح
اور مقبول نہ ہو تو بس اس کا خانہ دین خراب ہے۔

وقال علیہ السلام من قبل اللہ منہ صلوۃً
واحدۃً لم یعذبہ۔

معصوم نے فرمایا کہ جس کی ایک نماز بھی قبول کر لی گئی
تو وہ بندگان خدا میں داخل ہو گیا۔ اور نماز گزار شمار ہوا
پھر خدا اس کو ہرگز عذاب نہ کرے گا اور جہنم میں نہ
ڈالے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ الصلوۃ
میزان من وفی استوفی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا نماز میزان عمل
ہے جس نے پورا کر دیا ثواب پا لیا ورنہ روز قیامت
اس کا پلہ میزان خالی رہے گا۔

اللہ نے توحید کے بعد سب سے زیادہ نماز ہی کی تاکید فرمائی ہے۔
تقریباً ساٹھ آیات قرآن میں نماز کا ذکر ادائے نماز کا حکم اور نمازیوں
کی مدح ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :-

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔

میری یاد دل میں رکھنے کے لئے نماز کو قائم کرو۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ (ھود)

دن کی دونوں طرفوں میں قبل طلوع آفتاب و بعد غروب آفتاب نماز ادا کرو۔ اور کچھ حصہ شب گزر جانے پر وقت نماز عشا، اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس، زوال آفتاب سے نصف شب تک کی نمازیں ادا کرو ظہر، عصر، مغرب اور عشا

وَحَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔

تمام نمازوں کی حفاظت کرو کہ وقت پر ادا ہوں، اور نماز وسطیٰ کی خاص طور پہ حفاظت کرو اور کھڑے ہو کر ان میں قنوت پڑھا کرو۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔

بیشک نماز مومنین پر اوقات مخصوصہ میں لکھ دی گئی ہے اور فرض کردی گئی ہے۔

معصوم نے فرمایا ہے کہ مومن کی نشانی محافظۃ علی اوقات الصلوٰۃ ہے یعنی نماز کے وقتوں کی حفاظت کرنا ہے۔

عبادت الٰہی میں امام حسن علیہ السلام کا شغف:۔ عبادت الٰہی آپکا محبوب ترین مشغلہ تھا آپ وقت کا اکثر حصہ اسی میں صرف فرماتے تھے معاویہ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے اس نے تبلایا کہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مصلی پر بیٹھے رہتے ہیں اور پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد)

جب امام حسن علیہ السلام نماز شروع کرتے تو آپ پر انتہائی خضوع وخشوع طاری ہو جاتا تھا خشیت کے آثار ظاہر ہوتے اور تمام بدن کانپنے لگتا تھا

(امالی صدوق ص۱۰۸)

کسی نے امام حسن علیہ السلام سے تذکرہ کیا کہ یا بن رسول اللہ عبادت کے وقت یہ کیا حالت آپ کی ہو جاتی ہے۔ فرمایا جو کوئی پروردگار عالم مالک لوح وقلم کے سامنے کھڑا ہو حق ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو جائے اور اعضا ومفاصل پر لرزہ پڑ جائے۔ (مناقب شہر آشوب)

کتاب امالی میں مفضل بن عمر سے اور انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے باپ نے اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ آں حضرت نے فرمایا کہ حسن علیہ السلام اپنے زمانے میں عابد ترین مرد تھے عبادت کو کھڑے ہوتے تو بند بند بدن اقدس کانپ جاتا تھا۔ کسی حالت میں یاد خدا سے غافل نہیں رہتے تھے۔

صاحب کشف الغمہ کہتے ہیں کہ امام حسن کے فضائل اور ان کے مکارم اخلاق ان کی نماز نوافل وزہد وعبادت تقوٰے وطہارت جن پر آپ کی عادت جاری تھی اور جو آپ کی سیرت میں داخل ہو چکے تھے بہت مشہور و معروف ہیں اگرچہ دشمنوں نے انہیں چھپانے کی کوشش کی مگر فہل یخفی النہار الذی عینین کیا مرد بینا دو آنکھوں والے سے روز روشن کی روشنی چھپی رہ سکتی ہے

ہمیں ان ذوات قدسیہ کے شغف عبادات وکثرت نوافل وخشیۃ اللہ سے سبق لینا چاہیئے اگر ہمیں ان ذوات قدسیہ سے محبت ہے تو ہمیں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیئے اور ایسا نہیں ہونا چاہیئے جس سے امیر المومنین علیہ السلام نے منع فرمایا ہے

لا تکن ممن یحب الصالحین ولا یعمل
عملھم۔

تم ایسے نہ بنو جو صالحین سے محبت کا دعوے کرتے
ہیں اور ان کے اعمال اختیار نہیں کرتے۔

دنیا میں بے چینی اس لئے ہے کہ دنیا کے انسان اللہ سے بیگانہ ہو چکے ہیں اگر ہم اس عالم اضطراب میں اطمینان کے خواہاں ہیں تو قرآن پاک ببانگ دہل کہہ رہا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

تلاوت قرآن پاک:۔ سرکار رسالت محمد مصطفٰے ارواحنا لہ الفداء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جس

شخص نے ایک رات میں دس آیات قرآن کی تلاوت کی اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جاتا، اور جس نے پچاس آیتوں کی تلاوت کی اس کا نام ذاکرین میں لکھا جاتا ہے جس نے سو آیتیں تلاوت کیں وہ قانتین میں شمار ہوتا ہے۔ جس نے دو سو آیتیں پڑھیں اس کا نام خاشعین میں درج ہوتا ہے جس نے پانچ سو آیتیں تلاوت کیں وہ مجتہدین میں گنا جاتا ہے۔ جس نے ایک ہزار آیت کی تلاوت کی تو اس کے لئے ایک قنطار ثواب ہے (گائے کی پوری کھال کے بورے میں بھری ہوئی چیز ایک قنطار ہوتی ہے قنطار کی مقدار پندرہ ہزار مثقال زر ہے اور مثقال چوبیس ہزار قیراط ہے۔ قنطار کے مختلف اوزان ہیں بعض نے قنطار کا پیمانہ کم سے کم کوہ احد کی مانند تبلایا ہے اور زیادہ سے زیادہ جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے قنطار مشترک المعنی لفظ ہے) اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کے ثواب حسب مدارج ہیں ان مدارج کے لحاظ میں قاری قرآن کو ثواب ملے گا (کافی)

امام بحق ناطق جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

جس کسی نے کتاب اللہ کے ایک حرف کو غور سے سنا حالانکہ پڑھا نہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک بدی کو محو کرتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ جس کسی نے قرآن پر بغیر آواز نظر کی اس کے لئے اللہ تعالیٰ بعوض ہر حرف ایک نیکی لکھتا ہے ایک برائی کو محو کرتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو شخص ظاہری طور پر قرآن مجید کے ایک حرف کی تعلیم دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں

لکھتا ہے اس کی دس بدیاں محو کرتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں اس ثواب کو ہر آیت کے متعلق بیان نہیں کر رہا بلکہ یہ ثواب ہر حرف کے عوض ہے یعنی با (ب) تا (ت) وغیرہ پھر فرمایا جس شخص نے قرآن مجید کے ایک حرف کو پڑھا اس حالت میں کہ وہ نماز میں بیٹھنے والا تھا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ سو بدیاں محو کی جاتی ہیں اور سو درجے بلند کئے جاتے ہیں اور جس نے قرآن پاک کو ختم کیا اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے ایسا دیر سے ہو یا جلدی (کافی)

آداب سماعت و قرأت قرآن

(۱) قرآن مجید میں ارشاد ہے
لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔

قرآن کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف و کتابت کو بغیر طہارت مس نہ کرو۔

طہارت سے مراد وضو، غسل، تیمم اور اسلام ہے جو پاک نہ ہوں انہیں قرآن کا چھونا قطعی طور پر ممنوع ہے بلکہ ارتکاب گناہ ہے۔

۲۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور اسے سننے کے لئے ادباً خاموش ہو جاؤ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔

۳۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ

الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

یعنی جب تو قرآن پڑھے تو پڑھنے سے پہلے کہو:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ

الرَّجِیْمِ۔

۴۔ عبداللہ بن سلیمان سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیہ مبارکہ ورتل القرآن ترتیلا کے کیا معنی ہیں فرمایا کہ قرآن کو سنجیدگی سے پڑھو جو حق سنجیدگی کا ہے اسے جلدی جلدی نہ پڑھو جس طرح تم اشعار کو جلدی جلدی پڑھتے ہو اور قرآن کو اس طرح پراگندہ نہ کرو جس طرح تند ہوا ریت کو پراگندہ کر دیتی ہے اور قرأت قرآن کے وقت تیرے دل پر خوف طاری ہو تاکہ اس سے سنگدلی دور ہو جائے جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کو عرب کے لحن اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔ فاسقوں اور کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لب و لہجہ میں نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن کو موسیقی میں گٹکریاں لیکر پڑھے گی۔ ان کے دل الٹے ہیں اور ان کے دل بھی ٹیڑھے ہیں جو ان کی اس روش کو پسند کریں۔ جب انسان سورۃ عزائم کی قرأت کرے جہاں سجدے کی آیت آئے فوراً سجدہ میں گر جائے اور اس وقت سجدہ میں یہ دعا پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حَقًّا حَقًّا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اِیْمَانًا وَّتَصْدِیْقًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عُبُوْدِیَّۃً

وَرِقَّاً سَجَدْتُ لَكَ يَا رَبِّ تَعَبُّداً وَرِقّاً لَا
مُسْتَنْكِفاً وَلَا مُتَكَبِّراً بَلْ اَنَا عَبْدٌ
ذَلِيلٌ خَائِفٌ مُسْتَجِيرٌ.

اور جب ختم قرآن کرے تو دعائے ختم قرآن پڑھے جو صحیفۂ کاملہ سجادیہ میں مذکور ہے۔

تلاوت قرآن اور حسن علیہ السلام:۔ کتاب امالی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام تلاوت کلام پاک فرماتے یاایہا الذین امنوا پڑھتے تو لبیک اللہم (حاضر ہوں میرے معبود میں حاضر ہوں) کہتے

کلام پاک کی تلاوت کی یہ کیفیت تھی کہ ہر آیت کو انتہائی غور و تدبر کے ساتھ پڑھتے اور جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں مومنین کو خطاب کیا گیا ہو تو فرماتے

لبیک اللھم لبیک (امالی ص ۱۰۸)

تلاوت کے وقت خوف الٰہی کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی جب جنت و نار کا تذکرہ ہوتا تو اس طرح تڑپتے جس طرح بچھو کا کاٹا تڑپتا ہے۔ خداوند عالم سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے پناہ مانگتے اور جب موت و مابعد موت کا ذکر ہوتا تو شدت سے گریہ فرماتے (اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۱۱) اور جب خدا کے حضور پیش ہونے کا ذکر آتا تو اتنی زور سے چیخ مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ امالی صدوق ص ۱۰۸

آپ ہر شب میں سورۂ کہف کی تلاوت فرماتے تھے۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۸)

اور جب صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آفتاب نکلنے تک تلاوت کلام پاک اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے کسی سے کلام نہ کرتے۔

(بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۹۳)

یہ ہے ان ہستیوں کا حال جو معصوم تھے۔ آج ہماری قوم کی حالت یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید ہمارے ہاں کم ہوتی جا رہی ہے ایک زمانہ تھا کہ میں نے خود اس ۷۳ سال کی مختصر سی عمر میں دیکھا کہ مسلمان گھرانوں سے تلاوت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور آج ریڈیو کے گانوں نے تلاوت کی جگہ لے لی۔ ہر گھر میں قرآن مجید موجود ہوتے تھے اور زینت کے طور پر ریشمی غلافوں میں ہر کمرہ میں کسی بلند مقام پر احتراماً رکھے جاتے تھے آج فلم ایکٹرس کے فوٹو سامان زینت بن چکے ہیں صبح کے وقت مسلم گھر عبادت سے خالی نظر آتے ہیں نماز صبح کے ہنگام گھروں پر ایک سناٹا طاری ہوتا ہے سینماؤں کے مشاغل میں رات کی شب بیداریاں اس قابل ہی نہیں چھوڑتیں کہ ہم اٹھ کر اپنے محسن اپنے مالک اور اپنے خالق کو یاد کریں فلیبک للاسلام من کان باکیا حدیث ثقلین کا کثرت سے ذکر کرنے اور سننے والے مومنین رسول اللہ کی اس امانت کتاب اللہ سے منہ موڑ چکے ہیں اولاد کو ناظرہ قرآن کی تعلیم سے بھی محروم رکھتے ہیں حدیث میں تھا کہ لایبقی من القرآن الا درس۔ یعنی میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن صرف درس رہ جائے گا اب دنیا اس سے آگے بڑھ چکی ہے نہ قرآن

پر عمل باقی ہے نہ درس۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

عبادات مالیہ

السخی لا یدخل النار ولو کان فاسقًا
والبخیل لا یدخل الجنۃ ولو کان عابدًا

(حدیث رسول اکرمؐ)

سخی جہنم میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ فاسق ہو اور بخیل
جنت میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ عابد ہو۔ سچ ہے۔

این سخی شاخے است از باغ بہشت
وائے آن کز کف چنیں شاخ بہشت

یہ سخی باغ بہشت کی ایک شاخ ہے۔ اس شخص پر افسوس ہے جو ایسی بہشت کی شاخ سے ہاتھ روک لے۔

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

السخا من الایمان جود و عطا ایمان ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

خلقان یحبہما اللہ ہما حسن الخلق والسخا

دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ایک خوش خلق ہونا دوسرے سخاوت۔

انسانی اجتماعی زندگی میں بہترین اوصاف بخشش اموال ہے اس صفت کا فقدان تمام اچھی باتوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور انہیں چھپا دیتا ہے اور بری صفات کو نمایاں کر دیتا ہے اکثر دیکھا گیا کہ بہت سے لوگوں کو تمام پسندیدہ صفات کے باوجود بخل و امساک کی وجہ سے عام انسان ان سے نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ جود وسخا رکھتے ہیں تمام برائیوں کے باوجود محبوب خلائق ہوتے ہیں داد و دہش، جود و بخشش فاضل ترین صفات انسانی ہے یہ صفت معبود برحق پروردگار عالم کی خاص صفات میں سے ہے۔

ادیم جہان سفرۂ خوان اوست　　　برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

یہ سطح زمین اس پاک پروردگار کا دستر خوان ہے اس فیض عام خوان یغما پر دوست و دشمن سب برابر ہیں وہ رب العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے خوان کرم سے سب مسلم و کافر یہود و نصاریٰ موحد و مشرک ملحد و مرتد بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

علما نے کہا ہے السخی من سخی بما ملک سخی وہ ہے کہ جو کچھ اس کے اختیار میں ہو بخشدے بغیر اس کے کہ دینے والے سے طلب کرے یا لینے والے پر احسان رکھے ہے

تجربہ کردم زہر اندیشۂ　　　نیست نکوتر ز سخا پیشۂ

میں نے ہر طرح غور و فکر کے بعد تجربہ کیا ہے کہ سخاوت سے بڑھکر کوئی طریق کار نہیں۔

جب ہم فلسفہ اجتماع کی حقیقت پر روحانی طور پر غور کرتے ہیں تو یہ

حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ اجتماعی ترقی کا راز محتاج افراد کی حاجت روائی میں مضمر ہے اور یہ حاجت روائی جود و سخا چاہتی ہے۔ جس قدر کسی قوم کے افراد تونگر یا محتاج ایک دوسرے کے نگران حال ہوں گے اور جود و سخا سے محتاجوں کی دستگیری کریں گے۔ اتنا ہی رشد اجتماعی زیادہ ہو گا اسی قدر محبت عمومی کا جذبہ کہ بین الافراد اجتماع کا یگانہ و یکتا ذریعہ ہے۔ زیادہ قوی اور زیادہ مستحکم ہو گا لوگ ایک دوسرے کو محبوب رکھیں گے اور ان کے تعلقات زیادہ بڑھیں گے۔

با ہر کہ کرم کنی از ال تو شود ۔۔۔ واندر ہمہ وقت مدح خوال تو شود

با دشمن خویش گر سخاوت ورزی ۔۔۔ شک نیست کہ یار مہربان تو شود

جس کسی سے تو بخشش اختیار کرے گا تیرا اپنا ہو جائے گا اور ہر وقت تیرا ثنا خواں رہے گا اگر تو اپنے دشمن کے ساتھ بھی سخاوت اختیار کرے گا اس میں شک نہیں کہ وہ تیرا مہربان دوست ہو جائیگا

جناب امیر علیہ السلام نے سخاوت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

السخاء ما کان ابتداءً فاما ما کان عن مسالۃ فحیاءٌ وتذمم (ملفوظات م ۵۳ نہج البلاغہ)

سخاوت یہ ہے کہ مانگنے سے پہلے عطا ہو لیکن جو سوال کے بعد ہے وہ شرم کا تحفظ اور مذمت سے بچاؤ ہے سخاوت نہیں۔

عبادات مالیہ و جود و سخا میں بھی امام حسن علیہ السلام ممتاز و مخصوص

ہیں یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی کریم اہل البیت ہو گیا تھا۔ جود و سخا میں آپ کے آباؤ اجداد شہرۂ آفاق تھے۔ دورِ جاہلیت میں آپ کا جد اس حقیقت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ آپ کے جد امجد کے لئے شعراء عرب نے قصائد لکھے ہیں چنانچہ ایک شاعر کا شعر ہے۔

عمرو العلی ھشم الثرید لقومہ
ورجال مکہ مسنتون عجاف

امام حسن علیہ السلام نے جو یہ صفت اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائی تھی انہوں نے اپنی سخاوت سے ان کے نام کو دو بالا کر دیا۔

حافظ ابو نعیم نے وثوق و صحت کے ساتھ اپنے معتبر راویوں سے باسناد معتبر اپنی مشہور تالیف حلیۃ الاولیا میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے دو بار اپنے جملہ مملوکات سے دستبردار ہو کر اپنا تمام مال راہ خدا میں خیرات کیا اور تین بار خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے مال و اسباب میں مقاسمہ کیا یعنی آدھا مال اپنے پاس رکھ لیا اور نصف راہ خدا میں تصدق فرمایا۔ حتّیٰ انّہ کان یعطی نعلاً یہاں تک کہ جفت پاپوش سے ایک جوڑا رکھ لیتے دوسرا خیرات کرتے۔

مرآۃ الجنان، نور الابصار)

دشمنوں پر بارانِ جود — ایک دفعہ ایک شخص جو حضرت علی علیہ السلام کا دشمن تھا مدینہ منورہ آیا اس کے پاس زادِ راہ اور سواری نہیں تھی اس لئے اہل مدینہ سے سوال کیا لوگوں نے کہا مدینہ

طلبہ میں امام حسن علیہ السلام سے بڑھکر کوئی فیاض نہیں۔ اس لئے ان کے پاس جاؤ۔ جب وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے سواری اور زادِ راہ دونوں کا انتظام فرما دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ آپ نے اپنے والد کے دشمن سے یہ سلوک فرمایا۔ اس پر فرمایا اس میں بھی عنداللہ ثواب ہے اور عزت و آبرو بھی ہے۔

۲۔ ایک دفعہ آپ نے ایک بڑی رقم فقراء و مساکین کے لئے جمع کی لوگ جوق در جوق آئے آپ نے مستحقین میں یہ رقم تقسیم کی سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا (ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۴)

یہ وہی اشعث ہے جس کے متعلق شیخ محمد عبدہ مصری نے حاشیہ نہج البلاغہ پر تحریر کیا ہے کہ

> کان الاشعث فی اصحاب علی کعبد اللہ ابن ابی ابن سلول فی اصحاب رسول اللہ کل منھما راس النفاق فی زمنہ۔
>
> جس طرح عبداللہ ابن ابی ابن سلول اصحاب رسول میں تھا ویسے ہی اشعث بھی اصحاب حضرت علی میں داخل تھا اور یہ دونوں اپنے اپنے عہد میں چوٹی کے منافق تھے۔

جنگ یرموک میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی چنانچہ ابن قتیبہ نے المعارف میں اسے یک چشم یعنی کانوں کی فہرست میں درج کیا ہے اور حضرت

ابوبکر کی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ جو پہلے ایک ازدی کے نکاح میں تھی اور پھر تمیم داری کے عقد میں تھیں تیسری دفعہ اسی اشعث سے بیاہی گئیں جن سے تین لڑکے محمد۔ اسمٰعیل اور اسحاق پیدا ہوئے کتب رجال میں درج ہے کہ یہ بھی ایک آنکھ سے معذور تھیں

ابن ابی الحدید نے ابوالفرج سے یہ عبارت نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اشعث قتل امیرالمومنین کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔

عبارت کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

شب ضربت ابن ملجم اشعث ابن قیس کے پاس آیا اور دونوں علیحدگی میں مسجد کے کونے میں جاکر بیٹھ گئے اور ادھر سے حجر ابن عدی کا گذر ہوا انہوں نے سنا کہ اشعث ابن ملجم سے کہہ رہا ہے کہ بس اب جلدی کرو ورنہ پو ہ پھوٹ کر تمہیں رسوا کردیگی حجر نے سنا تو اشعث سے کہا کہ اے کانے تو علی کے قتل کا سرو سامان کر رہا ہے اور پھر تیزی سے حضرت علی ابن ابی طالب کے پاس گئے مگر جب امیرالمومنین کو نہ پاکر پلٹے تو ابن ملجم اپنا کام تمام کر چکا تھا اور لوگ کہہ رہے تھے کہ امیرالمومنین قتل کر دیئے گئے۔

اس کی بیٹی جعدہ نے حضرت امام حسن کو زہر دیکر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا چنانچہ سعودی نے لکھا ہے کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کندی نے آپکو زہر دیا اور معاویہ نے اس سے یہ ساز باز کی تھی کہ اگر تم کسی طریقہ سے حسنؑ کو زہر دے دو تو میں تمہیں ایک لاکھ

درہم دوں گا اور یزید سے تمہارا عقد کر دوں گا

(مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۰)

اس کا بیٹا محمد ابن اشعث کوفہ میں حضرت مسلم کو فریب دینے اور کربلا میں خون سیّد الشہدا بہانے میں شریک تھا مگر ان سب باتوں کے باوجود یہ مسلم، بخاری، ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ کے راویان حدیث میں سے ہے۔

ماخوذ از ترجمہ نہج البلاغہ للعلامہ مفتی جعفر حسین صاحب مدظلہ

ایسے دشمن پر جود وعطا کی بارش اخلاق اللہ کا مظاہرہ ہے اور الٰہی نمائندگی کا ثبوت ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ بر دشمناں نظر داری

عمرو عاص سے معاملہ: عمرو عاص نے آٹھ شعر مدح و ثنائے اہل بیت اطہار اور منقبت حیدر کرار میں کہے تھے جن کا پہلا شعر ہے

بآل محمد عرف الصواب　　　وفی ابیاتھم نزل الکتاب

ہم نے آل محمد سے ہی راہ صواب جانا۔ وہ آل محمد جن کے گھروں میں کتاب نازل ہوئی۔

اور آخری یہ

ھو النبأ العظیم وفلک نوح　　　وباب اللہ وانقطع الخطاب

علی ہی خبر عظیم ہیں اور نوح کی کشتی ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا دروازہ

ہیں پس خطاب ختم ہو گئے۔

ان اشعار میں صفت تضاد میں ایک نہایت بلند شعر ہے۔

هو البکاء فی المحراب لیلاً　　هو الضحاک اذا اشتد الضراب

علی بہت ہی رونے والے ہیں مگر محراب عبادت میں اور وہ بہت ہنسنے والے ہیں جب کہ میدان جنگ میں تلواریں چل رہی ہوں

ان اشعار میں سے ایک شعر میں بیعت خم غدیر کا بھی ذکر ہے۔

وضربته کبیعته بخم　　معاقدها من القوم الرقاب

اس کی ضربت اس کی خم غدیر کی بیعت کی طرح ہے جس نے قوم کی گردنیں توڑ دیں ہیں۔

ان آٹھ اشعار کے علاوہ جنگ صفین میں بھی اس نے ایک شعر مدح جناب امیرؑ میں کہا تھا کہ ایک روز شام کے وقت جب لڑائی ملتوی ہوئی اور متحارب فریقین اپنی اپنی جگہ پر استراحت و آرام کے لئے گئے۔ تو معاویہ نے حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت کا ذکر بڑے شد و مد سے کیا تو اس پہ عمرو عاص نے فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

مناقب شهد العدو بفضلها　　والفضل ما شهدت به الاعداء

مناقب تو وہ ہیں جن کی فضیلت کی دشمن بھی شہادت دیں فضل وہی ہے کہ جس کے دشمن بھی شاہد ہوں اس کا دوسرا مصرعہ عرب میں ضرب المثل ہو گیا اور آج تک تصنیف و تالیف کی دنیا

میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ان نو شعروں کے علاوہ عمرو عاص نے تین شعر اور مدح اہل بیت میں کہے تھے۔ یہ بارہ شعر اکثر کتب مناقب میں موجود ہیں، چونکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مدح اہل بیت میں ایک بیت کہے اس کے لئے ایک گھر جنت میں بنے گا چونکہ عمرو عاص کو بہشت جانا نہیں تھا اس لئے ایک روز امام حسن علیہ السلام نے اس سے کہا۔ اے عمرو عاص کیا تو یہ بارہ شعر بیچتا ہے کہا مضائقہ نہیں حضرت امام حسن علیہ السلام نے بارہ ہزار درہم دے کر وہ بارہ شعر اس سے خرید لئے۔

بے مانگے سخاوت:۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی اپنی ایک حاجت لے کر آپ کے پاس آیا آپ نے اسی وقت حکم دیا کہ خزانہ میں جو کچھ ہو اسے ابھی دے دو چنانچہ دس ہزار درہم تھے وہ اسے دیدیئے گئے اعرابی نے عرض کی اے ہمارے سید و سردار آپ نے ہمیں اتنا موقعہ بھی نہ دیا کہ ہم اپنی عرضداشت آپ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ نے فرمایا ہمارے نفوس سوال سے پہلے ہی عطا کرنے کے عادی ہیں تاکہ سائل کی پیشانی شرم سے عرق آلود نہ ہو۔ (اعیان الشیعہ جلد ۴ صفحہ ۹۱)

بلا طلب عطا:۔ خیرات و صدقات میں حصہ لینا آپ کی خاندانی خصوصیت تھی جس فیاضی سے آپ اپنا مال و متاع اللہ کی راہ میں صرف کرتے تھے اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص بیٹھا ہوا دس ہزار درہم کے لئے دعا کر رہا تھا۔ آپ نے

سن لیا گھر پہنچکر اس کے پاس دس ہزار درہم نقد بھیج دیئے۔

(اسعاف الراغبین صہ ۱۷۷) (ابن عساکر جلد ۴ صہ ۲۱۴) (طبقات کبرٰے شعرانی جلد ۱ صہ ۲۳)

نیکی کا بدلہ :۔ ایک دفعہ آپ نے ایک حبشی غلام کو دیکھا کہ سامنے روٹی رکھی ہوئی ہے ایک لقمہ خود کھاتا ہے دوسرا لقمہ پاس بیٹھے ہوئے کتے کو پھینکتا جاتا ہے آپ نے پوچھا ایسا کیوں کر رہے ہو غلام نے جواب دیا کہ مجھے شرم آئی کہ خود کھاؤں اور اسے نہ کھلاؤں امام علیہ السلام کی پاکیزگی نفس نے محسوس کیا کہ غلام کو اس نیکی کا بدلہ ضرور ملنا چاہیئے آپ نے فرمایا تم یہیں بیٹھے رہو اور یہاں سے ہٹنا نہیں پھر آپ اس کے مالک کے پاس تشریف لے گئے اس سے اس غلام کو بھی خرید کیا اور وہ اراضی بھی خریدی جس کی نگرانی پر وہ مامور تھا غلام کو آزاد کر کے وہ اراضی اس کے حوالہ کر دی۔

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صہ ۳۸

جواز سوال کے متعلق مسئلہ شریعت اور جود وسخا :۔ بحار میں خصال ابن بابویہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا جبکہ وہ دروازہ مسجد پر بیٹھے ہوئے تھے اس نے سوال کیا اور آپ نے پانچ درہم اسے دیئے اس نے عرض کیا کہ مجھے کسی اور سخی کا پتہ نشان بھی دیجئے انہوں نے گوشۂ مسجد میں بیٹھے ہوئے جوانوں کی طرف اشارہ کیا وہ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہؓ ابن جعفرؓ طیار تھے اس شخص نے ان کی خدمت میں پہنچکر سلام

کیا اور مال کا خواہاں ہوا حضرت امام حسن مجتبیٰؑ نے فرمایا کہ سوال کے کچھ شرائط ہیں۔ انسان کو سوال کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ وہ تین حالتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو۔

۱۔ دم مفضیع ۔ خون بہا کی ایسی ذمہ داری جو کام سے بٹھا دے ۔
۲۔ او دین مقرح" ۔ یا قرض کا ایسا فکر جو دل کو مجروح رکھے ۔
۳۔ او فقر مدقع" یا ایسی تنگدستی جو ذلیل و رسوا کرے ۔

اب تو بتا کہ تجھے ان میں سے کونسی صورت درپیش ہے جو تو سوال کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ انہی تینوں باتوں میں سے ایک امر میرے سوال کرنے کا باعث ہوا ہے ۔

امام حسن علیہ السلام نے اسے پچاس دینار عطا کرنے کا حکم دیا۔
امام حسین علیہ السلام نے انچاس دینار کا اور حضرت عبداللہ ابن جعفر نے اڑتالیس کا

جب وہ سائل یہ بیش بہا عطیات لے کر چلا تو پھر اس کا گذر حضرت عثمان کے پاس سے ہوا انہوں نے پوچھا کہ تم نے کیا پایا۔ کہا آپ نے جو دینا تھا دیا اور تحقیق نہیں کی کہ مجھے کیا ضرورت آپڑی تھی کہ میں سوال کرنے پر مجبور ہوا اور صاحب وفرہ یعنی امام حسن علیہ السلام نے مجھے ہدایت کی کہ سوال کرنا تین صورتوں میں ایک کے بدوں حلال نہیں جب ان میں سے ایک کا میں نے اظہار کیا تو ان میں سے ایک نے پچاس دوسرے نے انچاس اور تیسرے نے اڑتالیس دینار مجھے عطا کئے یعنی انہوں نے اعطاء مال کے

علاوہ سوال کرنے کے متعلق ایک ضروری مسئلہ بھی مجھے تعلیم کیا جو تم نے نہیں کیا تھا اس پر حضرت عثمان نے فرمایا ان کے برابر کون ہو سکتا ہے انہوں نے پورے طور پر فطم علم کیا ہے۔ اور یہ لوگ عمل کے بھی اور حکمت کے بھی، بذل کے بھی اور سخا کے بھی صاحب و مالک ہیں شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کلمۂ فطموا العلم فطماً کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

قطعوہ من الغیر قطعاً و جمعوہ لانفسہم جمعاً یعنی علم و سخا کو انہوں نے اوروں سے جدا کر لیا اور اپنے لئے دونوں کو خاص کر لیا۔

سائل نے امام حسن علیہ السلام کو جو صاحب وفرہ کہا ہے یہ لفظ وفرہ وفور سے مشتق ہے جس کے معنی کثرت و زیادتی کے ہیں۔ یہاں مقصود بالوں کی زیادتی ہے جو امام حسن علیہ السلام کے کان کی لو کے نیچے تک چھٹے ہوئے تھے

جو کچھ موجود تھا عطا کیا

ایک شخص نے اپنی تنگدستی، ناداری اور فقر و فاقہ کا حال امام حسن علیہ السلام سے بیان کیا آپ نے اپنے عامل کو بلایا اور فرمایا کہ میرا مال جو کچھ بھی بچا ہوا ہو لاؤ وہ پچاس ہزار درہم لایا پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس میری پانچ اشرفیاں بھی بچی تھیں اس نے عرض کیا ہاں وہ بھی موجود ہیں حضرت نے وہ بھی منگا کر کل درہم اور اشرفیاں اس شخص کے حوالے کر دیں اور اس سے معذرت کرنے لگے۔ (دائرۃ المعارف بستانی جلد ۷ ص ۳۹)

علامہ غزالی نے اس روایت کو کسی قدر اضافہ سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس شخص سے فرمایا کہ مزدور لاؤ جو کہ یہ سب درہم و دینار اٹھا کر

لے جائے وہ شخص دو مزدور لایا آپ نے ان دونوں مزدوروں کی اجرت بھی اپنے پاس سے ادا فرمادی ردا اتار کر دوش سے دے دی۔ غلاموں نے عرض کیا فرزند رسول اب ہمارے پاس ایک درہم بھی نہیں بچا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لئے اس کا عظیم اجر ہوگا۔

(احیاء العلوم جلد ۳ ص ۱۷۱)

امام حسن علیہ السلام کی یہ جود و سخا محض قربۃً الی اللہ کے لئے تھی تاریخ میں ایسی مثالیں بہت سی ملتی ہیں کہ بعض امرائے اسلام نے پاس آنے جانے والوں کو، خوشامدیوں اور حاشیہ نشینوں کو مال و دولت بے دریغ دیا دھڑے کی ضیافتیں اور عظیم الشان مہمانداریاں کیں اور لوگوں کو ریاست و حکومت کے استحکام کے لئے سیم و زر سے مالا مال کر دیا یہ جود و سخا کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے تھا ایسی داد و دہش کو سخاوت نہیں کہہ سکتے

امام کی عالی ہمتی:۔

امیر شام معاویہ ایک بار مدینہ آئے انہیں اہل حجاز پر اپنی فیاضی کا سکہ بٹھانا مقصود تھا اور اس سے سیاسی مفاد حاصل کرنا تھا درہم و دینار کے توڑے اور مال و دولت کی تھیلیاں سامنے رکھ کر بیٹھ گئے مدینہ کے شرفاء میں سے جو کوئی بھی ان کے پاس آتا پانچ ہزار درہم سے ایک لاکھ درہم تک اسے دیتے۔ سب سے آخر امام حسن علیہ السلام ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے معاویہ کہنے لگے۔ اے ابو محمد تم اس لئے دیر سے تشریف لائے ہو کہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے اور آپ میرے بخل و امساک کو قریش میں شہرت دیں آپ مال

کے خرچ ہونے کا انتظار کرتے رہے پھر اپنے غلام سے کہا۔ اے غلام امام حسن کو اس قدر دو جتنا کہ آج تمام اہل مدینہ میں تقسیم کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ میں پسر ہند ہوں اس پر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا لا و اللہ مجھے اسکی احتیاج نہیں اور میں یہ تمام عطیات تجھے ہبہ کرتا ہوں و انا ابن فاطمہ بنت رسول اور میں رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ کا بیٹا ہوں معاویہ کی داد و دہش اس لئے تھی کہ وہ روئے زمین کے ایک بہت بڑے حصہ کا مالک تھا کروڑوں روپوں میں کھیل رہا تھا یہاں اللہ پر توکل تھا اور خود فاقہ میں رہ کر دوسروں کو مال و زر عطا فرماتے تھے امام حسن علیہ السلام ایک دفعہ شام تشریف لے گئے معاویہ نے انواع و اقسام کے بیش بہا تحائف نکال کر سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ یہ آپ کی نذر ہیں۔ جب آپ وہاں سے اٹھنے لگے تو ایک خادم نے کفش مبارک جھاڑ سنوار کر سامنے رکھدی آپ نے وہ تحائف کی فہرست اس کے حوالے کر دی کہ یہ جملہ اشیاء وصول کر لے یہ تیرا مال ہے۔

احسان کا بدلہ احسان:۔ اگر کوئی شخص امام حسن علیہ السلام سے نیک سلوک کرتا تھا تو حضور اس کا عوض ہزار گنا زیادہ سلوک سے دیتے تھے۔

ابو الحسن مدائنی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت عبداللہ ابن جعفر علیہما السلام اکٹھے حج کے لئے سفر کر رہے تھے۔ اتفاقاً دوران سفر میں ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور ہر سہ حضرات پر بھوک اور

پیاس کا غلبہ ہوا اثنائے راہ میں ایک خیمہ نظر آیا یہ حضرات اس کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو وہاں ایک بڑھیا کو دیکھا اس سے دریافت کیا۔ کیوں بہن؟ کوئی پینے کی چیز ہے۔ اس نے کہا ہاں یہ سنکر تینوں حضرات اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے مگر اس بڑھیا کے پاس مال دنیا سے ایک بکری کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اس نے عرض کیا آپ اس بکری کو دوہکر اس کا دودھ پی لیں ان حضرات نے ایسا ہی کیا جب پیاس کم ہوئی تو سخت بھوک محسوس ہوئی پھر اس بڑھیا سے پوچھا کہ کیا کھانے کے لئے بھی کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا بس یہی بکری ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کو قسم دیتی ہوں کہ آپ اس بکری کو ذبح کر ڈالیں میں لکڑی کا سامان کرتی ہوں آپ اسے بھون کر کھالیں۔ ان حضرات نے جیسا کہ اس نے کہا تھا اس پر عمل کیا کھا پی کر کچھ دیر آرام کیا جب وہاں سے روانہ ہوئے تو اس بڑھیا سے کہا۔

اے بہن: ہم قبیلہ قریش کے کچھ آدمی ہیں حج کے لئے جا رہے ہیں جب بخیر و عافیت واپس آئیں تو آپ لوگوں نے ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں آنا تاکہ ہم بھی آپ کی کچھ خدمت کر سکیں یہ فرما کر یہ حضرات اپنے سفر پر چل پڑے جب اس کا شوہر گھر واپس آیا تو اس نے صورت حالات کو بیان کیا۔ وہ بہت غضبناک ہوا اور کہا تو نے بکری ایسے لوگوں کے لئے کیوں ذبح کر دی جنہیں ہم لوگ جانتے پہچانتے تک نہیں اس پر بات ختم ہوئی۔

ایک مدت مدید کے بعد اس عورت اور اس کے شوہر کو قحط سے پالا پڑا دونوں سخت مصائب میں مبتلا ہو گئے آخر وطن کو چھوڑا اور مدینہ طیبہ

میں پہنچکر بھیک مانگنے لگے ایک روز وہ عورت اسی محلہ میں بھیک مانگ رہی رہی تھی جہاں امام حسن علیہ السلام کا مسکن تھا حضور اپنے دروازے پر تشریف فرما تھے امام حسن علیہ السلام نے جب اسے دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا پھر اسے پکار کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔

اے کنیز خدا! کیا تم مجھے پہچانتی ہو۔

اس نے کہا نہیں اس پر آنحضرت نے فرمایا۔

فلاں سال فلاں مہینے اور فلاں روز ہم لوگ آپ کے خیمہ میں مہمان ہوئے تھے۔

اس نے کہا۔

اجی صاحب میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے تو اب بھی آپ کو نہیں پہچانا۔

حضرت نے فرمایا۔

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتی ہو تو میں تمہیں پہچانتا ہوں"

پھر حضرت نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ایک ہزار اشرفیاں اسے دے دو"

جب یہ چیزیں اسے مل گئیں تو اس کو اسی غلام کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا حضرت نے بھی اسے پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں امام حسین علیہ السلام نے بھی اسے دیں پھر امام حسن علیہ السلام نے اسی غلام کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن

جعفر طیار کے پاس بھیجا انہوں نے بھی اس کو دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں عطا فرمائیں اس طرح وہ مال و دولت کا انبار لے کر مدینہ منورہ سے اپنے گھر لوٹیں۔ گھر سے مفلس و فقیر ہو کر روانہ ہوئی تھیں اور متمول اور مالدار ہو کر واپس آئیں اور نہایت خوشحال زندگی بسر کرنے لگیں۔

دائرۃ المعارف بستانی جلد ۷ صـ ۲۹

نورالابصار (صـ ۱۲۱) (احیاء العلوم غزالی جلد ۳ صـ ۱۷۳)

زمین خرید کر پھر مالک کو عطا کرنا:۔ آپ نے ایک زمین انصار سے چار لاکھ درہم میں خرید کی۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کے ضرورت مند ہیں تو آپ نے وہ زمین انہیں پھر عنایت کر دی۔ (اسعاف الراغبین صـ ۱۷۶)

مہمان نوازی:۔ امام حسن علیہ السلام کی مہمان نوازی شہرہ آفاق تھی آپ کے در فیض سے کوئی شخص کبھی بھوکا نہیں لوٹا آپ کے ہاں مساکین و فقراء، اور اہل دیہات کے اکثر جمع رہتے تھے جب کوئی شخص امام حسن علیہ السلام کے درِ دولت سے فیضیاب ہو کر نکلتا پھر اسے دست سوال دراز کرنے کی حاجت نہ رہتی۔

ایک دن ایک مسافر وارد مضافاتِ کوفہ ہوا۔ وہ کوفہ کے کسی شخص سے واقف نہیں تھا حتیٰ کہ تاجدار ہل اتیٰ علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا کی زیارت سے بھی فائز نہیں ہوا تھا اس لئے جناب امیرؑ کو نہیں پہچانتا تھا اس کا گزر کوفہ سے باہر ایک باغ میں ہوا اس نے دیکھا کہ ایک مرد پیر کلبہ رانی میں مصروف

ہے اس پر اس نے انہیں مخاطب کیا اور کہا۔

"اے کسان! مجھے بھوک ہے اگر کچھ ہو تو کھانے کے لئے دو"۔

آپ نے فرمایا درخت کے نیچے روٹی پڑی ہے اسے کھالو۔ اس نے زیر درخت بیٹھکر ہر چند اس روٹی کو توڑنے کی کوشش کی توڑ نہ سکا پھر اس نے کہا۔

اے کسان! روٹی اس قدر خشک اور سخت ہے کہ اسے کھانا تو درکنار میں اسے توڑ بھی نہیں سکا۔"

آپ نے فرمایا وہ سامنے شہر کوفہ ہے اس میں جاؤ وہاں حسن ابن علی کا دستر خوان بہت وسیع ہے وہاں پہنچکر کھانا کھاؤ اس پر وہ کوفہ میں آیا اور امام حسن علیہ السلام کے در دولت پر پہنچا جب وہ امام حسن علیہ السلام کے دستر خوان پر بیٹھا تو انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے اس نے کھانا شروع کیا۔ امام حسن علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسافر ایک روٹی کھاتا ہے اور دوسری کپڑے کے نیچے چھپا لیتا ہے آپ نے فرمایا اے شخص تو اس طرح کیوں کر رہا ہے اگر تجھے اپنے عیال کے لئے کھانا لے جانے کی ضرورت ہے تو تیرے جاتے وقت جس قدر تو چاہے گا کھانا مہیا کر دیا جائے گا۔

اس پر اس شخص نے عرض کیا:۔

"حضور میں تو مسافر ہوں لیکن میں نے ایک باغ میں ایک درویش کسان کو دیکھا ہے جس کے پاس کھانے کے لئے جو کی سوکھی ہوئی روٹی ہے میں

نے اسے ہر چند توڑنے کی کوشش کی وہ مجھ سے
ٹوٹ نہیں سکی یہ کھانا میں اسی کے لئے ذخیرہ کر رہا
ہوں۔"

یہ سنکر امام حسن علیہ السلام کے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔
"اے مسافر تو انہیں درویش نہ کہہ وہ میرے والد
بزرگوار امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ انہوں
نے خود یہ صورت اختیار کی ہے حالانکہ ان کی شان
میں آیہ مبارکہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ
الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ نازل ہوئی ہے (فوائد المشاہد)

نئے انداز سے حاجت روائی:۔ ایک روز امام حسن علیہ السلام تشریف فرما تھے ایک سائل نے
آکر سوال کیا اس وقت آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تھا آپ کو حیا و شرم
مانع ہوئی کہ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ جائے آپ نے
انتہائی ہمدردی سے فرمایا۔

"اے شخص! میں تجھے ایک تدبیر بتلاتا ہوں اس
سے امید ہے کہ تجھے کافی نفع ہوگا تو بادشاہ (معاویہ)
کے پاس جا اس کی چہیتی بیٹی مر گئی ہے جس کے غم میں
امور سلطنت چھوڑ بیٹھا ہے تو جا کر ان الفاظ سے

جو میں تجھے بتاتا ہوں تعزیت کر چونکہ پہلے کسی
نے اس طرح تعزیت نہیں کی وہ ضرور تجھے
جائزہ بخشے گا۔"

اس نے عرض کیا وہ کیا عبارت ہے ارشاد فرمایا اس طرح کہنا۔

الحمد للہ الذی سترھا بجلوسک علی قبرھا
ولا ھتکھا بجلوسھا علی قبرک

خدا کا شکر ہے اس نے پردہ پوشی فرمائی اس سے کہ
تو اس کی قبر پر بیٹھتا اور اس کی پردہ دری نہ کی اس
سے کہ وہ تیری قبر پر بیٹھتی۔"

وہ شخص بادشاہ (معاویہ) کے پاس گیا اور انہی الفاظ سے تعزیت کی تو ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ اس کا غم والم دور ہو گیا اور اس نے اس شخص کے لئے معقول انعام واکرام کا حکم دیا۔ پھر کہا تجھ کو خدا کی قسم دیتا ہوں سچ سچ کہنا کہ کیا یہ کلام تیرا ہے؟ کہا نہیں امام حسن علیہ السلام نے تعلیم کیا ہے کہا سچ کہتا ہے اس فصاحت کا وہی گھرانہ معدن ہے یہ کہکر مزید جائزے کا حکم دیا (کذافی کنز المدفون) نور الابصار شبلنجی)

سوال کا رد نہ کرنا:- امام حسن علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ آپ سائل کو کبھی خالی جانے نہیں دیتے خواہ آپ فاقہ سے ہی کیوں نہ ہوں؟

فرمایا میں خود درگاہ کبریا کا فقیر ہوں اس لئے مجھے شرم آتی ہے کہ میں

خود گدا ہو کر کیوں کسی حاجت مند کو اپنے ہاں سے محروم کروں۔ نیز حق تعالٰی کی عادت ہے کہ ہمیشہ مجھ پر فیضان فرماتا رہتا ہے اور میں بھی اس کا عادی ہو گیا ہوں کہ حق تعالٰی کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے بندوں پر تقسیم کرتا رہوں اور ڈرتا ہوں کہ اگر اس کے بندوں کے ساتھ میں ترک عادت اختیار کروں تو وہ اپنی عادت میرے ساتھ ترک کر دے اس لئے جب کوئی سائل یا حاجت مند میرے پاس آتا ہے تو میں اسے مرحبا کہکر اپنے پاس بلاتا ہوں اور اسے اپنے دستر خوان پر جگہ دیتا ہوں۔

امام حسن علیہ السلام کا دستر خوان بہت وسیع تھا ہر وقت فقراء و مساکین ، مسافر و یتیم اس دستر خوان پر سب ہی اعلیٰ قسم کے کھانے کھایا کرتے تھے مگر امام حسن علیہ السلام خود جو کی روٹی نمک سے تناول فرمایا کرتے تھے۔

(نور الابصار شبلنجی مصری ص ۱۱۱)

مروان اور خچر:- مروان نے ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام کے خچر کے متعلق اظہار پسندیدگی کیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم میں سے کون اسے میرے پاس لا سکتا ہے۔

ابن ابی عتیق نے کہا کہ میں لا سکتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم میرا فلاں فلاں کام کرو۔ مروان نے وعدہ کر لیا ابن ابی عتیق نے کہا کہ شام کے وقت جب لوگ اکٹھے ہوں میں قریش کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کروں گا۔ مگر حسن علیہ السلام کا کوئی ذکر نہیں کروں گا۔ تم نے اس پر مجھے ملامت کرنا۔ چنانچہ جب لوگوں کا اجتماع ہو گیا تو ابن ابی عتیق نے لوگوں

کے فضائل بیان کرنے شروع کئے اور امام حسن علیہ السلام کا ذکر تک نہ کیا مروان نے کہا. تم نے ابو محمد امام حسن کے مکارم و فضائل کا تذکرہ نہیں کیا حالانکہ انہیں وہ بزرگیاں حاصل ہیں کہ ہم میں سے کسی کو نہیں ابن ابی عتیق نے اس پر کہا کہ ہم شرفا کا ذکر کر رہے تھے انبیا اور اولیا کا نہیں اگر ہم انبیاء و اولیا کا ذکر کرتے تو امام حسن علیہ السلام کا بھی ذکر کرتے. جب امام حسن علیہ السلام گھر کی طرف روانہ ہوئے تو ابن ابی عتیق بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا امام حسن علیہ السلام کی نظر جب اس پر پڑی تو آپ مسکرائے اور سمجھ گئے کہ اس کا منشا کیا ہے آپ نے اس سے پوچھا کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے. اس نے کہا ہاں مجھے آپ کے خچر کی آرزو تھی یہ سنکر آپ خچر سے اتر پڑے اور خچر اس کے حوالے کر دیا.

(کامل المبرد جلد ۲ صہ ۱۳)

کامل مبرد کا مصنف نے اس پر ایک جملہ لکھا ہے کہ الکریم اذا خادع انخدع کہ کریم کو جب دھوکا دینا چاہو تو وہ دھوکے میں آجاتا ہے اس پر مولانا سید مظہر حسن موسوی سہارنپوری نے لکھا ہے، کہ ابن ابی عتیق کا یہ خیال کہ دھوکا دیکر میں نے یہ خچر حاصل کیا اور راوی کا یہ گمان کہ آپ نے بمقتضائے مثل مذکور دھوکا کھا کر ابن ابی عتیق کو خچر عنایت کیا دونوں باطل ہیں۔

اور آیہ شریفہ ان بعض الظن اثم کی مصداق ہیں. بات صرف اتنی ہے کہ ایک شخص نے آپ کے آگے اس کی خواہش ظاہر کی آپ نے بموجب اپنی سخاوت جبلی اور فیاضی کے خچر سے اتر کر باگ اس کے ہاتھ میں دے دی.

بھرے گھروں کو آئے دن لٹانے والے لاکھوں خیرات کرنے والے کے نزدیک ایک خچر چیز ہی کیا تھی یہ قریشی کی غلطی ہے جو یہ سمجھا کہ میں نے حضرت کو نیبول والا فقرہ کہکر دھوکا دیا اور خچر حاصل کیا۔ استغفر اللہ قال الشاعر المتنبی ؎

ویعظم فی عین الصغیر صغارہا

وتصغر فی عین العظیم العظائم

چھوٹے آدمیوں کی نظروں میں چھوٹی باتیں بڑی معلوم ہوتی ہیں اور بڑوں آدمیوں کی نگاہ میں ان کے عظیم کارنامے حقیر سمجھے جاتے ہیں۔

چارسو درہم کی بجائے چارسو دینار:۔ ایک شخص نے حسنؓ ابن علیؑ سے ایک دستہ یعنی خونبہا کا جو اس پر واجب تھا سوال کیا۔ آپ نے اس کو ہبہ کیا ایک اور مرد نے سوال کیا کہ آپ نے چارسو درہم کا اس کے لئے حکم دیا بجائے درہم کے چار سو دینار رقم ہو گئے اس سے کہا گیا مگر اس نے پرواہ نہ کی اور چارسو درہم کی بجائے چارسو دینار لے لئے اور کہا ہذا من سخائہٖ کہ یہ ان کی سخاوت ہے کہ چارسو درہم کہیں اور چارسو دینار لکھ دیں حضرت نے سنا تو چار ہزار کا اور اس کی نسبت حکم دیا۔ (الشہید المسموم)

غلام کی قیمت کا عطیہ:۔ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ کی نافرمانی کی کہا تو نے برا کام کیا۔ کیا نافرمانی کی؟ کہا حضرت کا ارشاد ہے لا یفلح قوم

ملکت علیھم امراۃ وہ قوم فلاح نہ پائے گی جو عورت کو اپنے اوپر فرمان روا بنلائے میں نے اپنی عورت کو اپنا صاحب امر و حکم بنالیا۔ اس نے مجھے ایک غلام کے خریدنے پر مامور کیا چنانچہ میں نے اس کی خاطر خرید لیا مگر وہ میرے پاس سے فرار ہوگیا۔ اب اس کا تقاضا ہے کہ اور غلام اس کے لئے خرید کردوں۔

فرمایا ہماری تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرچاہے تو میں غلام کی قیمت تجھے دیتا ہوں وہ لے لے اس قدر سنکر اس شخص کو تاب نہ رہی انتہا صبر نہ رہا کہ حضرت دو باتیں اور کہہ لیں تو بولوں بے اختیار بول اٹھا بس یہیں ٹھہریئے میں نے پہلی ہی صورت مان لی حضرت نے غلام کی قیمت اسے عطا کی اور وہ لیکر چلتا ہوا۔ (الشہید المسموم)

امام حسن علیہ السلام کے متعلق

خود فاقہ کر کے دوسروں کو کھلانا:۔ منقول ہے کہ جب تک آپ کو اس امر پر اطمینان نہیں ہو جاتا تھا کہ آپ کے ہم سائے میں کوئی مسکین بھوکا نہیں آپ کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ نے کھانا شروع کیا اور کوئی سائل آگیا تو آپ کھانا اسے دیتے تھے اور خود فاقے سے رہتے تھے۔

ہدیہ کا اجر:۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام حسنؑ کی ایک کنیز نے آپ کی خدمت میں پھولوں کا ایک گلدستہ تحفہ کے طور پر پیش کیا آپ نے اس کنیز کے اس تحفہ کو بڑی ہمدردی اور بڑے شوق سے قبول فرمایا اور کہا جا اے کنیز میں نے آج سے تجھے آزاد

کر دیا۔

انس کہتے ہیں کہ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے عرض کیا اے نواسۂ رسول ؐ اے فاتح بدر و حنین کے فرزند! اے آدم کی دلیل شرافت اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے ایک کنیز کو اس طرح سے راہ خدا میں آزاد کر دیا آپ نے فرمایا حق تعالےٰ نے ہم کو یہی تعلیم کیا چنانچہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا الخ

جب تم کو کوئی تحفہ دے یا درود و سلام پہنچائے تو اس سے بہتر تحفہ اسے دو اور جو تحفہ اس نے پیش کیا یعنی گلدستہ تو اس سے بہتر اس کے لئے آزادی سے بہتر کوئی تحفہ نہ تھا

آپ کا ارشاد ہے:۔

ان السخا علی العباد فریضۃ للہ یقراء فی کتاب محکم وعد العباد الاسخاء جنانہ۔ واعد للبخلاء نار جہنم من کان لا تبدی یداہ نائل للراغبین فلیس ذٰلک مسلم

بے شک سخاوت کرنا فرائض بندگان سے ہے جو ان کی طرف سے کتاب محکم میں پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے باغ بہشت کا وعدہ کیا ہے اور بخیلوں کے واسطے آتش جہنم مہیا کی ہے

جس کے ہاتھ خواستگاران جود وسخا پر بخشش نہیں
کرتے وہ مسلمان نہیں ہے۔
یہ بھی حضرت کا ارشاد ہے۔

خلقت الخلائق من قدرة. فمنهم سخی ومنهم بخیل
فاما السخی ففی راحة فاما البخیل فحزن طویل

تمام خلقت قدرت خالق بیچوں سے مخلوق ہوئی ہے
بعض ان میں سے سخی ہیں بعض بخیل ہیں۔ لیکن جو سخی
ہیں وہ راحت و آرام میں ہیں اور بخیلوں کے لئے
طولانی غم و حزن مہیا ہے۔

مظلوم کی دادرسی:- بحار الانوار میں ہے کہ ایک شخص نے خدمت امام حسن علیہ السلام میں عرض کی کہ میں تم کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم دیتا ہوں جس نے محض از روئے انعام کسی شفیع و سفارشی کے کہنے سے نہیں، آپ کو یہ نعمت عطا کی اور ایسا جاہ و جلال و عزت و اقبال بخشا کہ آپ میرے دشمن سے میرا انصاف کریں کہ وہ ایسا ظالم ہے کہ نہ شیخ کبیر کا ادب کرتا ہے اور طفل صغیر پر رحم کھاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت تکیہ لگائے تھے درست ہو بیٹھے اور فرمایا

من خصمك حتى انتصف لك منه.

اے شخص وہ تیرا ایسا دشمن کون ہے جس سے میں
تیرا انصاف کروں عرض کی وہ فقر و فاقہ ہے۔

یہ سنکر آپ تھوڑی دیر سر جھکائے سوچتے رہے پھر سر اٹھاکر خادم کو آواز دی حاضر ہوا تو اسے فرمایا جو روپیہ پیسہ تیرے پاس موجود ہے۔ سب لے آ اس نے پانچ ہزار درہم حاضر کیئے فرمایا اس شخص کو دے دو پھر فرمایا تجھے وہی وسیع و عریض قسم ہے جو تو نے دی میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب وہ تیرا ظالم دشمن تجھے آکر ستائے تو تو ہمارے ہاں اس کی داد خواہی کو چلے آئیو ہم پھر تیرا انصاف کر دیں گے۔

اس جود کے بعد سوال کی ضرورت نہ رہی

ایک اعرابی نے سوال کیا۔ فرمایا جو کچھ خزانے میں ہے اسے دے دو بیس ہزار دینار موجود تھے سب اعرابی کو بخش دیئے اعرابی نے عرض کی میرے مولا! اب ضرورت نہیں رہی کہ میں کسی کی مدح و ثنا کروں اور مبالغہ کر کے کسی کے آگے دست سوال دراز کروں اس پر آپ نے یہ فصیح و بلیغ اشعار پڑھے۔

نحن اناس نوالنا خضل — یرتع فیھا الرجاء والامل
تجود قبل السوال انفسنا — خوفاً علی ماء وجہ من یسل
لو علم البحر فضل نائلنا — لغاص من بعد فیضہ خجل

ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری عطا و بخشش ایک مرغزار ہے جہاں امید و رجا چر کر اپنی شکم پُری کرتے ہیں ہماری طبیعتیں سوال کرنے سے پہلے جود و بخشش کا اظہار کرتی ہیں تاکہ سائل کو اپنی آبرو ریزی کی ضرورت

نہ پڑے۔

اگر بحر عظیم کو ہمارے جود و سخا کی زیادتی کا حال
معلوم ہو تو وہ باوجود اپنے فیض عام کے خجالت
و شرم سے خشک ہو جائے۔

حج

لا یزال الدین قائماً مادامت الکعبہ

(امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام)

جب تک کعبہ قائم ہے یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔

شارع مقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متبعین میں سے ہر مستطیع پر عبادت حج کو واجب قرار دیا ہے اور حج سے مراد اقوال و افعال مخصوصہ کے ساتھ زیارت کعبہ سے مشرف ہونا اور اس کے قرب و جوار میں جو مقامات مقدسہ ہیں ان کی زیارت کرنا ہے اس حکم کے وجوب میں بہت سے اسرار و حکم مضمر ہیں ان اماکن شریفہ میں لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اجتماع معرفت و تعارف، الفت و محبت و داد و مؤدت کا سبب ہے اور مسلمانوں میں باہمی محبت و مؤدت اس قدر مفید و منفعت بخش ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اعمال حج مسلمانوں کی یک جہتی، ہم آہنگی و باہمی ارتباط کا مؤثر ترین

مظاہرہ ہے۔ تمام عالم کے مسلمان نژادی ونسلی۔ زبانی ولسانی، جماعتی وطبقاتی، سیاسی وتمدنی تمام اختلافات کو پس پشت ڈالکر متحد اللباس، متحد الشکل اور انتہا درجہ کی سادگی کے ساتھ اس مقدس روحانی مجمع میں شریک ہوتے ہیں۔

اعمال حج کی ترتیب نہایت عجیب وغریب ہے جو انسانی عقول وافکار سے موافقت رکھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربانی رعایا کے افراد درگاہ سلطان السلاطین میں اپنی حاجتیں پیش کر رہے ہیں اور جن لوگوں نے ان پر ظلم وتعدی کی ان کے خلاف احکم الحاکمین کی بارگاہ عدالت میں مرافعہ کر رہے ہیں اور ان عبادات بجالانے سے حجاج کے قلوب میں ایک اطمینانی کیفیت اور اس اطمینان کا باعث ان اعمال کا بجالانا ہے جن پر رحمت وغفران کا الٰہی وعدہ موجود ہے۔

مسلمانان عالم اس عبادت حج میں اپنا گھر بار چھوڑ کر مسافرت اختیار کرتے ہیں سفر کی صعوبتیں اٹھاتے ہیں اللہ کی راہ میں مال ودولت صرف کرتے ہیں عبادات بجالاتے ہیں اور اس غفور ورحیم، رؤف وغفّار سے طلب مغفرت کرتے ہیں ایسے اعمال وافعال بجالاتے ہیں جن میں رسولان سلف، بندگان صالح ائمہ واولیا کا بے نظیر تذکرہ بھی شامل ہے۔

پاپیادہ حج:- امام حسن علیہ السلام نے بنفس نفیس حج پاپیادہ کئے ایک حج میں سواری بھی ساتھ تھی مگر پیادہ چلتے چلتے پاؤں بھی ورم کر گئے کسی نے سواری کے ساتھ ہوتے ہوئے پیادہ چلنے کا سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا سواری اس لئے ہے تاکہ کسی تھکے ماندہ انسان کو اس پر سوار کرسکوں۔

حضرت نے پچیس حج پا پیادہ

پا پیادہ حج کی ایک اور روایت :-

کیئے اس طرح کہ آپ کی سواری کی اونٹنیاں ساتھ جاتی تھیں مگر آپ ان پر سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کی ملاقات کو جاؤں اور اس کے گھر تک پا پیادہ نہ جاؤں (اسد الغابہ جلد ۳ ص۱۷)

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان پا پیادہ حجوں میں بسا اوقات آپ پا برہنہ چلتے تھے۔

بعض سفروں میں قافلہ حجاج کے ہمراہ سفر کرنے کا اتفاق ہوا جب آپ پیادہ روانہ ہوئے آپ کے علو مرتبت اور رفعت شان اور عظمت و احترام کی وجہ سے جس شخص کے پاس سے گزرتے وہ سواری سے اتر کر پیادہ ہو جاتا۔ یہاں تک جو سعد وقاص جو پیر مرد امیر قافلہ تھا اور پیادہ روی اس پر سخت گراں تھی پیدل چلنے پر مجبور ہوا تو حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ اس قافلہ حجاج میں ضعفا اور کمزور اشخاص کثرت سے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ آپ پا پیادہ چلیں اور وہ سوار ہوں اس لئے معروض ہوں کہ حضور سوار ہو جائیں۔ فرمایا ہم نے نذر کی ہے۔ کہ پا پیادہ حج کریں اس لئے سوار نہیں ہو سکتے یہ کہکر قافلہ سے جدا ہو کر دوسری راہ اختیار کی مگر سوار نہیں ہوئے۔

ایک بار حج سے فراغت پا کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے کہ پا ہائے مبارک ورم کر گئے ممکن ہے اس سفر میں علاوہ پا پیادہ ہونے کے پا برہنہ بھی ہوں۔ غلام سے کہا منزل پر پہنچو ایک تیل بیچنے والا قافلہ میں آئے گا اس سے وہ

روغن خرید لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا اس سے پاؤں پر مالش کی تب کہیں چلنے کی توانائی آئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ جانے میں ہی پیادہ روی کا انتظام نہ تھا بلکہ واپسی میں بھی سوار نہیں ہوتے تھے اور ہر چند متواتر سفر سے پا ہائے مبارک ورم کر جاتے تب بھی سوار نہیں ہوتے تھے اور بجائے سواری علاج معالجہ کرتے تھے اور جب ورم میں افاقہ ہوتا تو پھر پاؤں سے چلنا شروع کر دیتے

امیر شام معاویہ کا تاسف:۔ حلیۃ الاولیا میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے اور انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے انتقال پر ملال کے بعد ایک دن معاویہ نے کہا کہ مجھے کسی امر پر اس قدر افسوس نہیں ہوا جتنا اس پر ہوا کہ کبھی مجھے پیادہ پا حج کرنے کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ امام حسن علیہ السلام نے پچیس حج پیدل کئے۔ حالانکہ خوش رفتار اونٹ آپ کے ہمراہ چلتے تھے مگر آپ سوار نہ ہوتے تھے اور پیادہ پا جاتے تھے۔

حضرت معاویہ پیادہ پا کیونکر حج کر سکتے تھے ان کے متعلق ارشاد سرکار رسالت تھا۔ اللھم لاتشبع جوفہ معبود اس کو سیر نہ کرنا بھوک اس قدر بڑھ گئی تھی کہ برابر کھائے جاتے تھے ان کا شکم اتنا بڑھ گیا تھا کہ کھڑے نہ ہو سکتے تھے بیٹھے بیٹھے خطبہ کہتے کھڑے ہوتے تو بے اختیار ریح صادر ہوتی جس پر ایک مرتبہ صعصعہ بن صوحان نے انہیں تنبیہہ بھی کی تھی ایسا شخص پیادہ پا کس طرح حج کر سکتا تھا۔

جہاد

اصول اسلامیہ کی صیانت اور مملکت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جدال و قتال کو جہاد کہتے ہیں۔ چونکہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت مسلمہ فریقین ہے اس لئے آپ کے زمانہ سلطنت میں جو صیانت مملکت اسلامیہ واصول وآئین وقوانین اسلامیہ کے لئے لڑائیاں ہوئیں مثلاً جنگ جمل، صفین و نہروان ان میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے شرکت فرماکر فریضہ جہاد کو انجام دیا۔

شجاعت۔

حکمانے فضائل نفسانی کو چار اخلاقی ارکان میں منحصر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ نفس انسانی کے درجات کمال چار فضیلتوں میں ہیں۔

اول حکمت دوم شجاعت سوم عفت چہارم عدالت

شجاعت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ شجاعت یہی ہے کہ نفس ناطقہ انسانی ایسی قوت اور ملکہ رکھتا ہو کہ پُرخطر اور ہولناک امور میں مضطرب نہ ہو اور جو روش اختیار کرے پسندیدہ ہو جبن اور تہور کے نقطہ اعتدال کو شجاعت کہتے ہیں اور گیارہ صفات آثار شجاعت ہیں۔

(۱) کبر نفس (۲) نجدت (۳) علو ہمت (۴) ثبات (۵) حلم، (۶) سکون (۷)، شہادت (۸) تحمل (۹) تواضع (۱۰) حمیت (۱۱) غیرت یہ کلمہ ایسے الفاظ میں سے ہے جس کے مفہوم حقیقی کو سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام نے لوگوں کے ذہن نشین کیا ہے۔

جرأت:- بحارالانوار میں مروی ہے کہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیہ السلام نے ایک نیزہ اپنے فرزند ارجمند محمد بن حنفیہ کو دیا اور فرمایا کہ لشکر مخالف میں جاکر اسے اس اونٹ پر لگاؤ جس میں ام المومنین بی بی عائشہ سوار ہیں محمد وہاں پہنچے بنی ضبہ جو اونٹ کے گرد تھے مانع اور سد راہ ہوئے محمد حنفیہ نے ہر چند کوشش کی وہاں تک نہ پہنچ سکے ناچار ناکام واپس آئے امام حسن علیہ السلام نے جب یہ صورت دیکھی تو نیزہ محمد کے ہاتھ سے لے لیا اور صف اعدا کو چیرتے ہوئے نہایت جرأت ودلیری سے حضرت عائشہ کے اونٹ کے پاس جا پہنچے اور حسب خواہش جناب امیرؑ نیزہ اونٹ پر لگا کر اور خون میں ڈبو کر واپس آئے اس سے حضرت محمد حنفیہ کو رنج و ملال ہوا جناب امیرؑ نے محمد حنفیہ کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا اے فرزند دلگیر و غمگین نہ ہو تو علی کا بیٹا ہے اور حسن رسول کے بیٹے ہیں ان میں اور تم میں بڑا فرق ہے۔

المختصر جناب امام حسن علیہ السلام نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں داد شجاعت دی۔ چنانچہ جنگ صفین میں جب امیرالمومنین نے اپنے اصحاب کو اکٹھا کیا اور عام حملہ کی تیاری کی تو معاویہ نے بھی ایسا ہی کیا ہر فریق اپنی قوت سمیٹ کر دوسرے پر حملہ آور ہوا امام حسن علیہ السلام شام کی فوجوں پر ٹوٹ پڑے امیرالمومنین علیہ السلام کی نظر پڑی آپ گھبرا گئے اور ساتھیوں سے کہا۔

اس نوجوان کو روکو لڑائی میں جان دے کر کہیں مجھے

بے دست و پا ہی نہ کر دے ہیں ان دونوں حسنؑ
وحسینؑ کو انتہائی عزیز رکھتا ہوں تاکہ ان کے مرنے
سے رسول اللہ کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔

(شرح نہج البلاغہ محمد عبدہ جلد ۲ ص ۲۰۲ مطبوعہ مصر)

حلم و عفو

حلم اور بردباری انسان کی نفسانی فضیلتوں میں سے ہے کہ حلم سے مراد استعمال امور پسندیدہ میں اپنے اعضائے بدن پر بار گراں کا اٹھانا۔ غصہ کو پی جانا اور اس حد تک معاف کرنا کہ غصہ انسان کو حرکت میں نہ لا سکے اگرچہ انسان بدلہ لینے پر قادر بھی ہو تو بھی بدلہ نہ لینا حضرت علی مرتضیٰؑ

ارواحنا لہ الفدا نے فرمایا۔

جمال المرء فی الحلم	انسان کی خوبی حلم میں ہے۔
بردباری خزینہ خرد است	ہر کرا حلم نیست دیو دد واست
دیو بند است حلم گردانی	غضب از دست اوست ار تو ندانی

حلم و بردباری عقل کا خزانہ ہے جس کسی میں حلم نہیں وہ دیو اور درندہ ہے۔ گر تو جانے ہے تو حلم شیطان کو قید کرتا ہے اسی کے ہاتھ سے غصہ قید ہوتا ہے۔

حلم انسان کی اچھی خصلتوں میں سے ہے قادر متعال نے حضرت ابراہیم خلیل کی اسی صفت سے مدح فرمائی ہے۔

اِنَّ اِبْرَاہِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْب۔

ابراہیم حلیم خدا کی طرف رجوع اور انابت کرنے والے تھے ۔

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر　　بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے اور سینکڑوں لشکروں سے زیادہ فتحیابی کا موجب ہے

عرف عام میں حلم یہ ہے کہ جو شخص کسی کے خلاف بدلہ اور انتقام کی طاقت رکھتا ہو اور پھر بھی نہ بحیثیت الفاظ اور نہ بحیثیت اعمال بدلہ لے

سعدی نے تو قوت انتقام کے نہ ہونے پر بھی اللہ کا شکر کیا ہے ۔

چگونہ شکر ایں نعمت گزارم　　کہ زور مردم آزاری ندارم

میں اس نعمت کا شکریہ کس طرح کروں کہ میں لوگوں کو ستانے کی طاقت نہیں رکھتا ۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک عارف شاعر کہتا ہے ۔

چگونہ شکر ایں نعمت گزارم　　کہ دارم زور و آزارے ندارم

میں اس نعمت کا شکریہ کس طرح ادا کروں کہ میں زور اور قوت رکھتا ہوں لیکن پھر بھی لوگوں کو نہیں ستاتا

اگر انسانی زندگی کے حوادث و انقلابات میں حلم ہو تو انسان بہت سی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے عفو اور در گذر انتقام سے بہتر ہے ۔

حضرت امیر المومنین اور حضرت امام حسن علیہما السلام میں حلم و عفو حد کمال پر پہنچا ہوا تھا مگر یہ حضرات ان حالات میں بھی اجرائے حق کے

بارے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے تھے اور کسی چیز کو بھی حکم الہی کے اجرا میں روکاوٹ نہیں سمجھتے تھے. حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسن علیہ السلام کے حلم اور امیر شام معاویہ کے حلم میں یہ فرق تھا کہ معاویہ حلم اور سیاست میں حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے تھے اور حلم کو حکومت کی بقا کے لئے اختیار کرتے تھے لیکن جناب امیر اور جناب حسن علیہما السلام جہاں تک حق کا معاملہ تھا حدود شریعت سے تجاوز نہیں فرماتے تھے اور خدا کے رستے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور امیر شام ہر مقام اور ہر موقعہ پر بردباری اختیار کرتے تھے اگر چہ اس میں امور مقدسہ کی توہین ہی کیوں نہ ہو۔ معاویہ حلم و بردباری کے باوجود دوستان و شیعیان علی و ہوا خواہان اہل بیت کے ساتھ نہایت سختی اور خشونت کا برتاؤ کرتے تھے حالانکہ حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام نے شخصی مفاد و منفعت کے لئے کبھی خشونت و غضب کا اظہار نہیں کیا۔

معاویہ حلم کو اپنے سیاسی مقاصد کی دستاویز بناتے تھے حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام کو امور دینی کے اجرا میں استعمال فرماتے تھے جنگہائے جمل و صفین و نہروان میں بہت لوگ ایسے تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے سامنے شماتت کا رویہ اختیار کرتے اور انہیں گالیاں تک دیتے تھے مگر یہ کوہ وقار و دریائے حلم و بردباری اس وجہ سے ترشروئی اختیار نہیں کرتے تھے کسی سے کینہ دل میں نہیں رکھتے تھے مگر جہاں صرف دین کی مخالفت مشاہدہ فرماتے تھے تو تلوار نکال لیتے تھے. حضرت علی نے مکتب نبوت

میں تربیت پائی تھی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام میں بھی حلم کی صفت حد کمال پر پہنچ چکی تھی معاویہ کے حکم سے جناب امیرالمومنین پر مساجد میں، منابر پر، مجالس و محافل میں سب و شتم ہو رہا تھا مگر وہ دینی مصالح کی وجہ سے اسے نہایت حلم و بردباری سے برداشت کر رہے تھے۔

حلم سے دشمن دوست ہو گیا۔

ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لئے جا رہے تھے ایک شامی نے آنحضرت کو گالیاں بکنا شروع کیں، مگر حضور نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا جب جی بھر کر گالیاں دے چکا تو آنحضرت اس کی طرف ملتفت ہوئے پہلے اس کو سلام کیا اور پھر مسکرا کر فرمایا۔

اے شیخ میرا گمان ہے کہ تم پردیسی ہو شاید تم کسی شبہ میں مبتلا ہو گئے ہو جو تم نے مجھے اس قدر گالیاں دیں۔ اگر تم مجھ سے کوئی فرمائش کرو تو میں اسے پورا کرنے کے لئے حاضر ہوں۔ اگر مجھ سے کچھ مانگو تو میں دینے کو موجود ہوں۔ اگر کوئی بات دریافت کرو تو میں بتلا دوں اگر سواری کی ضرورت ہے تو میں گھوڑا یا اونٹ حاضر کر دوں اگر بھوکے ہو تو آؤ میں تمہیں کھانا کھلا دوں۔ اگر کپڑوں کی ضرورت ہو تو جس قدر چاہو مہیا کر دوں۔ اگر محتاج ہو تو اس قدر مال دے دوں کہ تم فارغ البال ہو جاؤ۔ اگر تم بے گھر ہو تو تمہیں اپنے گھر میں جگہ دے دوں۔ اگر ان سب باتوں کے علاوہ تمہاری کوئی حاجت ہو تو اسے پورا کر دوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سواری میرے گھر کی طرف بڑھاؤ

اور میری دعوت قبول کرو۔ جب تک دل چاہئے میرے ہاں رہو، مجھے تمہاری خدمت کا موقع ملے اور میں تمہیں ہر قسم کی راحت اور ہر قسم کا آرام پہنچا سکوں۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرا مکان وسیع ہے لوگوں میں میری عزت و آبرو بھی ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔

جب اس شامی نے حضرت امام حسن علیہ السلام کا یہ کلام سنا اور اس رفعتِ اخلاق کو دیکھا تو ندامت سے شرمسار ہو کر رونے لگا اور پھر یوں گویا ہوا۔

اشھد انک خلیفۃ اللہ فی ارضہ اللہ
اعلم حیث یجعل رسالتہ کنت انت و
ابوک ابغض خلق اللہ الی والآن انت
احب خلق اللہ الی وحول رحلہ الیہ
وکان ضیفہ الی ان ارتحل وصار معتقداً
لمحبتھم۔

(کامل مبرد جلد ۲ ص ۸۶، مناقب جلد ۴ ص ۵۳)

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کی زمین پر اس کے خلیفہ آپ ہی ہیں۔ اللہ نے جس خاندان کو شرف رسالت بخشا اس کی عظمت و جلالت کو وہی بہتر جانتا ہے اس سے قبل میں دنیا میں کسی شخص کو بھی آپ سے اور آپ کے والد سے زیادہ دشمن نہیں

رکھتا تھا۔ اب سب سے زیادہ آپ ہی مجھے
محبوب ہوگئے ہیں پھر اس نے اپنی سواری حضرت
امام حسن کے گھر کی طرف پھیری اور جب تک اس
شہر میں رہا حضرت کے ہاں ہی مہمان رہا اور ان
حضرات یعنی آل محمد کی محبت اس کے دل میں گھر کر
گئی۔

ایک غلام سے ایک شدید جرم کا ارتکاب ہوا جس سے وہ سخت سزا کا مستحق تھا آپ نے تعزیر کا حکم دیا۔ جب اسے مارنے لگے تو پکارا اے میرے مولا میری ایک عرض سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ

وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

ارشاد فرمایا، عفوت عنک

میں نے تیرا گناہ معاف کیا۔

اس نے عرض کیا اس کے بعد فرماتا ہے۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرمایا، انت حر لوجہ وللک ضعف ماکنت اعطیک۔

میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ جو کچھ تجھے پہلے ملتا تھا اب اس سے دگنا عطا کرے گا۔

مروان:۔ امام حسن علیہ السلام کو مروان بن الحکم سے بار بار ایذائیں پہنچتیں جن کو آپ حلم و بردباری سے برداشت فرماتے

معتبر راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے امام حسن کے روبرو آپ کو سب و شتم کیا جب فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تو نے کہا اگر راست اور درست ہے تو خدا اس صداقت کی تجھے جزائے خیر دے اگر اگر یہ کذب و افترا اور جھوٹ ہے تو تو حق سبحانہٗ کی طرف سے اس جھوٹ کا بدلہ پائے گا اور خدا کی قسم اللہ کا انتقام میرے انتقام سے بدرجہا شدید تر ہے۔

تاریخ الخلفائے سیوطی میں ہے کہ امام حسن اور مروان کے درمیان گفتگو ہورہی تھی اسی دوران مروان نے آپ کو سخت سست باتیں کہنی شروع کیں حضرت خاموشی سے سنتے رہے اسی اثنا میں اس کے ناک سے رطوبت آئی بائیں ہاتھ سے ناک پکڑ کر اسے صاف کرنے لگا۔ حضرت نے فرمایا۔ ویحک تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ داہنا ہاتھ منہ کے لئے ہے اور بایاں نچلے اعضا کے لئے اُف لک تجھ پر افسوس ہے مروان خاموش ہو گیا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا واللہ لا امحو عنک شیئاً خدا کی قسم میں ذرا تجھ سے درگذر کرنے والا نہیں ہوں مگر تجھ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تجھ سے تیرا انتقام لے گا۔

باوجودیکہ مروان زندگی میں آپ کو اذیتیں دیتا رہا مگر تشییع جنازہ میں شریک تھا میت کو کاندھا دینے لگا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا آج

تم جنازے کو کاندھا دیتے ہو اور کل اپنے ظلم وستم سے ان کا کلیجہ خون کیا کرتے تھے مروان نے کہا میں اپنے مظالم اس شخص پر کرتا تھا جس کا حلم پہاڑ کے برابر تھا شرح نہج البلاغہ جلد جلد ۴ صہ ۵)

غالباً یہ اس وقت کا ذکر ہے جبکہ روضۂ رسول میں دفن کئے بغیر جنت البقیع کو جنازہ لئے جا رہے تھے چونکہ روضۂ رسول پر جنازہ لے جانے کے وقت جو مروان نے جنازے کی ہتک وحرمت کی تھی وہ مشہور ومعروف ہے۔

اخلاص

علما کے اخلاق کہتے ہیں کہ اخلاص عقیدہ کا غل وغش اور آلائش سے پاک ہونا ہے تاکہ عمل خالص اخلاص کی وجہ سے مقبول ومحبوب حضرت احدیت ہو۔ شریعت اسلام میں ہے کہ اوامر ونواہی کی ادائگی خلوص نیت سے ہونا چاہیئے قرآن مجید میں سرکار احدیت کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ

سوائے اس کے نہیں کہ اللہ متقیوں کے ہی عمل کو قبول کرتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (الاعراف)

اس کے لئے نری کھری عبادت کرکے اس سے دعا مانگو

اخلاص یہ ہے کہ پورے میلانات اور خلوص نیت کے ساتھ بغیر خوف ایذا اور بغیر کسی توقع، پاداش، جزا اور بدلے کے، ریا، شرک، نفاق اور کسالت کی آلائشوں سے پاک و منزہ ہو کر خالص و مخلص ہو کر عمل کرے اور اپنی تمام ہمت حقیقی تنقیہ، تنزیہ، تخلیہ اور تصفیہ پر نظر رکھے۔ اللہ کے ہاں کثرت عمل نہیں بلکہ اخلاص و خلوص عمل مطلوب ہے۔

ہر کہ باخلاص قدم میزند عیسیٰ وقت است کہ دم میزند

جو شخص اخلاص سے میدان عمل میں قدم رکھتا ہے وہ اپنے زمانہ کا حضرت عیسیٰ زندگی بسر کر رہا ہے۔

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت نہ کر چونکہ مالک حقیقی بندہ پروری کی روش خود جانتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام کی زندگی سراپا اخلاص تھی۔ عالم طفلی میں تین روزے رکھے اور خود فاقہ رہ کر مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا اور ایسے ایثار کے وقت اعلان فرماتے تھے۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ (الدھر)

سوائے اس کے نہیں کہ ہم تم کو صرف اللہ کے لئے کھلاتے ہیں تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے جس ہستی کے اخلاص اور روزہ کا بچپن میں یہ عالم ہو اس

کی بقیہ زندگی میں کیا حالت ہوگی۔

ایثار و مواسات

نفسانی ملکات میں ایثار ایک ایسا ملکہ ہے کہ جو انسانیت کے ممتاز طبقہ میں ہی پایا جاتا ہے ایثار کیا ہے دوسروں کی حاجتوں کو اپنی حاجتوں پر ترجیح دینا، دوسروں کی خواہشات کو اپنی خواہشوں پر مقدم سمجھنا۔ اور ضروریات زندگی میں اپنی ذات کو نظر انداز کر کے دوسرے انسانوں کو اختیار کرنا۔ اپنی غذا دوسروں کو دینا۔ اپنا پانی دوسرے پیاسوں کو پلانا۔ اپنا لباس ننگے ناداروں کو پہنانا دوسروں کی زندگی کی حفاظت کے لئے اپنی جان خطروں میں ڈالنا۔ یہ صفت فاضلہ ملکوتی خصائل اور نفسانی فضائل میں داخل ہے نہ ہر کسی میں دیکھی جاتی ہے اور نہ ہر کسی سے ظاہر ہوتی ہے۔ آج دنیا کی بے چینی کا بہت بڑا سبب صفت ایثار کا فقدان ہے۔

قرآن مجید میں اللہ والوں کی صفت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔

وہ اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگدستی میں مبتلا ہوں۔

یہ صفت سرکار اہل بیت میں درجہ کمال پر موجود تھی اور اس آیۃ کا بہترین مصداق یہی حضرات ہیں۔ چنانچہ حمیری کے قصیدہ کا ایک شعر

ہے :-

وَلَهُمْ قَالَ يُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَذَاكَ فَضْلاً كَبِيْراً

اور انہی اہل بیتؑ کے لئے اللہ نے کہا ہے کہ وہ اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے ۔

احادیث میں آیا ہے کہ جناب امیرالمومنین کا ایک جماعت کے پاس سے گزر ہوا آپ نے ان سے دریافت کیا کہو کیسے زندگی بسر کر رہے ہو انہوں نے کہا توکل کی روش اختیار کی ہے فرمایا تمہارا توکل کیا ہے ۔ انہوں نے عرض کیا ۔

اذا وجدنا اكلنا واذا فقدنا صبرنا ۔ جب مل جائے تو کھا لیتے ہیں اور جب نہ ملے تو صبر کرتے ہیں ۔

فرمایا یہ کتّے کی سیرت ہے جب مل گیا تو کھا لیا اور جب نہ ملا تو صبر کیا ۔

انہوں نے کہا پھر کیا ہونا چاہیئے ۔

فرمایا ہم اہل بیت کی سیرت اختیار کرو اذا وجدنا اثرنا واذا فقدنا شکرنا ۔

یعنی ہم اہل بیت جب مل جائے تو ایثار کرتے ہیں اور جب نہ ملے تو شکر کرتے ہیں ۔

معصوم نے شیعہ کی دو خصوصیتوں کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے شیعہ اوقات نماز کی محافظت کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے

ایثار و مواسات کا برتاو کرتے ہیں۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی سراپا ایثار تھی وہ اس وقت تک کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ان کے ہمسائے میں کوئی فاقے سے نہیں ہے۔ جب کوئی مسکین کھانا دسترخوان پر چننے پر آجاتا تو کھانا اسے اٹھا دیتے اور خود فاقہ سے رہتے۔ تین روزے رکھ کر مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلانا اور خود فاقہ سے روزہ پر روزہ رکھنا ایثار کا وہ شاہکار ہے جس پر سرکار احدیت کی طرف سے ہل اتٰی کا قصیدۂ مدحیہ نازل ہوا۔ امام حسن خود سادہ اور تنگ دستی کی زندگی بسر کرتے تھے مگر کسی سائل کو اپنے دروازہ سے خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے۔

صبر و بردباری

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا
وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

نفسانی فضیلتوں میں سے بہترین فضیلت صبر ہے۔ اور یہ صفت تمام اندرونی آلام پر فائق ہوتا ہے اس صفت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ:-

صبر فقدان مطلوب پر سکون نفس ہے اور شہوات و ہوا و ہوس کے

مقابلہ میں مقاومت ہے۔ اور دشوار امور کو برداشت کرنا اور حادثات پر شکیبائی اختیار کرنا ہے ؎

گرت چو نوح نبی صبر ہست در غم طوفان
بلا بگردد و کام ہزار سالہ برآید

اگر نوح نبی کی طرح طوفان کی مصیبت پر صبر ہے تو مصیبت ٹل جائے گی اور ہزار سالہ مقصد پورا ہو جائے گا۔

حدیثِ رسول اکرم ہے

الایمان نصفان نصفہ الصبر ونصفہ الشکر۔ ایمان کے دو حصّے ہیں، آدھا حصّہ صبر ہے اور آدھا حصّہ شکر ہے۔

وہ شخص کس قدر خوش نصیب ہے جو دونوں حصّے اختیار کرکے پورا ایمان حاصل کرے

سرور اولیا سرکار ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا الفدا فرماتے ہیں۔

الصبر من الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد۔

صبر ایمان کے لئے ایسا ہے جیسا جسم کے لئے سر

دعائے کمیل میں تعلیم فرماتے ہیں:۔

صبرت علی حرّ نارک کیف اصبر علی فراقک

میں نے جہنم کی آگ کی حرارت پر صبر کیا تو تیری جدائی
پر کس طرح صبر کروں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ محروم انسانوں کو جس سبب سے بھی محروم ہوں
صبر و شکیبائی پر راضی فرماتا ہے اور ان سے اجرِ جمیل کا وعدہ فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اللہ صابروں کو بے حساب اجر دے گا۔

صبر بہتر مرد را از ہر چہ ہست تا بیابد بر مراد خویش دست

صبر انسان کے لئے ہر چیز سے بہتر ہے تاکہ وہ اس
سے اپنی مراد کو حاصل کرے۔

علمائے اخلاق نے صبر کو تین قسموں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) امورِ دنیوی کے مقابلے میں عوام کا صبر۔

(۲) عباد و زہاد کا اجر کے مقابلے میں صبر۔

(۳) اطاعت امرِ الٰہی میں حصول تقرب کے لئے عارفوں اور روحانی عالموں کا صبر۔

صاحبانِ معرفت کہتے ہیں کہ صبر سے مراد جسمانی لذتوں اور نفسانی حظائظ پر جو نفس پر مسلط ہو گئیں ہوں غلبہ پانا ہے اور عبادات پر ثابت قدم رہ کر نفس کے حصول کمال کی راہ میں جدوجہد کرنا ہے اس لئے سالک کہ جو اصلاح نفس کے لئے کوشاں ہے اگر نفس پر مسلط نہ ہو اور شہوات نفسانی کی سرکوبی نہ کرے تو اسے تزکیہ اور تصفیہ نفس کی توفیق عطا نہیں ہوتی اور یہ

مقام صبر و تحمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

ادباء میں سے ایک نے کہا ہے کہ صبر شاہد شخصیت حقیقی پر دماغی طاقت کا نمائندہ ہے۔ اور حقیقی شجاعت نفس پر غلبہ پاتا ہے۔

ایک غزوہ میں جب مسلمانوں نے دشمن کو شکست دیکر فتح حاصل کی اور یہ خوشخبری سرکار رسالت کو ملی تو آپ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ اس جہادِ اصغر کے بعد اب جہاد اکبر کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ جہاد اکبر کونسا ہے حضور نے فرمایا اپنے نفس پر غلبہ پانا

صبر زہر آگین (زہر آلودہ) دوا ہے۔ جو کہ شیریں ثمر کی کفیل ہے ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

الصبرُ صبرٌ ولکن فی اوائلہٖ

وفی اواخرہٖ احلیٰ من العسل

صبر شروع حالات میں صبر یعنی ایلوا ہے (سخت کڑوا ہے) لیکن آخر حالات میں شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔

اللہ سورۂ عمران میں صابروں کو دوست رکھنے کی خبر دیتا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ۔

اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

اور سورۂ تنزیل میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی تمام کی تمام شدائد و مصائب میں بسر ہوئی آپ نے ایسی زندگی میں اس قدر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جو تاریخ صبر میں سنہری حروف میں درخشاں رہے گا۔ طفولیت میں نانا کا سایہ رحمت سر سے اٹھا، چند مہینے نہیں گزرے تھے کہ ماں کی آغوش شفقت سے محروم ہوئے۔ سلطنت کے ہاتھ سے نکلنے پر دنیاداروں کی بے رخی اور بے اعتنائی کے مصائب برداشت کئے۔ والد بزرگوار کے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی "سول وار" کے شدائد کو برداشت کیا۔ حکومت کے ہاتھ سے نکلنے جانے کے بعد محسن اسلام باپ پر سب وشتم کو برداشت کیا والد بزرگوار کے شیعوں اور دوستوں کا قتل عام دیکھا آخر زہر سے زندگی کا خاتمہ ہوا آپ کی زندگی سراپا صبر ہے۔

متفرقات

حسن معاشرت:۔ ایک شخص امام حسن علیہ السلام کے پاس آکر بیٹھ گیا، آپ اس وقت کہیں باہر تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ فرمایا: آپ اس وقت میرے پاس آئے جب کہ میں کہیں جانے کا قصد کر رہا تھا اب اگر آپ کہیں تو چلا جاؤں ورنہ نہ جاؤں۔

اللہ اللہ! اس وسعت اخلاق کا کیا کہنا کہ ایک عام آدمی سے باہر

جانے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

تواضع وانکساری:۔ امام حسن علیہ السلام کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں کچھ فقراء و مساکین بیٹھے ہوئے تھے اور زمین پر روٹی کے کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے کھا رہے تھے۔ آپ پر نظر پڑی تو ادب واحترام سے کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا بن رسول اللہ صلعم آیئے تشریف لایئے اور کھانا کھانے میں شرکت فرمایئے یہ استدعا ان کی سن کر آپ سواری سے اترے اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پس ان کے ساتھ بیٹھکر کھانے لگے ان سب نے ان کی شرکت کی برکت سے کھانا سیر ہو کر کھایا اور کھانا باقی بچ رہا۔ بعدازاں حضور نے اپنے ہاں ان کو دعوت دی تو وہ حاضر ہوئے انہیں کھانا کھلایا اور پہننے کے کپڑے عنایت فرمائے (مناقب شہر آشوب)

اس روایت کو لکھ کر سیرت نگار معصومین مولانا سید مظہر حسن صاحب موسوی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں۔ اس روایت پر سوال وارد ہوتا ہے کہ صدقہ آنحضرت پر حرام ہے خاص کر امام حسن علیہ السلام کے دہن مبارک سے ان کے جدامجد رسول اللہ نے دانہ خرما صدقہ نکلوا کر پھینکوا چکے تھے پھر آپ نے وہ خیراتی ٹکڑے فقراء کے ساتھ بیٹھکر کیونکر نوش کئے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ صدقہ درحقیقت آنحضرت پر حرام ہے الا صدقہ اسی وقت تک صدقہ

ہے کہ کوئی کسی کو خیرات میں دے۔ مگر جب وہ شخص جس کو یہ خیرات دی جائے وہ اس مال کو اپنی طرف سے کسی کام کی اجرت میں دے یا بطور ہدیہ دوسرے کے آگے پیش کرے تو وہ اس کے لئے صدقہ نہیں رہتا۔ ہدیہ یا مزدوری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بریرہ کنیز آزاد کردہ حضرت عائشہ نے کچھ خام گوشت ان کو ہدیہ کیا مگر حضرت عائشہ نے اسے اسی خیال سے نہ پکایا کہ صدقہ ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کو اس سے اجتناب ہے۔ لیکن حضرت کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

انّہا لہا صدقۃ۔ ولنا ہدیۃ بریرہ کے لئے وہ گوشت صدقہ تھا ہمارے لئے ہدیہ ہے بنا بریں ریزہ ہا نان بھی جو درویش کھا رہے تھے ان کے حق میں صدقہ تھے نہ کہ امام حسن علیہ السلام کے لئے ان کے واسطے ہدیہ ہو گئے چنانچہ روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ عام پیشہ ور جو فقرا کے کام بنانے میں اجرت لیتے ہیں وہی ان کا خیراتی مال لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو خیرات کر کے وہی مال دیا جائے تو وہ کبھی قبول نہ کریں

منتظرف میں یہی روایت ایک اور طرح سے وارد ہوئی ہے کہ جماعت فقرا نے جب ان کو ان روٹی کے ٹکڑوں پر دعوت دی تو حضرت سواری سے اتر کر ان کے پاس بیٹھ گئے اور کھانے سے صاف انکار کیا اور فرمایا لو لا انہٗ صدقۃ لا کلت معکم

اگر یہ صدقہ نہ ہوتا تو میں البتہ تمہارے ساتھ کھا لیتا۔ پھر فرمایا ہمارے ساتھ ہمارے مکان پر چلو وہ حضرت کے ساتھ گئے حضرت نے ان کو کھانا

کھلایا اور پہننے کے کپڑے عطا کئے اور حکم دیا کہ ان کو کچھ درہم بھی عطا کئے جائیں
(الشہید المسموم)

یہی روایت ایک اور طریق سے بھی وارد ہوئی ہے جسے حضرت فصیح لکھنوی نے اس طرح نظم کیا ہے:۔

ایک دن اسوار جاتے تھے حسن — کرتے تھے جھک جھک کے مجرا مرد وزن
اک جگہ پر جمع کچھ مجذوم تھے — اکل میں مشغول وہ مغموم تھے
دیکھکر شہ کو کیا سب نے سلام — اور کہا کچھ نوش کیجئے یا امام
اتفاقاً صوم سے تھے شاہ دین — ہنس کے فرمایا ہنیئاً مومنین
تمکو خالق دے زیادہ نوش جان — صوم سے ہوں ورنہ ہوتا میہمان
سائنوں کے دل میں گزرا یہ خیال — دل شکستہ ہیں انہیں ہوگا ملال
یعنی ہم سے آپکو ہے اجتناب — نوش اس باعث نہیں کرتے جناب
جس گھڑی دل میں تھا ان کے گزرا یہ خیال — رحم آیا اپنے حضرت کو کمال
شرم کے مارے خمیدہ ہوگئے — کڑھ گئے اور آبدیدہ ہوگئے
سر اٹھا کر پھر کہا اے دوستان — شام کو ہو تم ہمارے میہمان
الغرض شب کو انہیں مہمان کیا — ساتھ کھانا ان کے نوش جان کیا
کچھ نہ حضرت نے کیا پاس مرض — جبر کسر قلب تھا شہ کو غرض

حضرت مولانا مظہر حسن موسوی فرماتے ہیں: لیکن مجذوموں کے ساتھ شریک طعام ہونا حالانکہ ان سے اجتناب کا حکم ہے

فر من المجذوم فرارك من الاسد۔

حدیث نبوی ہے یعنی مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو اس مرض کے تعدی کے اندیشہ سے ہے۔

حضرت آئمہ علیہم السلام چونکہ ایسے امراض سے جو باعث تنفر خلائق ہیں قدرتاً محفوظ ہیں لہٰذا ان کو یہ اندیشہ نہ تھا تو پھر ساتھ کھانے سے پرہیز کیا (الشہید المسموم)

کیا کہنا علوم محمد وآل محمد علیہم السلام کا مثلاً اسی حدیث پر جو مجذوم کے متعلق غور فرمایئے سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء نے مقام تشبیہ میں یہ ارشاد فرمایا

فر من المجذوم فرارك من الاسد۔

جذام والے سے اس طرح سے بھاگو جس طرح کوئی شیر سے بھاگتا ہے

اب کو بکٹیریالوجی کے ماہرین نے علم جراثیم میں ریسرچ کی اور جذام کے مقامات کو تشریح کر کے دیکھا تو خوردبینوں سے انہیں معلوم ہوا کہ ان مقامات شیر کی صورت کے جراثیم ہیں۔ جو مجذوم کے جسم سے نکلکر ہوا میں پھیلتے ہیں۔ اور سانس کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں، جو اس سے قریب بیٹھے ہوں۔ پس بعض اوقات ان کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ قریب بیٹھنے والوں کو بھی وہی مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ پس سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلعم کا تشبیہ دیکر فرمانا کہ اس سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو گویا اس مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جذام کے جسم کے جراثیم

شیر کی صورت میں ہوتے ہیں۔ ان سے بچتے رہو یہ ادائے مطلب کا ایک لطیف عنوان ہے اسی طرح امام حسن علیہ السلام کا مجذوموں کے ساتھ بیٹھکر کھانا ایک لطیف عنوان ہے جس میں انہوں نے بتلایا کہ تم ہمارے اجسام کا اپنے پر قیاس نہ کرو۔

اہل اللہ را قیاس از خود مگیر　　گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

بصورت ظاہری ہمارے اور تمہارے اجسام ایک سے نظر آتے ہیں لیکن ان میں بھی فرق ہے ہمارے اجسام اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہوتے ہماری شان یہ ہے کہ جسدمروح وروح مجسد" جسم عین روح اور روح عین جسم ہے۔ اس لئے ہماری موت وحیات کو اپنی موت وحیات پر قیاس نہ کرنا۔

عفت وپاکدامنی:۔ امام حسن علیہ السلام ایک قافلہ میں سفر فرمارہے تھے اور ایک موقعہ پر قافلہ سے کنارہ کش ہوکر قافلہ سے دور ایک مقام پر مصروف نماز تھے ایک حسین وجمیل بدوی عورت آکر سامنے کھڑی ہو گئی آپ نے جب نماز ختم فرمالی تو اسے پوچھا تو کوئی حاجت رکھتی ہے اس نے کہا میں آپ کے لئے بے چین ہوں اور تمنا لئے ہوئے مسافت بعیدہ طے کر کے حاضر ہوئی ہوں میں شوہردار عورت نہیں ہوں میری تمنا پوری کیجئے فرمایا سامنے سے دور ہوجاؤ کیا تو چاہتی ہے کہ بروز قیامت میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جاؤں مگر یہ عورت نہایت بے باکی سے اظہار فریفتگی کئے جارہی تھی یہاں تک کہ حضرت رونے

لگے اور فرمایا۔ وبجلٹ الیکٹ وائے ہو تجھ پر میرے پاس سے دور ہو جا بدویہ آپ کو گریاں دیکھ کر خود بھی رونے لگی امام حسین علیہ السلام وہاں آئے دونوں کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگے۔ پھر تو یہ تار بندھ گیا کہ جو کوئی آتا رونے میں ان کا شریک ہو جاتا جب بہت آواز گریہ وبکا اس مجمع سے بلند ہوئی طرفہ یہ کہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس رونے کا سبب کیا ہے پس وہ بدوی عورت اٹھکر ایک طرف چلی گئی اور یہ مجمع بھی منتشر ہو گیا۔ اس بات کو عرصہ گزر گیا اور امام حسین علیہ السلام نے بھی احتراماً اس معاملہ کو دریافت نہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ بہت عرصے کے بعد ایک شب جب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سو رہے تھے تو روتے ہوئے بیدار ہوئے امام حسین علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے گریہ کا سبب پوچھا۔ فرمایا ایک خواب دیکھا عرض کی کیا خواب دیکھا؟ کہا میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور اوروں کی طرح میں بھی ان پر نظر کرنے کو آگے بڑھا تو ان کا جمال بے مثال دیکھ کر میں رونے لگا میری طرف ملتفت ہوئے اور کہا اے میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں تم کیوں روئے میں نے کہا آپ کا زن عزیز کی مصیبت میں مبتلا ہونا اور قید خانے میں جا کر قید کی مشقت اٹھانا۔ بوڑھے باپ یعقوب کی آپ کی جدائی میں بے قراری اور گریہ وزاری یاد آئی اس لئے گریاں ہوا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو زن بدویہ کے واقعہ پر کہ مقام ابوا میں پیش آیا تعجب نہ ہوا یعنی زن بدویہ سے تمہارا ابتلا میرے زن عزیز کے ابتلا سے کم نہ تھا بلکہ بڑھکر تھا کیوں کہ زن عزیز بقول خود شوہر دار

تھی اور یہ بدویہ آزاد تھی،

رفعت اخلاق

امام حسن علیہ السلام اس نانا کے فرزند ارجمند تھے جو عرب میں اتمام مکارم اخلاق کے لئے اس وقت مبعوث ہوا جب دنیا مکارم اخلاق سے ناآشنا ہو چکی تھی۔ چنانچہ خود سرکار رسالت کا ارشاد ہے

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقَ

میں اس لئے مبعوث ہوا تاکہ مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں

چنانچہ معلم اخلاق کی حیثیت سے آپ نمونہ اخلاق تھے اور اس رفعت اخلاق کو سرکار احدیت نے اس طرح بیان فرمایا:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ؕ (القرآن)

اے حبیب آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

امام حسن علیہ السلام نے پیغمبر کے انہیں بلند اخلاق اور مثالی کردار کو اس طرح اپنایا اور ورثہ سے لیا کہ آج اخلاق حسن شہرۂ آفاق و ضرب المثل ہے۔ ہم حسن اخلاق کی کئی روایات اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔

آپ کے رفعت اخلاق میں یہ بات تھی کہ خطا کار سے چشم پوشی فرماتے تھے اور اس کی بدسلوکیوں کا جواب حسن سلوک سے دیتے تھے۔

نادر مظاہرہ اخلاق:۔ امام حسن علیہ السلام کے پاس ایک بکری تھی

جو آپ کو بہت پسند تھی ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ اس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے اپنے غلام سے پوچھا یہ کس نے توڑی ہے۔

غلام نے عرض کیا میں نے۔

آپ نے فرمایا کیوں؟

اس نے عرض کی تا کہ آپ کو رنج و تکلیف ہو۔ اس پر آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا میں اس کے جواب میں تمہیں مسرور کروں گا اور تم پر احسان کروں گا۔ جاؤ میں نے تمہیں خدا کی راہ میں آزاد کیا۔

(مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱ ص۱۲۷)

حسن کلام:۔ زبیر بن بکار اور ابن عون نے عمیر بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا میں نے کسی کلام کرنے والے کا کلام نہیں سنا جو حضرت حسنؑ بن علیؑ کے کلام سے محبوب تر ہو۔ جب وہ بات کرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اور بے اختیار یہ دل چاہتا تھا کہ آپ بولتے رہیں اور میں سنتا رہوں۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے کوئی فحش کلمہ نہ سنا۔ ایک مرتبہ عمر بن عثمان اور حضرت کے درمیان ایک زمین پر جھگڑا ہو گیا امام حسین علیہ السلام نے ایک صورت مصالحت پیش کی عمر اس پر رضامند نہ ہوا تو اس وقت آپ نے کہا لیس لعمرو عندنا الا مار غم بہ انفہ ہمارے پاس عمرو کے لئے کچھ نہیں مگر وہ جس سے اس کی ناک رگڑی جائے یہ زیادہ سے زیادہ فحش کلمہ تھا جو آں حضرت کی زبان سے میں نے سنا یہ ہے تہذیب کلام یہ کلمہ تہدید ہے اسے ادبی لحاظ فحش نہیں

کہہ سکتے۔

رقت قلب:۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار میں مناقب کی بعض کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے راوی نجیح کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جناب امام حسن علیہ السلام کھانا تناول فرما رہے تھے اور ایک کتا آپ کے سامنے کھڑا تھا ایک لقمہ آپ کھاتے تھے اور دوسرا دیتا ہی لقمہ کتے کو ڈالتے تھے میں نے عرض کی کہ اس کتے کو سامنے سے کیوں نہیں ہٹاتے آپ کھانا تناول فرما رہے ہیں یہ سامنے کھڑا ہے۔ فرمایا اسے کھڑا رہنے دو مجھے شرم آتی ہے کہ ایک ذی روح میرے سامنے کھڑا ہو میں کھائے جاؤں اسے نہ دوں یا دھتکار دوں

غیبت کرنا اور سننا:۔ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا بن رسول اللہؐ فلاں شخص آپ کی برائی بیان کر رہا تھا اس کا یہ کلام حضرت کو ناگوار گزرا فرمایا تو نے مجھے تعب و تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اب میں حق تعالیٰ سے اس کے اور اپنے دونوں کے لئے استغفار کروں گا۔ اس کے لئے تو اس لئے کہ اس نے غیبت کا ارتکاب کیا اور اپنے واسطے اس لئے کہ اس کی برائی کو سنا۔ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے

السامع للغیبة احد المغتابین

غیبت کا سننے والا غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

حفظ آبرو:۔ ایک شاعر نے حضرت حسنؑ کی مدح کی آپ نے

کچھ مال اسے عطا فرمایا ہم نشینوں میں سے ایک نے عرض کی شاعر کو کہ بہتان باندھتا اور خدا کی نافرمانی کرتا ہے یہ عطیہ زیادہ ہے۔ فرمایا اے بندۂ خدا سب سے اچھا مال وہ ہے جسے آدمی حفظ آبرو میں صرف کرے در حقیقت اپنے آپ کو شر سے بچانا خیر ہے۔

عظمت و احترام والا:۔ منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام بیت اللہ کے طواف میں مصروف تھے کسی نے کہا ہذا ابن فاطمۃ الزہرا یہ فاطمہ زہرا کے فرزند ہیں۔

حضرت نے جب یہ سنا تو فرمایا تو نے مجھے علی ابن ابی طالب کا بیٹا کیوں نہ کہا بجائے باپ کے ماں سے منسوب کیوں کیا؟

فابی خیر من امی میرے باپ میری ماں سے بہتر ہیں

جنگ صفین میں حضرت عمر خطاب کا چھوٹا بیٹا عبید اللہ امیر شام معاویہ سے جا ملا تھا۔ ایک دن اس کی حضرت امام حسن علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کہنے لگا اے حسن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، اگر تم مان لو تو اس امت پر بڑا احسان ہوگا اور یہ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ تمہارے باپ علی ابن ابی طالب کے ہاتھ سے جو روز سیاہ عرب نے دیکھا تم اس سے ناآشنا نہیں ہو۔ ان کی تلوار سے ایک عالم ناتواں و نالاں ہے ان کے وہ محاربات و غزوات لوگوں کو فراموش نہیں ہوئے اب لوگ عثمان کا قاتل بھی ان ہی کو جانتے ہیں بس اس صورت میں انہیں خلافت حاصل ہونا ممکن نہیں اس کا کوئی امکان نہیں کہ یہ امت دل سے ان کی اطاعت

قبول کرے۔

تم اس طرف چلے آؤ تو ہم سب تمہاری بیعت کر کے تمہیں خلیفہ بنالیں گے تم فرزند رسول ہو عرب میں تمہارے متعلق کسی کو اختلاف نہیں اور یہ فتنہ و فساد کی آگ جو مشتعل ہے بجھ جائے گی۔ حضرت نے اس کا یہ طویل بیان سنکر فرمایا،

اے ابن عمر! کیسی باتیں کر رہے ہو تم چاہتے ہو کہ میں دین اسلام سے نکل جاؤں میں خلیفہ مطلق و وصی برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر کفر صریح اختیار کر لوں ابلیس لعین نے تجھے دھوکا دیا ہے تو نفس امارہ کے فریب میں آگیا ہے۔ تو نے معاویہ اور اس کے قبیلہ کی دشمنی جو انہیں رسول اللہ ؐ سے تھی فراموش کر دی تو امیرالمومنین اور نفس رسول کے مقابلے میں اسکی حمایت کرتا ہے۔ میرے سامنے سے دور ہو جا میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت روز نہیں گزریں گے کہ تو اپنے خون میں شرابور ہو گا اور زمین تلے تیرا مسکن و ماویٰ بنے گا۔ مکار مگر احمق عبیداللہ یہ سنکر ہنسنے لگا اور معاویہ کے پاس پہنچکر کہنے لگا کہ میں نے چند باتوں سے حسن کو فریب دینا چاہا تاکہ وہ باپ سے جدا ہو کر یہاں آجائیں۔

معاویہ نے کہا عبیداللہ! حسن تجھ جیسوں کے فریب میں آنیوالا نہیں ہے۔ انہ ابن علی وہ علی مرتضیٰ کا بیٹا ہے راوی کہتا ہے کہ اس گفتگو کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ عبیداللہ امیرالمومنین ؑ کی سپاہ کے ہاتھ سے معرکہ صفین میں مارا گیا۔

وقار و شان و شکوہ:۔ مناقب میں تاریخ محمد ابن اسحاق سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ رسول اللہؐ کے بعد کسی کو وہ شان و شکوہ حاصل نہیں ہوا جو حسن ابن علی کو حاصل تھا۔ دولت سرا کے دروازہ پر مسند ڈالی جاتی تھی حضرت آکر اس پر بیٹھ جاتے تو راہ چلنے والوں کو حوصلہ نہ ہوتا کہ آگے سے گزر جائیں رعب و جلال کی وجہ سے راستہ بند ہو جاتا آپ یہ حالت دیکھ کر اٹھ کر گھر میں چلے جاتے اس وقت آمد و رفت جاری ہوتی مکہ مکرمہ کو جب پیادہ سفر کرتے اور قافلہ کا ساتھ ہوتا تو جو کوئی حضرت کو دیکھتا سواری سے اتر پڑتا حتیٰ کہ سعد و قاص کو بھی ایک دفعہ پیادہ ہونا پڑا واصل بن عطا کا قول ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام میں سماء انبیاءؑ جباہ و ملوک تھی

منقول ہے کہ کسی شخص نے کہا فیک عظمۃ یا بن رسول اللہؐ اے رسول کے بیٹے آپ میں بزرگی و عظمت ہے۔ فرمایا عظمت نہیں بلکہ مجھ میں عزت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ للہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین کہ عزت تو خدا کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے۔

راضی برضا کی دعا:۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے بوقت ملاقات فرمایا اے عبداللہ وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو قسمت حق پر اپنے حق میں راضی نہ ہو اور اس کو حقیر جانے حالانکہ اس بارے میں حکم دینے والا خدا ہے۔ اور اگر ہر امر میں تابع

رضائے الٰہی لیے ہے تو میں ضامن ہوتا ہوں کہ وہ جو دعا حق سبحانہٗ تعالیٰ سے کرے گا مستجاب ہوگی۔

مکارم اخلاق:۔ جناب امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ امام حسین علیہ السلام از روئے تعظیم امام حسن علیہ السلام کے سامنے بات نہ کرتے تھے اور جناب محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ امام حسین علیہ السلام کا ادب کرتے ان کے سامنے لب کشائی نہیں فرماتے تھے۔

رکابداری کی سعادت:۔ مناقب ابن شہر آشوب میں منقول ہے کہ ایک روز حسنین علیہما السلام سوار ہو رہے تھے عبداللہ ابن عباس نے ان کی رکاب پکڑ کر سوار کیا ایک شخص یہ کیفیت دیکھکر بولا اے ابن عباس تم سن و سال میں ان دونوں سے بڑے ہو پھر ان کی رکاب تھامتے ہو انہوں نے کہا اے احمق! تو نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں یہ دونوں فرزند رسول خدا ہیں زہے میرے نصیب کہ مجھے ان کی رکابداری کی سعادت حاصل ہوئی۔

نقش خاتم امام حسن علیہ السلام:۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں کافی میں صادق آل محمد سے منقول ہے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کا نقش خاتم الحمد للہ تھا امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام حسن علیہ السلام کا نقش خاتم العزۃ تھا اور نقش خاتم امام حسین علیہ السلام ان اللہ بالغ امرہٖ جنات الخلود میں منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی انگشتر کا نقش انت ثقتی فاعصمنی

من خلقک

(میرے اللہ تو ہی میرا محل اعتماد ہے پس مجھ کو شرِ خلق سے محفوظ رکھ)

ایک اور قول کے مطابق نقش انگشتری یہ کلمات تھے۔

اللہ ولی عصمتی من خلقہ،

(اللہ تعالیٰ خلقت سے میری حفاظت کا ولی ہے)

روایات میں وارد ہوا ہے کہ ان کلمات کا نگین میں نقش کرنا بالخصوص عقیق کے نگینہ میں مصیبتوں سے امان کا باعث ہے۔

ایک اور قول یہ بھی ہے کہ آپ کا نقش نگین، اللہ ولی الغنی تھا۔

(خدا تعالیٰ تونگری کا مالک ہے)

ان کلمات کا نقش کرنا ثروت و تونگری کا اثر رکھتا ہے۔

ایک قول کے مطابق اللہ خالق کل شئی اور بقولے یا ثقتی من شر خالقک نقش تھا اور مشہور ہے کہ آپ نے خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے دریافت کیا تھا کہ میں انگشتری بنوانا چاہتا ہوں اس کے نگین پر کیا عبارت نقش کراؤں فرمایا یہ کلمات لکھواؤ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔

بہ تحقیق کہ یہ انجیل کا آخری فقرہ ہے اس پر ضروری ہے کہ ایک انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ ہو۔

جمع بین الاقوال اس طرح پر ہے کہ حضور کی مختلف انگوٹھیوں پر یہ

نقوش کندہ

وراثت حسنینؑ:۔ شیعہ اور سنی دونوں طریقوں سے وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے حسن کو اپنا مہابت و حلم دیا اور حسین کو اپنے جود و رحمت کا وارث کیا۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ معصومۂ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا رسول اللہؐ کے زمانہ مرض میں حسنین علیہما السلام کو خدمت اقدس رسول میں لائیں اور عرض کی یا رسول اللہؐ آپ کے فرزند ہیں ان کو کچھ میراث عطا کیجئے فرمایا حسنؑ کو اپنی ہیبت اور سیادت بخشی حسینؑ کو جرأت و جلادت و جود و بخشش عطا کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حسین کو سخاوت و شجاعت مرحمت فرمائی

محبت حسنینؑ:۔ بحار میں حضرت ابو ذر غفاری سے منقول ہے کہ میں نے سرکار رسالت محمد مصطفےٰؐ کو دیکھا کہ حسنؑ و حسینؑ سے پیار کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جو شخص ان کی اور ان کی ذریت کے ساتھ خلوص و محبّت رکھے گا۔

آتش دوزخ اس کے چہرے کو مس نہیں کرے گی ہر چند اس کے گناہ بقدر ریگ بیابان عالج ہوں الا ایسا گناہ کہ جو اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے عالج صحرائے عرب میں ایک قریہ کا نام ہے اس قریہ سے منسوب کر کے بیابان عالج کہا گیا ہے۔

علم و حکمت

امام حسن علیہ السلام کے علمی کمالات بھی اس معراج کمال پر پہونچے ہوئے تھے کہ ساری اسلامی دنیا کو ان کا اعتراف تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس باب مدینہ علم کی تعلیم سے اس پایہ پر پہنچے کہ ان کے فضل و کمال کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا مگر جب کبھی امام حسن علیہ السلام سے علمی مقابلہ ہو جاتا تو لوگوں کو اہل بیتؑ کے خداداد علم لدنی کا لوہا ماننا پڑتا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک سائل نے مسجد نبوی میں آ کر عبداللہ ابن عباس سے ایک آیت کی تفسیر دریافت کی پھر عبداللہ ابن عمر سے اسی آیت کی تفسیر پوچھی پھر حضرت امام حسن سے استفسار کیا جناب امام حسن علیہ السلام کا جواب ان دونوں سے بہتر اور ارفع تھا۔

قاضی نعمان نے شرح اخبار میں لکھا ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت ابو بکر سے سوال کیا کہ شتر مرغ کے مجھے چند انڈے ملے۔ میں نے کسی حالت میں جبکہ میں احرام باندھے ہوئے تھا یہ انڈے کھا لئے۔ اب مجھ پر کیا کفارہ واجب

ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تو نے یہ قضیہ بیان کر کے مجھے مشکل میں مبتلا کر دیا تم حضرت عمر کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو جب یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن کے حوالہ کر دیا۔ جب ان سے بھی جواب بن نہ آیا تو اس سے کہا گیا کہ تم حضرت علی کے پاس چلے جاؤ جب وہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دونوں بچوں میں سے جس سے چاہو یہ مسئلہ پوچھ لو حالانکہ اس وقت امام حسن علیہ السلام کی عمر آٹھ برس کی تھی امام حسن علیہ السلام نے فرمایا اے اعرابی کیا تیرے پاس اونٹنیاں ہیں عرض کیا ہاں! فرمایا جتنے تو نے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی تعداد میں عمدہ اونٹنیاں لے اور انہیں حاملہ کرا لے جب بچے پیدا ہوں انہیں اس خانہ کعبہ میں ہدیہ کر دے جس کا تو نے حج کیا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے اظہار علم امامت بر امام حسن کے لئے فرمایا بیٹا! کچھ اونٹنیوں کے بچے مر جاتے ہیں اور کچھ اونٹنیاں بچے ڈال دیتی ہیں عرض کیا بابا! کچھ انڈے بھی گندے نکل جاتے ہیں۔ سائل اعرابی نے کہا ہم گروہ ہائے مردم کی آواز سن رہے ہیں جو اس بچہ نے کہا اور سمجھایا وہی حضرت سلیمان بن داؤد نے کہا اور سمجھایا تھا

(مناقب شہر آشوب)

یہ سچ ہے اَلْاِمَامُ اِمَامًا لَوْ کَانَ غُلَامًا امام امام ہی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی ہو

منقول ہے کہ ایک روز مسند خلافت پر علی مرتضٰی اروحنالہ الفداء رحبہ میں تشریف فرما تھے اور حسنین شریفین علیہما السلام بھی حاضر دربار تھے ناگاہ ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا میں جناب کی رعایا ہوں اور آپ ہی کے بلد کا ساکن ہوں جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے۔ نہ ہی تو میری رعایا ہے نہ ہی میرا ہم وطن بلکہ تجھے قیصر روم نے چند مسائل دریافت کرنے کے لئے معاویہ کے پاس بھیجا تھا۔ معاویہ ان کے جوابات سے عاجز تھا۔ اس نے تجھے میرے پاس بھیج دیا تاکہ تو ان مسائل کے جوابات حاصل کر سکے۔ اس نے عرض کیا حضور سچ فرماتے ہیں۔ معاویہ نے پوشیدہ طور پر مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ بات سوائے ذات احدیت کے جو علام الغیوب ہے اور کسی کو معلوم نہیں جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا تو میرے ان دو بیٹوں میں سے جس سے چاہے پوچھ لے وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے اس کے بیان کرنے سے قبل ہی ارشاد فرمایا

کہ حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے؟
زمین سے آسمان کتنی مسافت ہے؟
مشرق و مغرب میں کتنی دوری ہے؟
مخنث کسے کہتے ہیں؟

اور وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں سے ہر ایک کو خداوند عالم نے دوسرے سے سخت پیدا کیا ہے؟ لہذا اب سن حق و باطل میں چار انگشت

کا فرق ہے اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا حق ہے اور جو کچھ کان سے سنا باطل ہے۔

زمین و آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔

مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے اس زمانے کے مسلمات کی بناء پر ایسا فرمایا۔

مخنث وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اس کے جسم میں دونوں کے اعضا موجود ہوں۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ تا حد بلوغ انتظار کریں محتلم ہو تو مرد ہے اگر حائض ہو تو عورت، پستان نکل آئیں تو عورت ہے۔ اور اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کے پیشاب کی دھار سیدھی جاتی ہے یا نہیں اگر سیدھی جاتی ہے تو مرد ورنہ عورت

وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب و قوی ہے وہ یہ ہیں کہ اللہ نے سب سے زیادہ سخت پتھر کو پیدا کیا مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت آگ ہے جو لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت پانی ہے جو آگ کو بھی بجھا دیتا ہے اور اس سے زائد سخت ابر ہے جو پانی کو بھی اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے سخت ہوا ہے جو ابر کو بھی اڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زیادہ سخت وہ فرشتہ ہے جو اس کو جا بجا بھیجتا ہے اور اس سے زیادہ سخت ملک الموت ہیں جو فرشتہ باد کی بھی جان قبض کر لیں گے۔ اور ملک الموت سے زیادہ سخت

موت ہے جو ملک الموت کو بھی مار ڈالے گی اور موت سے زیادہ سخت علم خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے۔

آنحضرت کی ذات کے بعد جو جماعت علم وافتا کے منصب پر فائز تھی ان میں آپ کی ذات گرامی بھی تھی، البتہ آپ کے فتاوے کی تعداد بہت کم ہے اعلام الموقعین جلد ا صـ ۱۲

فتاوی کی کمی بتلا رہی ہے کہ سیاسی مصالح کی وجہ سے لوگ حصول فتاوے میں ان کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے۔ کتب احادیث اہل سنت میں یہ تعداد بتلا رہی ہے کہ امت نے حدیث ثقلین پر توجہ نہیں دی اور ان روایات میں سے بھی زیادہ تر حضرت علی اور ہند سے مروی ہیں۔ تہذیب الکمال صـ ۸۳

آپ کے زمرہ رواۃ میں ام المومنین بی بی عائشہ حسن بن حسن، عبداللہ ابو جعفر، جبیر بن نفیر عکرمہ، محمد سیرین اور سفیان بن لعل قابل ذکر ہیں۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ صـ ۲۹۵

گویا ان کے پاس لوگ آتے ہی نہیں تھے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمتہ سے کتاب توحید میں منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کرنے لگا اے فرزند رسول اپنے پروردگار کی اس طرح صفت بیان کیجئے کہ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، آپ نے سر جھکایا اور پھر سر بلند کر کے فرمایا۔

الحمد للہ الذی لم یکن لہ اول معلوم

ولا اخر متناہ ولا قبل عداك ولا بعد محدود
لا امد بحتی ولا شخص فیتجزی ولا اختلاف
صفة فیتناهی ولا تدرك العقول واوها
منها ولا الفكر وخطراتها ولا الالباب
واذهانها صفته فتقول متی ولا بنی مما
ولا ظاهر علی ما ولا باطن فیما، ولا تارك
فهلا خلق الخلق وكان بديعاً ابتدأ
ما ابتدع وابتدع ما ابتدأ وفعل ما اراد
واراد ما استزاد ذلكم الله رب
العالمين.

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے کہ اس سے پہلے کوئی معلوم
اور نہ کوئی آخر منتہا ہے اور نہ اس سے قبل کوئی ادراک
کرنے والا ہے اور نہ کوئی اس سے قبل ہے کہ جس
سے ادراک کیا جا سکے نہ ہی اس کے بعد محدود ہے
وہ کسی شخص و قبیلہ سے متعلق نہیں کہ اس کے اجزا
بیان کئے جا سکیں۔ نہ اس کی صفت میں اختلاف
ہے کہ جس کی انتہا بیان ہو سکے انسانی عقول اس
کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اور افکار و اوہام اس
تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی فکر و ادم

ان کے سوجھ بوجھ اور ذہنی عقول اور ان کے اذہان
اس کی صفت تک پہنچ سکتے ہیں تو کہتا ہے کہ
بحارالانوار کی جلد ۱۴ اور جناب علی ابن طاؤس کی کتاب النجوم میں
ہے کہ جناب سبط اکبر امام حسن علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد
فرمایا:

ثم اجری فی السماء مصابیح ضوئها فی
مفتحتها وجعل شهابها من نجومها الدراری
المضیئة.

اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شہب
(دمدار ستارے) نجوم سے کوئی علیحدہ چیز نہیں
ہیں بلکہ وہ بھی نجوم ہی ہیں۔ اس میں ایک اور امر زائد
ہے کہ حدیث مذکورہ (سکیاپرلی وغیرہ) کی رائے
کی تائید کرتی ہے جن کا خیال ہے کہ شہب نیازک ٹوٹے
ہوئے دمدار ستاروں کے اجزا ہیں۔ تفصیل اس مطلب
کی یہ ہے کہ آپ نے اپنے اس کلام میں فرمایا المصابیح
ضوئها فی مفتحتها یعنی وہ ایسے چراغ
ہیں جن کی ضو ان کے پہلے حصہ میں قرار دی گئی ہے
اور ظاہر ہے کہ ایسے چراغ سوائے دمدار ستاروں
کے اور کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک لمبے فتیلے کی مانند ہیں

جن کی ضیا کا مبدا ان کے سرے کا حصّہ ہے جسے نواۃ المذنب کہتے ہیں۔

جعل شہابہا من بجو مہا الدراری کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی و مدار ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے انہی چراغوں کے ستارے سے بنایا ہے گویا و مدار ستارہ ایک طولانی چراغ ہے۔

یعنی فتیلہ ہے جس کا ایک سرا ہے۔ جو اس کی اصل ہے۔ یعنی جس کی دم ایک ہے یعنی وہ بخلات جو اس سے متصل ہیں۔

خرائج میں منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام اور حضرت عبداللہ ابن عباس ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ٹڈی کھانے پر آبیٹھی عبداللہ ابن عباس نے عرض کیا کہ اس کے پر کیا تحریر ہے حضرت نے فرمایا کہ اس پر لکھا ہے۔

اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا

میں خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ٹڈی کو بھیجتا ہوں یا تو اس لئے کہ بھوکے اسے کھا کر سیر ہوں یہ میری رحمت ہے یا اس لئے کہ کسی قوم پر غضب ناک ہوں تو وہ ان کے طعام و غذا کو چر جائے یہ ان پر عذاب ہے۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے جب یہ سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور امام علیہ السلام کے سر کو بوسہ دے کر کہا ہذا من مکنون العلم یہ علم پوشیدہ اللہ کا عطیہ ہے۔

علم تفسیر

واحدی نے اپنی اسناد سے ایک عرب سے نقل کیا ہے مجھے مسجد نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص احادیث نبویہ بیان کر رہا ہے اور لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں ایک شخص نے اس سے سوال کیا کہ سورۂ بروج میں جو شاہد و مشہود کے الفاظ ہیں ان کی تفسیر بیان فرمایئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ لفظ شاہد سے مراد روز جمعہ ہے اور مشہود سے روز عرفہ۔ یہ سنکر یہ شخص اٹھا اور اس نے دیکھا کہ اسی مسجد کے ایک دوسرے گوشے میں بھی درس حدیث ہو رہا ہے اس نے درس دینے والے سے یہی سوال کیا انہوں نے کہا کہ شاہد سے مراد روز جمعہ اور مشہود سے مراد یوم نحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ یوم عیدالاضحٰی ہے یہ وہاں سے آگے بڑھا دیکھا، تو دیکھا کہ ایک اور نورانی صورت نوجوان درس حدیث میں مصروف ہیں اس نے عرض کیا اجیبوالی عن شاہد و مشہود یعنی شاہد و مشہود سے کیا مراد ہو مجھے جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا نعم یعنی ہاں پھر فرمایا شاہد سے مراد ذات قدسی صفات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مشہود سے مراد یوم قیامت ہے۔ نیز فرمایا کیا تو نے قول باری تعالیٰ نہیں سنا قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا

اے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنا کر مبعوث رسالت کیا ہے

نیز ارشاد ہوتا ہے۔

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۝

وہ ایک دن ہے کہ لوگ اس میں جمع ہوں گے اور وہ روز مشہود ہے۔

میں نے لوگوں سے پہلے محدث کے متعلق دریافت کیا کہ کون صاحب ہیں انہوں نے کہا عبداللہ ابن عباس ہیں۔ دوسرے کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا عبداللہ ابن عمر ہیں تیسرے کے متعلق تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ امام حسن ابن علی علیہما السلام ہیں آنحضرت کا ارشاد تفسیر بالقرآن تھا اور یہ قول تینوں قولوں سے احسن و اعلیٰ مدلل بالقرآن تھا۔

(تفسیر وسیط واحدی)

مناقب میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے آیہ مبارکہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کی تفسیر میں فرمایا الذین یعلمون یعنی وہ لوگ جو جانتے ہیں اس سے مراد ہم ہیں فالّذین لا یعلمون یعنی علم نہیں رکھتے وہ ہمارے دشمن ہیں اور اس آیہ وافی ہدایہ میں جو لفظ اولوالباب مذکور ہے اس سے مقصود ہمارے شیعہ ہیں۔ مناقب میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے حبیب بن مسلمہ فہری سے فرمایا کہ تیری بہت سی آمد و رفت غیر طاعت خدا میں ہے اس نے عرض کیا۔ لیکن میری آمد و رفت آپ کے والد عالی مقدار کے پاس نہیں رہی اس کے جواب میں آنحضرت

نے فرمایا مگر تو نے دنیائے قلیل کے لئے معاویہ کی اطاعت کی اس نے تیری دنیا کو سنوارا اور عاقبت کو بگاڑا اگر تو برے کام کرتا اور نیکی کو بھی ترک نہ کرتا تو تجھ پہ یہ آیہ مبارکہ صادق آتی خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئا انہوں نے عمل صالح اور برے کاموں سے ملا جلا دیا مگر اب تیرا حال اس آیہ شریفہ کے مطابق ہے بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ بلکہ ان کے دل تیرہ و سیاہ ہو گئے ان کاموں کی وجہ سے جو انہوں نے کسب کئے۔

بحار الانوار میں کتاب عدد سے منقول ہے کہ حذیفہ یمانی نے کہا کہ ایک بار رسول اللہؐ ایک پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی علیہ السلام اور دیگر مہاجرین و انصار بھی موجود تھے امام حسن علیہ السلام بسکون و وقار آتے ہوئے نظر آئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا جبرئیل ان کی رہنمائی کر رہے ہیں، میکائیل ان کو سنبھالے ہوئے ہیں، بہ تحقیق یہ میرا بیٹا طیب و طاہر ہے۔ میرے لئے بمنزلہ استخوان و گوشت ہے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور میرا سبط اکبر ہے اس پر میرے ماں باپ فدا ہوں اس کے بعد آپ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور ہم بھی ان کے ساتھ اٹھے اس وقت یہ کلمات آپ کی زبان وحی ترجمان پر جاری تھے انت تفاحتی و بهجة قلبی تو میرا سیب اور سرور قلب ہے پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر لائے اور ہم بھی آنحضرت کے ساتھ آئے رسول اللہؐ جب وہاں تشریف

فرما ہوئے ہم دیکھ رہے تھے کہ آپ کی نگاہیں اپنے اس نور نظر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور علیحدہ نہیں ہوتی تھیں پھر اس طرح ارشاد فرمایا۔

"حسن میرے بعد ہادی و مہدی ہے یہ وہ ہدیہ اور تحفہ ہے جو خدا کی طرف سے ہے مجھے مرحمت ہوا ہے میرے اخبار کو مخلوق تک پہنچائے گا۔ میری سنت کو زندہ رکھے گا اور میرے امور کی کفالت کرے گا خدا اس پر رحمت کرے جو اس کے حق کا پہچاننے والا ہو۔ اور میری وجہ سے اس کا احترام کرے۔"

حضور یہ فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی ہاتھ میں عصا لئے آپہنچا، تحیتہ وسلام کے بغیر کہنے لگا تم میں محمد کون ہے؟

ہم نے کہا آہستہ بات کرو اور تمہارے دریافت کرنے سے غرض کیا ہے؟ اعرابی بولا اے محمد! جب تک کہ میں نے تجھے نہیں دیکھا تھا تجھ سے کینہ و بغض رکھتا تھا اب تجھے دیکھ کر میرا بغض و عناد اور بھی بڑھ گیا ہے ہم کو ان کی ان باتوں پہ غصہ آیا۔ مگر سرکار رسالت نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ چپ رہو۔ اعرابی نے کہا اے محمد تم نبوت کے دعویدار ہو حالانکہ تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل و برہان موجود نہیں۔ اس پہ سرکار رسالت نے فرمایا اے اعرابی تجھے کیا خبر ہے میں نے دلیل و برہان کے بغیر دعوائے نبوت نہیں کیا، اس پہ اس نے کہا تو پھر اپنی دلیل پیش کرو اس پر حضور نے فرمایا تو کہے تو تیرے اعضائے بدن میں سے ایک عضو میری رسالت کی شہادت

دے تو کیا یہ دلیل تیرے لئے کفایت کرے گی؟ اس نے کہا کہ کیا کوئی عضو بھی کلام کر سکتا ہے؟

فرمایا ہاں پھر فرمایا بیٹا حسن اٹھو اعرابی نے حقارت سے کہا کہ کیا یہ بچہ جو سیدھی طرح زمین پر چل بھی نہیں سکتا۔ کلام کیا کرے گا، حضور نے فرمایا تو اسے کیا سمجھتا ہے تو اسے علم بے بدل پائے گا جس امر کے متعلق تو چاہے اس سے سوال کر اس پر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ٹھہر اے اعرابی سے

مَا غبیاً سئلت وابن غبیّ — بل فقیہاً اذاً وانت جہول

فان تک قد جہلت فان عندی — شفاء الجہل ما سئل السئول

وبحر لا تقسمہ الدوالی — تراثاً اورثہ ابن الرسول

تو کسی غبی پسر جاہل سے سوال نہیں کر رہا بلکہ ایک فقیہ دانا سے سوال کر رہا ہے حالانکہ خود تو بڑا جاہل ہے۔ تو جاہل ہے تو ہو میرے پاس مرض جہالت کی شفا موجود ہے جب تک کہ سوال کرنے والے سوال کریں، میں ایک دریائے ذخار علم ہوں جسے چرخ لگا کر کھینچا نہیں جا سکتا وہ ایک علم ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میراث میں ملا ہے۔

بہ تحقیق تو نے زبان درازی کی اور اپنے اطوار کی حد سے بڑھ گیا تیرے نفس نے تجھے دھوکا دیا ہے انشاء اللہ اب تو ایمان لائے بغیر یہاں سے نہیں اٹھے گا۔ اس کے بعد جن حالات سے وہ گزر کر یہاں پہنچا تھا انہیں بیان کرنا شروع کیا۔ فرمایا تو اپنی قوم کی

مجلس شوریٰ میں داخل تھا یہ ایک ایسا گروہ تھا جن پر جہالت اور حماقت مسلط تھے وہ کہتے تھے محمد صبور و شکور ہے اور تمام عرب ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کا دشمن ہے ان کے قصاص کا کوئی طلب گار نہیں، ہوگا اس پر تو نے کہا میں ضرور ان کو قتل کر دوں گا وہاں ایک مومنہ عورت بھی موجود تھی تو نیزہ لیکر اس کی طرف جھپٹا کہ پہلے اسی کو ختم کر دوں مگر تجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تجھے کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا مگر اس پر بھی تو ڈھٹائی سے اپنی ضد پر قائم رہا اور اس طرف روانہ ہوا اب میں تجھے تیرے سفر کے حالات بتلاتا ہوں. تو گھر سے نکلا تو مطلع صاف تھا دات روشن تھی اس کے بعد ایک دم اندھیرا چھا گیا. کالی گھٹائیں آسمان پر چھائی تھیں سناٹے کا عالم طاری تھا تو حیران تھا، رستہ سجھائی نہیں دیتا تھا تو صحرائیں جھاڑیوں سے الجھتا، پتھروں سے ٹکراتا تھا پھر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو ہمارے پاس آپہنچا۔ اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا یہ باتیں آپ نے کہاں سے سنیں کس نے بتلائیں. میرے پوشیدہ حالات کا کس طرح علم ہوا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ ان تمام کیفیتوں کو بچشم خود دیکھ رہے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب حاصل رہی ہے اچھا اب آپ مجھے اسلام کی تلقین فرمائیں اور دین اسلام میں داخل فرمائیں اب میں صدق دل سے مسلمان ہوتا ہوں

اس پر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر شہادت دے کہ سوائے بزرگ و برتر اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ راوی کہتا ہے کہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور ایسا اچھا مسلمان ہوا کہ رسول اللہؐ نے بنفس نفیس اسے کسی قدر قرآن مجید کی تعلیم فرمائی پھر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت ہے کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر تبلیغ اسلام کروں آپ نے اجازت عطا فرمائی کچھ عرصہ کے بعد پھر حاضر خدمت ہوا تو اس کے قبیلہ کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی جو سب کے سب مشرف بالاسلام ہو چکی تھی، اس واقعہ کے بعد جو کوئی امام حسن علیہ السلام کو دیکھتا تھا کہتا تھا لقد اعطی مالم یعط احد من الناس ان کو ایسے علوم و فضائل عطا فرمائے ہیں جو لوگوں میں سے کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئے۔

اخبار و احادیث میں منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے ہی اطلاع دی تھی کہ مجھ کو زہر دیا جائے گا جو میری وفات کا سبب ہوگا لوگوں نے عرض کیا آپ کے ساتھ یہ ظلم و ستم کون کرے گا فرمایا میری زوجہ میرے ساتھ ایسا کرے گی۔ لوگوں نے عرض کیا پھر آپ اسے گھر سے کیوں نکال نہیں دیتے۔ فرمایا کہ جرم سے پہلے سزا نہیں ہو سکتی۔ پس جیسا حضرت نے خبر دی تھی ویسا ہی ہوا۔

علم کلام

ابن طلحہ سے منقول ہے کہ ایک روز امام حسن علیہ السلام لباس فاخرہ پہنے ہوئے ایک اصیل اور نفیس بہترین نسل کی خچر پر سوار گھر سے برآمد ہوئے خدام آپ کے جلوس میں چل رہے تھے راہ میں ایک مفلس و قلاش یہودی سے ملاقات ہوئی جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے پانی سے بھرا ہوا گھڑا کندھے پر اٹھائے ضعف و پیری میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا سامنے آیا اس نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ میری عرض سنیئے اور انصاف کیجیے ارشاد فرمایا ہاں بیان کرو اس نے کہا آپ کے جد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے الدنیا سجن للمومن وجنۃ للکافر کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے آپ مومن ہیں اور میں کافر آپ انواع و اقسام کی نعمائے الہیہ سے اس دنیا میں لطف اندوز ہیں اور میں فقر فاقہ میں مبتلا ہوں آپ نے فرمایا اے شیخ! اگر تو ان نعمات الہیہ کو میرے لئے اور جملہ مومنین کے لئے دار الآخرت میں مہیا کی ہیں دیکھ لے اور وہ عذاب و عقاب جو باری تعالیٰ نے تیرے لئے دار الآخرۃ میں رکھا ہے. دیکھے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں باوجود اس فراخی اور وسعت کے تنگی اور بے رونق کے قید خانے میں مقید ہوں اور تو عقبیٰ کے عذاب کے مقابلہ میں جنت میں ہے۔ ابن صباغ مالکی صاحب فصول المہمہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ نظر کرنے والے نظر کریں اور دیکھیں کہ یہ جواب کس قدر صدق و صواب کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے کس طرح علم کی سوتے اور حکمت کے چشمے

آپ کی زبان حق ترجمان سے جاری ہوتے تھے اور کس قدر علم و فنون پر دسترس آپ کو حاصل تھا، کتنا متین صائب اور حکیمانہ جواب ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس قدر علم آپ کو رسالت سے ورثہ میں ملا۔

علم محاورات عرب

ابو مریم انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام غسل فرما کر حمام سے برآمد ہوتے کسی نے عرض کیا طاب استحمامک تمہارا حمام میں نہانا کیا ہی اچھا ہے آپ نے فرمایا اے بیوقوف یہاں اس ت (است) کا کیا مصرف ہے مدعا یہ ہے کہ استحام کو اغتسال کے معنی میں استعمال کرنا لغت غیر فصیح ہے اس نے عرض کیا پھر کیا کہوں فرمایا طاب ماطہر منک تم بخوبی طاہر ہو گئے۔

لفظ اس ت (است) جیسے باب استفعال کا شروع اور اس کی علامت ہے اسی طرح ایک علیحدہ لفظ بمعنی حلقہ دبر بھی ہے آپ نے اسے آگاہ کیا کہ حمام بہ است لگا کر اسے استحمام بنانا اور اس کو غسل کے معنی میں استعمال کرنا فصیح لغت نہیں ہے نیز ایک نوع کی مزاح تھا اس کے ساتھ کی کہ یا لکیع اے بیوقوف ماتفعل بالاست ہہنا، یہاں است کو لیکر کیا بنائے گا

ابو ہریرہ اسلمی سے منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے بچہ پیدا ہوا بعض قریش ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور ان میں سے کسی نے کہا۔ نہنک الفارس یعنی یہ سوار بچہ آپ کو مبارک ہو یعنی نیک فال کے طور پر کہا کہ یہ بچہ منجملہ سواران عرب کے ہو ارشاد فرمایا تجھے کیا علم ہے کہ بچہ فارس

(سوار) ہو گا یا ماجل (پیادہ) اس نے عرض کیا میں آپ پر فدا، پھر کس طرح مبارکباد کہوں آپ نے فرمایا کہو شکرت الواہب و بورک لک فی الموہوب بلغ اللہ اشدہ ورزقک برہ یعنی خدائے واہب کا شکر کرو وہ پاک ذات مولود میں برکت دے اور اس کو پروان چڑھائے اور تمہیں اس کی نیکیوں سے نفع اندوز ممتع کرے

علم فقہ

کافی میں منقول ہے کہ محمد بن مسلم نے امامین ہمامین ابو جعفر محمد باقر اور ابو عبد اللہ جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک روز امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی جگہ پر تشریف فرما تھے کہ کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا ابو محمد ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ فرمایا بتلاؤ کیا مسئلہ ہے انہوں نے کہا ایک عورت سے اس کے شوہر نے جماع کیا وہ ویسے ہی گرم گرم اٹھی اور ایک باکرہ پر جا پڑی اور اس کے ساتھ مساحقہ کیا حتیٰ جو نطفہ شوہر سے لیا تھا اس کے رحم میں ڈال دیا جس سے وہ باکرہ حاملہ ہو گئی۔ آپ اس مقدمہ میں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا قضیۃ و ابو الحسن لہا یہ ایک قضیہ ہے کہ ابو الحسن اس

---

1 یہ حضرت عمر کے مشہور قول کی طرف اشارہ ہے وہ کسی مشکل مسئلہ پر کہا کرتے تھے افسوس یہ مشکل ہے جس کے حل کرنے کو حلال مشکلات ابو الحسن علی موجود نہیں اس وقت سے یہ فقرہ بطور ضرب المثل اس مقام پر استعمال ہونے لگا جہاں کوئی عقدہ لاینحل آپڑے اور کوئی اس مشکل حل کرنے والا موجود نہ ہو (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳)

کے لئے موجود ہے۔ یعنی میں اس قضیہ کو بخوبی طے کر سکتا ہوں۔ پس فرمایا اس لئے میں حکم دیتا ہوں۔ درست ہوا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اور امیرالمومنین علیہ السلام کی جانب سے ہے خطا کی تو یہ خطا میری اپنی ہے اور امید ہے کہ خطا نہ ہوگی۔ عورت کو گرفتار کر کے اس سے زن باکرہ کا مہر لیا جائے کیونکہ مولود اس سے بغیر شگاف مقام مخصوص نہ نکل سکے گا جس سے بکارت اس کی زائل ہو جائے گی پھر وہ عورت سنگسار

کی جائے گی اس لئے کہ وہ محصنہ یعنی شوہر دار ہے اور دختر کے لئے اتنا انتظار کیا جائے گا کہ وضع حمل ہووے اس وقت اس پر اجرائے حد کیا جائے گا اور مولود اپنے والد صاحب نطفہ کی طرف رد کیا جائے گا وہ لوگ یہ حکم محکم امام حسن علیہ السلام سے سنکر واپس چلے تو امیرالمومنین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور صورت حال کو عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ مسئلہ مجھ سے دریافت کیا جاتا تو میں بھی یہی فیصلہ کرتا۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام سے ایک عورت کے متعلق استفسار کیا گیا جو اپنے شوہر کے گھر بعد نکاح پہلی مرتبہ گئی اس کی سوکن نے اسے دبوچ لیا اور اس کی چچا زاد بہنوں نے اسے پکڑے رکھا تو اس نے انگلی سے ازالہ بکارت کر ڈالا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲ سے آگے) امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قضیہ مشکل ضرور ہے مگر شکر ہے کہ اس کے لئے ابوالحسن موجود ہے یعنی خود وہ حضرت کہ باپ کے وارث حقیقی ہیں موجود ہیں۔

کہ ازالہ بکارت کرنے والی زانیہ ہے اس کے اوپر اس کا مہر لازم ہے اور سو دُرّے اس کے لگائے جائیں اور جنہوں نے اسے تھام رکھا وہ افترا پرداز ہیں یعنی اس کا حکم اس مقام پر جھوٹی تہمت لگانے والوں کا ہے ان کے اسّی اسّی تازیانے لگائے جائیں۔

حضرتِ امام حسن علیہ السلام کے اقوالِ حکیمانہ

حضرت امام حسن علیہ السلام سے حکمت آمیز باتیں بہت منقول ہیں اگر انسان ان پر عمل کرے تو اس کی سیرت میں ایک صالحانہ انقلاب آجائے ایک ایک بات سے علم و حکمت کے خزانے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ لَا اَدَبَ لِمَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ. لَا مُوَدَّۃَ لِمَنْ لَا ھِمَّۃَ، لَا حَیَا لِمَنْ لَا دِیْنَ لَہٗ، وَرَاْسَ الْعَقْلَ مُعَاشِرَۃَ النَّاسِ بِالْجَمِیْلِ، وَ بِالْعَقْلِ تُدْرَکُ دَارَانِ جَمِیْعًا وَمَنْ حُرِمَ الْعَقْلَ حُرِمَھُمَا جَمِیْعًا۔

جس کو عقل نہیں ملی اسے ادب بھی نہیں ملا۔ اور جس کو ہمت حاصل نہیں ہوئی وہ محبت بھی نہیں پاسکا۔ اور جس میں حیا نہیں اسے دین سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ عقل یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کی زندگی بسر کرے

اور عقل سے ہی دونوں گھر دنیا اور آخرت حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص عقل سے محروم ہو گا وہ دونوں گھروں سے بھی محروم رہے گا

۲- هلاك الناس في ثلاث في الكبر والحرص والحسد فالكبر هلاك الدين وبه لعن ابليس والحرص عدو النفس والحسد رائد سوء ومنه قتل قابيل هابيل.

تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں تکبر، حرص اور حسد۔ تکبر سے دین مٹ جاتا ہے اسی وجہ سے ابلیس (شیطان) ملعون قرار پایا، حرص انسان کی جان کا دشمن ہے یعنی جس شخص میں لالچ آیا وہ اپنا آپ دشمن ہو گیا۔ حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے اس کی ہی وجہ سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میرے والد بزرگوار جناب امیرؑ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو میں بہت پریشان ہوا حضور نے فرمایا کیوں حسنؑ! تم گھبراتے ہو میں نے عرض کی حضور میں آپ کو اس حالت میں دیکھتا ہوں تو پھر کیوں نہ میری یہ حالت ہو۔ حضرت نے فرمایا۔ بیٹا میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ان کے ذریعہ

سے ہر مصیبت سے نجات ملتی رہے گی۔

۳۔ لا غنی اکثر من العقل، لا فقر مثل الجھل لا وحشۃ اشد من العجب، لا عیش الذ من حسن الخلق، واعلم ان مروۃ القناعۃ والرضا اکبر من مروۃ الاعطاء وتمام الصنیعۃ خیر من ابتداھا۔

عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں اور جہالت جیسی کوئی فقیری نہیں۔ خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں اور حسن خلق سے زیادہ مزے کی کوئی چیز نہیں اور اس بات کو بھی سمجھ رکھو کہ قناعت اور رضا کی مروت عطا کرنے کی مروت سے بڑھی ہوئی ہے اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے۔ (نور الابصار ص ۱۳۲)

۴۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے سب سے اچھی زندگی کون بسر کرتا ہے۔ فرمایا جو اپنی زندگی میں دوسروں کو بھی شریک کرے پھر پوچھا سب سے بری زندگی کس کی ہے جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی بسر نہ کر سکے۔

۵۔ فرماتے تھے کہ ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لئے کسی نا اہل کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ مجھے موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا اس لئے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا تو اس تک پہنچنے کے لئے خوفزدہ ہونے کی بجائے مسرور ہوتے۔

۷۔ فرماتے تھے کہ مکارم اخلاق دس ہیں۔

(۱) زبان کی سچائی (۲) جنگ کے وقت حملہ کی شدت (۳) سائل کو دینا (۴) حسن اخلاق (۵) احسان کا بدلہ احسان (۶) صلہ رحم (۷) پڑوسی کی حفاظت و حمایت (۸) حق دار کی حق شناسی (۹) مہمان نوازی اور ان سب سے بڑھکر شرم و حیاو غیرت

(سیر الصحابہ جلد ۶ ص۲۱)

۸) ایک دفعہ معاویہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ آج تک مجھ سے تین باتوں کے معنی کسی نے نہیں بتلائے۔

آپ نے فرمایا کونسی باتیں

معاویہ نے عرض کیا مروّت۔ کرم اور بہادری۔

آپ نے فرمایا۔ مروّت کہتے ہیں انسان کا اپنے مذہب کی اصلاح کرنا۔ اپنے مال کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا اور اسے برمحل صرف کرنا۔ سلام زیادہ کرنا لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا۔

کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا احسان و سلوک کرنا برمحل کھلانا پلانا۔

بہادری کہتے ہیں پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا آڑے وقت میں اس کو امداد و حمایت کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا۔

۹. اسی طرح ایک دفعہ معاویہ نے ان سے دریافت کیا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں فرمایا جو سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بتائے ہیں معاویہ نے عرض کیا کہ کیا بتائے ہیں۔

فرمایا انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں جس سے اس کو نقصان نہ پہنچے۔

ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کرے۔

غصّہ اور خوشی دونوں میں عدل و انصاف کرے۔

فقر اور دولت مندی دونوں حالتوں میں میانہ روی قائم رکھے۔

زبردستی نہ کسی کا مال غصب کرے نہ اس کو بے جا صرف کرے۔

جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا (سیر الصحابہ جلد ۶ صـ۲۲) (ان میں سے اکثر حکیمانہ اقوال یعقوبی جلد ۲ صـ۲۶۸ تا صـ۲۷۰ سے ماخوذ ہیں)

ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے چند چیزیں عقل و دانائی کے بارے میں سوال کیں، امام حسن علیہ السلام نے ان مسائل کے بارے میں جو امیر المومنین علیہ السلام نے آپ سے دریافت فرمائے یا اس کے علاوہ کسی اور نے مختلف معانی کا سوال کیا حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔

یا بنیّ ما السداد؟ اے بیٹا سداد کیا ہے۔

عرض کیا، دفع المنکر بالمعروف۔ برائی کا نیکی سے دفعیہ کرنا۔

فرمایا فما الشرف؟ شرف کیا ہے۔

عرض کیا اصطناع العشیرۃ وحمل الجریرۃ۔

اپنے خاندان کے لوگوں کو نشو و ارتقا سے منتخب و چیدہ بنانا اور ان کا بوجھ اٹھانا یعنی ان کے معاملات کا کفیل ہونا۔

فرمایا فما المروّۃ؟ دانائی کیا ہے؟

عرض کیا۔ العفاف والاصلاح المال۔

عفت (پاکدامنی) اور مال کی اصلاح۔

تحف العقول میں ہے کہ دریافت کیا گیا دانائی کیا ہے۔ اس پر آپ نے جواب دیا۔

حفیظ الدین واعزاز النفس واللین الکنف تعہد الضیعہ واداء الحقوق وتحبب الی الناس

دین کی محافظت، عزت نفس، عجز و انکساری اور ایفائے عہد، ادائے حقوق اور خلق خدا کی محبت

دریافت کیا گیا۔ ما الکرم؟ سخاوت کیا ہے۔

فرمایا۔ الابتداء بالعطیۃ قبل المسئلۃ واطعام الطعام فی محلہ

سوال سے پہلے عطا کرنے کی ابتدا کرنا اور موقعہ و محل پر کھانا کھلانا۔

قال فما السماح۔ پوچھا گیا بخشش کیا ہے۔

فرمایا البذل فی العسر والیسر

کشائش اور تنگ دستی میں یکساں خرچ کرنا

قال فما الشح. دریافت کیا گیا بخل کیا ہے۔

فرمایا ان ترٰی ما فی یدیک شرفاً وما انفقتہ تلفاً

اگر تو اس چیز کو جو تیرے ہاتھ میں ہے شرف سمجھے اور جو تو نے خرچ کیا اسے تلف اور ضائع سمجھے۔

قال فما الاخاء۔ دریافت کیا گیا اخوت کیا ہے۔

فرمایا المساوات فی الشدۃ والرخاء

یعنی تنگ دستی اور خوشحالی میں مساوات قائم رکھنا

قال فما الجبن: دریافت کیا گیا بزدلی کیا ہے

فرمایا، الجرأۃ علی الصدیق والنکول عن العدو

دوست پر جرأت کرنا اور دشمن کے مقابلے میں پشت دکھانا۔

قال فما الغنیمۃ پوچھا گیا غنیمت کیا ہے۔

الرغبۃ فی التقویٰ والزہادۃ فی الدنیا

پرہیزگاری کی طرف رغبت اور دنیا میں زہد اختیار کرنا۔

قال فما الحلم؟ حلم کیا ہے

فرمایا۔ کظم الغیض وملک النفس

غصہ کا پی جانا اور نفس پر قابو رکھنا۔

قال فما الغنیٰ۔ دریافت کیا گیا دولت مندی کیا ہے۔

فرمایا رضا النفس مما قسم اللہ وان قل وانما الغنیٰ غنی النفس

اللہ کی تقسیم پر نفس کا راضی رہنا اگرچہ وہ قلیل ہی ہو۔ اور بے نیازی نفس

کی بے نیازی ہے۔

قال فما الفقر؟ دریافت کیا گیا تنگ دستی کیا ہے۔

فرمایا: شرہ النفس علیٰ کل شئی. نفس کا ہر چیز کی ہوس کرنا۔

قال فما الکلفہ؟ دریافت کیا گیا کلفت کیا ہے؟

فرمایا: کلامک فیما لا یعنیک

تیرا ایسا کلام کرنا جسے تو خود نہ سمجھے۔

قال فما المجد؟ دریافت کیا گیا بزرگی کیا ہے؟

فرمایا: ان تعطی فی الغرم وتعفو عن الجرم

فرمایا تیرا تنگدستی میں عطا کرنا اور جرم سے درگزر کرنا۔

قال فما السودد؟ دریافت کیا گیا کہ استحکام واستقامت کیا ہے؟

فرمایا اتیان الجمیل وترک القبیح. نیک شے کا حصول اور بری چیز کا ترک کر دینا

قال فما الحزم. پوچھا گیا احتیاط کیا ہے۔

فرمایا: طول الفناۃ ورفق بالولاۃ: دشمنوں پر احسان اور دوستوں سے نرمی کا برتاؤ۔

اور تحف العقول میں منقول ہے کہ حزم کیا ہے؟

فرمایا الاحتراس من جمیع الناس: تمام لوگوں سے بچاؤ۔

قیل فما الشرف: پوچھا گیا کہ شرف کیا ہے؟

فرمایا: موافقۃ الاخوان وحفظ الجیران. بھائیوں سے موافقت اور

ہمسایوں کی نگہبانی

قال فما الحرمان، پوچھا گیا کہ محرومی کیا ہے۔

فرمایا: ترک حظک وقد عرض علیک: تیرا اپنے حصہ کو اس وقت ترک کرنا جبکہ وہ تجھ پر پیش کیا گیا ہو۔

فقال علی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لا فقر اشد من الجہل لا مال اعود من العقل۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جناب امیر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کوئی مفلسی جہالت سے زیادہ شدید نہیں اور کوئی مال عقل سے زیادہ لوٹنے والا نہیں۔

سئل عن المروۃ ان سے عقل و دانائی کے متعلق سوال کیا گیا

قال شح الرجل علی دینہ و اصلاحہ مالہ و قیامہ بالحقوق

فرمایا انسان کا اپنے دین میں سبقت کرنا، اپنے مال کی اصلاح کرنا اور حقوق کی نگہداشت عقل و دانائی ہے۔

سئلہ رجل ان یجالسہ فقال ایاک ان تمدحنی فانا اعلم بنفسی منک او تکذبنی فانہ لا رای لمکذوب وتغتاب عندی احدا فقال لہ الرجل اذن لی فی الانصراف قال نعم اذا شئت

ایک آدمی نے ان سے پاس بیٹھانے کا سوال کیا۔ پس آپ نے فرمایا تجھے واضح ہو کہ اگر تو میری مدح کرے گا تو میں اپنے نفس کو

تجھ سے زیادہ جانتا ہوں اور اگر تو میری تکذیب کرے گا تو جھٹلائے جانے والے کی کوئی رائے نہیں یا تو میرے پاس کسی کی غیبت کرے گا پس اس آدمی نے کہا مجھے لوٹ جانے کی اجازت دیجئے فرمایا ہاں اگر تو چاہے۔

امام حسن علیہ السلام عید کے روز ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو کھیل کود اور ہنسی خوشی میں مصروف تھی ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔

إنّ الله جعل شهر رمضان مضماراً لخلقه يستبقون فيه بطاعته الى مرضاته فسبق قوم ففازوا وقصر آخرون فخابوا فالعجب كل العجب من ضاحك لعب في اليوم الذي يثاب فيه المحسنون ونقص فيه المبطلون وايم الله لوكشف الغطاء لعلم ان المحسن مشغول باحسانه والمسئي مشغول باساءته ثم مضى۔

اللہ تعالیٰ نے ماہ مبارک رمضان کو اپنی مخلوق کے لئے دوڑ کا میدان قرار دیا ہے جس میں لوگ اس کی اطاعت سے اس کی رضوان کی طرف سبقت کرتے ہیں پس ایک قوم نے سبقت اختیار کی وہ کامیاب و کامران ہو گئی اور دوسرے لوگوں نے کوتاہی کی وہ ناکام رہے۔ تعجب ہے اور انتہائی تعجب ہے اس شخص پر جو ہنسی اور کھیل میں اس دن کو گذارے جس میں نیک لوگ ثواب

حاصل کرتے ہیں اور اس میں باطل پرست خسارے میں رہتے ہیں خدا کی قسم اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو انہیں معلوم ہو جائے کہ نیکوکار اپنی نیکی میں مشغول ہے اور بدکار اپنی بدی میں مصروف ہے پھر آپ تشریف لے گئے۔

جنادہ بن امیہ نے آپ کی اس حالت مرض میں جس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی سوال کیا۔ اے فرزند رسول! مجھے نصیحت فرمائیے فرمایا بہتر۔

استعد لسفرك واحصل زادك قبل حلول اجلك واعلم انك تطلب الدنيا والموت يطلبك ولا تحمل هم يومك الذى لم ياتك على يومك الذى انت فيه واعلم انك لا تكسب من المال شيئا فوق قوتك الا كنت فيه خازنا لغيرك واعلم ان الدنيا فى حلالها حساب وفى حرامها عقاب وفى الشبهات عتاب فانزل الدنيا بمنزلة الميتة خذ منها ما يكفيك فان كان حلالا فقد زهدت فيها وان كان حراما لم يكن فيه وزر فاخذت منه كما اخذت من الميتة وان كان عتاب فالعتاب يسير واعمل الدنياك كانك تعيش ابدا واعمل لاخرتك كانك تموت غدا واذا اردت عزا بلا عشيرة و

هيبة بلا سلطان فما خرج من ذل معصية الله
الى عز طاعة الله عزوجل واذا نازعتك الى صحبة
الرجال حاجة فاصحب من اذا صحبته زانك واذا
قدمته صانك واذا اردت معاونة اعانك وان
قلت صدق قولك وان صلت شد صولك وان مددت
يدك لفضل مدها وان بدت منك ثلمة سدها
وان رأى منك حسنة عدها وان سألته اعطاك
وان سكت عنه ابتداك وان نزلت بك احدى
المسلمات واساك من لا تاتيك منه البوائق ولا
تختلف عليه منه الطرائق ولا يخذلك عند الحقائق
وان تنازعتما منقسما اثرك

اپنے سفر کے لئے تیار ہوجا اور موت آنے سے پہلے زادراہ مہیا کرلے اور جان لے کہ تو دنیا کو طلب کر رہا ہے اور موت تیری تلاش میں ہے۔ اور تو اس دن کا غم کا بار جو نہیں آئے گا اس دن پر نہ ڈال جس میں تو اس وقت ہے اور تو جان لے کہ اپنی ضروریات سے زیادہ جو کچھ بھی تو کماتا ہے اس میں تو اپنے غیر کے لئے خزانچی ہے۔ اور جان لے کہ دنیا ایسی ہے جس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عقاب ہے اور اس کی مشتبہ چیزوں میں عتاب ہے۔ اور دنیا کو گھٹا کر ایک مردار کی مانند

سمجھ لے۔ صرف اس سے وہ چیز لے جو تیرے لیئے کافی نہ ہو پس اگر وہ حلال ہو گی تو تونے اس میں زہد اختیار کیا۔ اور اگر وہ حرام ہو گی تو اس کا تجھ پر کوئی بار نہیں ہو گا۔ تونے اس میں سے ایسا لیا گویا کہ مردار میں سے لیا۔ اور اگر عتاب پس عتاب آسان ہے۔

دنیا میں ایسی سرگرمی سے کام کر گویا کہ تو اس میں ہمیشہ زندگی بسر کرے گا اور آخرت کے لیئے اس طرح کام کر گویا کہ تو کل مر جائے گا اور جب تو بغیر خوش و خرم کے عزت اور بغیر حکومت کے ہیبت کا خواہاں ہو تو خدا کی نافرمانی کی ذلت سے نکل جا اور اللہ کی اطاعت کی عزت اختیار کر۔

جب تو کسی حاجت کے لئے لوگوں کی صحبت اختیار کرے تو اس کی صحبت اختیار کر کہ اس کی صحبت تیرے لئے زینت ہو اور جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے اور جب تو اس سے مدد طلب کرے تو تیری اعانت کرے اور جب تو کچھ کہے تو تیری بات کی تصدیق کرے اگر صولت چاہیے تو تیری صولت کے استحکام کا سبب ہو اور اگر تو زیادتی فضل کے لئے ہاتھ بڑھائے تو وہ اسے بڑھائے تجھ سے کسی بدی کا ظہور ہو تو اس پر پردہ پوشی کرے اور اگر تجھ سے نیکی صادر ہو تو اسے شمار میں لائے اگر تو اس سے سوال کرے تو تجھے عطا کرے اگر تو

خاموش ہو تو وہ بات کرنے میں پہل کرے تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو مواسات کرے یعنی تیرے لئے قربانی اختیار کرے وہ ایسا ہو کہ جس سے تجھے رنج والم نہ پہنچے اور وہ تیرے ساتھ راہ چلنے میں اختلاف نہ کرے اور حقائق وقت تجھے ذلیل ورسوا نہ کرے اگر کسی تقسیم پر تم میں نزع پیدا ہو تو وہ ایثار اختیار کرے۔

قال علیہ السلام، ماتشاور قوماً الاّ ہدوا الی رشدھم تم صحیح رہنمائی کرنے والے گروہ کے سوا کسی سے مشورہ نہ کرو۔

اللؤم ان لا تشکر نعمتہ۔ نعمت کا شکر ادا نہ کرنا کمینگی ہے

قال لبعض ولدہ یا بنیّ لا تواٰخ احداً حتّٰی تعارف موارد ومصادرہ اے بیٹا تم کسی کو بھائی نہ بناؤ جب تک کہ تم مقامات آمدورفت کو نہ جان لو۔

القریب من قربتہ المؤدۃ وان بعدہ نسبہ والبعید من بعدتہ المؤدۃ وان قرب نسبہ

تمہارا قریبی وہ ہے جو مودّت کے لحاظ سے تمہارے قریب اگرچہ خاندان کے لحاظ تم سے دور ہو اور تمہارے لئے وہ بعید ہے جو محبت کے لحاظ سے دور ہو اگرچہ خاندان کے لحاظ سے تمہارا قریبی ہے۔

الخیر الذی لا شر فیہ الشکر مع النعمۃ والصبر علی النازلۃ

ایسی نیکی کہ جس میں کوئی برائی نہیں نعمت کے ساتھ شکر ہے اور مصیبت کے ساتھ صبر ہے۔

العار اھون من النار۔ ذلت کی زندگی جہنم سے پست ہے۔

وقال فی وصف اخ صالح کان لہ۔ آپ نے اپنے ایک نیک بھائی کی تحسین اس طرح فرمائی۔

کان من اعظم الناس فی عینی وکان براس ما عظم بہ فی عینی صغر الدنیا فی عینہ کان لا یشتکی ولا یسخط ولا یتبرم کان اکثر دھرہ صامتا فاذا قال بذ القائلین کان اذا جالس العلماء ان یستمع احرص منہ علی ان یقول کان اذا غلب علی الکلام لم یغلب علی السکوت کان لا یقول ما لا یفعل ویفعل ما لا یقول کان اذا عرض لہ امران لا یدری ایھما اقرب الی ربہ نظر اقربھما من ھواہ فخالفہ کان لا یلوم احدا علی ما قد یقع العذر مثلہ وقیل لہ فیک عظمۃ فقال بل فی عزۃ قال اللہ تعالی وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین

اور میری نظر میں اس کی عظمت کا اصل سبب دنیا کو حقیر سمجھنا تھا وہ کبھی شکایت نہیں کرتا تھا اور نہ ہی غیظ و غضب کا اظہار کرتا تھا۔ اکثر وقت خاموش رہتا تھا جب بات کہتا تھا تو کہنے

والوں پر فوقیت لیجاتا تھا اور جب وہ علما کی مجلس میں ہوتا تو بات کہنے سے زیادہ بات سننے کا حریص ہوتا. اور جب کلام پہ غالب ہوتا تو خاموشی پر غالب ہوتا وہ ایسی بات نہیں کہتا تھا جسے عملی طور پہ نہ کرے جو نہیں کہتا تھا اسے بھی کرتا تھا۔ جب سامنے کوئی ایسی بات آتی اور اسے اس کا علم ہوتا کہ دونوں میں سے خدا کے نزدیک زیادہ قریب کونسی ہے وہ زیادہ قریب پر نظر کرتا اور اپنی خواہش کی مخالفت کرتا اور کسی کو بھی ملامت نہ کرتا جبکہ کوئی شخص معذور ہوتا اسے کہا گیا کہ تجھ میں عظمت ہے کہنے لگا کہ عزت کے بارے میں ارشاد رب العزت ہے کہ عزت تو صرف اللہ اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے کشف الغمہ میں ہے

لو ان رجل الا ان تزجولوا لہ. او تخاف یدہ او تقبل من علمہ او ترجو برکۃ دعائہ او تصل رحما بینک وبینہ ما رایت ظالما اشبہ بمظلوم من حاسد

کسی شخص کے پاس نہ جا سوائے اس کے کہ تو اس کی بخشش کی تمنا رکھے یا اس کی قوت سے خوف کھائے یا اس کے علم سے فائدہ حاصل کرے یا اس کی دعا کی برکت کا آرزومند ہو یا وہ تجھ سے صلہ رحمی کرے میں نے کوئی ظالم مظلوم سے زیادہ مشابہت رکھنے والا حاسد سے بڑھ کر نہیں پایا۔

آپ نے فرمایا یا ابن ادم عف عن محارم اللہ تکن عابدا

وارض بما قسم الله تکن غنیاً فاحسن جوار من جاورک تکن مسلماً وصاحب الناس بمثل ما تحب ان یصاحبوک به تکن عدلاً انه کان بین ایدیکم اقوام یجمعون کثیراً ویبنون مشیداً ویاملون بعیداً اصبح جمعهم بوراً وعملهم غروراً ومساکنهم قبوراً یابن آدم انک لم تزل فی هدم عمرک منذ سقطک من بطن امک فخذ مما فی یدیک لما بین یدیک فان المومن یتزود وان الکافر یتمتع.

اے آدم کے بیٹے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے علیحدگی اختیار کر تو عابد بن جائے گا. خدا کی تقسیم کی ہوئی چیزوں پر راضی ہو تو بے نیاز ہو جائے گا ہمسائے سے نیک سلوک کر تو مسلم ہو جائے گا ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کر جنہیں تو چاہتا ہے کہ وہ تیری صحبت اختیار کریں تو عادل بن جائے گا. تمہارے سامنے ایسی قومیں تھیں جو کہ بڑے بڑے جتھے تھے اور وہ مضبوط عمارتیں بناتے تھے اور بعید از کار آرزوئیں رکھتے تھے ان کی جماعتیں تباہ ہو گئیں اے آدم کے بیٹے جب سے تو بطن مادر سے باہر آیا ہے تو اپنی عمر کو منہدم کر رہا ہے تو پیش آنے والے امر کے لئے موجودہ شئے حاصل کر لے کیونکہ مومن یہاں زاد راہ حاصل کرتا ہے اور کافر صرف دنیاوی فائدہ۔

قال علیہ السلام ما فتح اللہ عزوجل علی احدٍ باب مسئلۃٍ فخزن عنہ باب الاجابۃ ولا فتح علی رجل باب عملٍ فخزن عنہ باب القبول ولا فتح لعبدٍ باب شکر فخزن عنہ باب المزید

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا خدائے عزوجل نے کسی پر باب سوال کو نہیں کھولا۔ بلکہ باب اجابت کو بھی اور کسی شخص پر عمل بلکہ باب قبول بھی اور جس عبد کے لئے شکر کا دروازہ کھولا تو اس پر زیادتی کا باب بھی کھول دیا۔

قال علیہ السلام المعروف ما لم یتقدمہ مطل ولا یتبعہ منّ والاعطاء قبل السوال من اکبر السؤدد

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا نیکی وہ ہے جس کے قبل ریاکاری نہ ہو اور نہ اس کے بعد احسان جتلاتا ہو اور سوال سے پہلے عطا کرنا سب سے بڑی سخاوت ہے۔

قال علیہ السلام لا تعاجل الذنب بالعقوبۃ واجعل بینہما للاعتذار طریقا

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا گناہ پر سزا دینے میں جلد بازی نہ کرو بلکہ ان دونوں کے درمیان عذر کا رستہ کھلا رکھو۔

المزاح یاکل الھیبۃ وقد اکثر من الھیبۃ الصامت

مذاق ہیبت کو کھا جاتا ہے اور ہیبت کا زیادہ حصہ خاموشی میں ہے

المسئول حر حتى يعد والمسترق حتى ينجز

جس سے سوال کیا جائے وہ آزاد ہے جب تک کہ وعدہ نہ کرے

اور پابند ہے جب تک کہ پورا نہ کرے۔

الفرصة سريعة الفوت وبطئ العود۔ فرصت

جلد فوت ہونے والی ہے اور دیر سے لوٹنے والی ہے۔

تجهل النعم ما اقامت فاذا ولت عرفت

تونے نعمتوں سے جب تک وہ موجود تھیں جہالت اختیار کی اور جب انہوں نے

پیٹھ پھیر لی تونے ان کی قدر جانی۔

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar#2
KARACHI
PH. 7211795

خطوط و خطبات و مکالمات

امام حسن علیہ السلام خطابت میں یگانہ روزگار تھے آپ کے نانا سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع الکلم تھے، آپ کے دادا حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنے زمانے کے یکتا خطیبوں میں سے تھے آپ کی والدہ گرامی حضرت عصمت کبریٰ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار خطابت کے معراج کمال پر فائز تھیں آپ کے والد بزرگوار اخطب الخطباء افصح الفصحا جن کا کلام تحت کلام خالق اور فوق کلام مخلوق ہے علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں گویا خطابت ننہال کی طرف سے بھی ددھیال کی طرف سے بھی آپ کو ورثہ میں ملی تھی اور اللہ کی طرف سے بھی عطا ہوئی تھی آپ نے بچپن سے ہی خطابت کے بلند مقام پہ فائز تھے۔

چنانچہ جناب امام علیہ السلام نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔

کان اصدق الناس لہجتہ وافصحہم منطقاً

لوگوں میں بہت سچ بولنے والے اور فن تقریر میں بہت فصیح تھے

حضرت امام حسن حضرت علی جیسے فاضل باپ کے فاضل بیٹے تھے حدیث میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا فقہ میں ایسا کمال تھا کہ آپ مدینہ کی صاحب علم دافتا جماعت کے رکن تھے آپ کے خطبات میں متانت اور پند وعظ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔

تاریخ اسلام مؤلفہ نشتر جالندھری صلا ۲۶۹

عمر بن اسحاق راوی ہیں کہ مجھے حسن بن علی کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ملا کہ وہ باتیں کرے اور میرا جی چاہے کہ سنتا ہی رہوں وہ بولتا رہے میں خاموش کھڑا سنا کروں ان کی زبان سے کبھی میں نے کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔

(تاریخ اسلام مؤلفہ پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم)

زمانۂ طفولیت میں ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا "تم خطبہ دو میں اسے سنوں" امام حسن علیہ السلام نے عرض کیا مجھے آپ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے یہ سنکر حضرت علی مرتضیٰ آڑ میں چلے گئے اور حضرت حسن نے کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے سنکر جناب امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کیوں نہ ہو بیٹے میں باپ کا اثر ہوتا ہی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ ۳۷)

جناب امام حسن علیہ السلام کے بہت سے خطبات اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں جو حسن وعن خطابت کے لحاظ سے بھی اور علمی رفعت کے لحاظ سے بھی اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہیں ان میں سے چند کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں اس سے آپ کو امام حسن علیہ السلام کی

خطابت کا اندازہ ہو جائے گا۔

۱۔ معاویہ سے صلح سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا۔

قال بعد حمد اللہ عزوجل انا واللہ ما ثنانا عن اهل الشام شك ولا ندم انما كنا نقاتل اهل الشام بالسلامة والصبر فصلبت السلامة بالعداوة و الصبر بالجزع كنتم فى منتدبكم الى صفين ودينكم امام دنياكم فاصبحتم اليوم ودنياكم امام دينكم الا وانا لكم كما كنا ولستم لنا كما كنتم الا وقد اصبحتم بين قتلين قتيل بصفين تبكون له وقتيل بالنهروان تطلبون ثاره واما الباقى فخاذل

حمد الٰہی کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا ہم کسی شک وشبہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیوں کے مقابلے سے نہیں لوٹ آئے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ہم شامیوں سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی صاف دلی کی جگہ عداوت نے اور صبر و ثبات کی جگہ بے چینی نے لے لی صفین میں جب تم بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا اب حالت اس کے برعکس ہے۔ آج تمہاری دنیا تمہارے دین پر مقدم ہے ہم اب بھی تمہارے لئے ویسے ہیں جیسے پہلے تھے لیکن تم ہمارے لئے ویسے نہیں جیسے پہلے تھے اب بھی تمہارے

سامنے دو قسم کے مقتول ہیں ایک صفین کے مقتول جن کے لئے تم رو رہے ہو دوسرے نہروان کے مقتول جن کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو۔ لیکن رونے والا بدلہ پائے گا اور باقی ناکام رہے گا۔ معاویہ تمہیں ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جو عزت اور انصاف دونوں کے خلاف ہے پس اب اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر ہے اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم اسے معاویہ ہی کی طرف لوٹا دیں اور تلواروں کی دھاروں کے ذریعہ سے خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ہم اسے بھی منظور کریں اور تمہارے لئے رضا حاصل کریں۔

واما الباقی فثائر الا وان معاویۃ دعانا الی امر لیس فیہ عز ولا نصفۃ فان اردتم الموت رددناہ علیہ وحاکمناہ الی اللہ عزوجل نظباء السیوف وان اردتم الحیوۃ قبلناہ واخذنا لکم الرضا

(اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۳)

ایک دفعہ کسی نے معاویہ سے کہہ دیا لو امرت الحسن ابن علی ابن ابی طالب یصعد المنبر فخطب لیبتین نقصہ حسن ابن علی ابن ابی طالب سے کہو کہ منبر پر جاکر خطبہ پڑھیں تاکہ لوگوں پر ان کا نقص ظاہر ہو جائے۔ معاویہ نے امام علیہ السلام کو بلایا اور عرض کیا کہ منبر پر تشریف لے جائیں اور وعظ و نصیحت فرمائیں امام حسن علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے بعد حمد و

ثنا فرمایا۔

ایھا الناس من عرفنی فقد عرفنی فمن لم یعرفنی
فانا الحسن ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام وابن
سیدۃ النسا فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم انا ابن خیر خلق اللہ انا ابن رسول اللہ
انا صاحب الفضائل انا صاحب المعجزات والدلائل
انا ابن امیر المومنین انا الممنوع عن حقی انا اخی الحسین
سید شباب اھل الجنۃ انا ابن الرکن والمقام
انا ابن مکۃ ومنی انا ابن مشعر وعرفات۔

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے پہچانتا ہے جو نہیں پہچانتا وہ
جان لے میں حسن ابن علی ابن ابی طالب ہوں میں سیدۃ نسا
فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں جو رسول اللہ کی بیٹی تھیں میں بہترین
خلق خدا کا بیٹا ہوں رسول اللہ کا فرزند ہوں۔ میں صاحب
فضائل اور صاحب معجزات و دلائل ہوں میں امیرالمومنین
کا بیٹا ہوں۔ نیز مجھے میرے حق سے محروم کیا گیا ہے۔ حسینؑ
میرے بھائی ہیں جو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ میں صاحب
رکن ومقام ہوں میں صاحب مکہ و منیٰ ہوں میں صاحب
مشعر وعرفات ہوں۔

معاویہ نے جو یہ رنگ دیکھا خائف ہوا کہنے لگا یا ابا محمد کچھ "رطب"

کھجور کی تعریف میں فرمایئے اور اس کلام کو چھوڑیئے فرمایا۔

الریح تنفخه والحرور ینفتجه والبرود یطیبه ثم عاد فی کلامه فقال انا امام خلق الله وانا ابن امیر المؤمنین وانا ابن محمد رسول الله فخشی معاویه ان یتکلم بعد ذلک عما یفتتن به الناس فقال یا ابا محمد انزل فقد کفی ما جری فنزل۔

ہوا رطب کھجور کو بڑھاتی ہے اور گرمی پکاتی ہے اور ٹھنڈک لطیف بناتی ہے پھر اپنے کلام کی طرف رجوع فرمایا۔ میں امام خلق خدا ہوں اور امیرالمومنین کا بیٹا ہوں میں رسول اللہ کا بیٹا ہوں۔ معاویہ کو خوف محسوس ہوا کہ اس کلام کے بعد پھر ایسا کلام نہ فرمائیں کہ لوگ میرے خلاف فتنے بپا کریں۔ عرض کیا یا ابا محمد بس اب اتر آیئے آپ نے جو کچھ فرمایا کافی ہے حضرت منبر سے نیچے تشریف لے آیئے۔

بعض لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام سے عرض کیا کہ امام حسن علیہ السلام کلام کرنے سے عاجز ہیں۔ آنحضرت نے امام حسن کو طلب فرمایا اور فرمایا لوگ تمہارے لئے وہ باتیں کہتے ہیں جو مجھے ناپسند ہیں۔

عرض کیا کیا کہتے ہیں۔

فرمایا یہ لوگ کہتے ہیں کہ حسنؑ کلام سے عاجز ہیں۔ تم لوگوں کو اپنے شرف سے باخبر کر دو۔

عرض کیا یا امیر المومنین! میں اس حالت میں قدرت نہیں رکھتا کہ آپ بھی سامنے موجود ہوں۔

فرمایا میں تمہارے سامنے سے ہٹ جاتا ہوں، پھر لوگوں کو جمع کیا امام حسن علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے فخطب خطبۃ بلیغۃ وجیزۃ آپ نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا فضج المسلمون بالبکا جسے سنکر لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے، فرمایا۔

۳۔ ایھا الناس اعقلوا عن ربکم ان اللہ عزوجل قال ان اللہ اصطفی ادم ونوحا وال ابراھیم وال عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم فنحن ذریۃ من ادم والاسرۃ من نوح والصفوۃ من ابراھیم والسلالۃ من اسمعیل وال محمد نحن فیکم کالسماء المرفوعۃ والارض المدحورۃ کالشمس الضاحیۃ وکشجرۃ الزیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ ربیتھا النبی اصلھا وعلی فرعھا ونحن واللہ ثمرۃ تلک الشجرۃ فمن تعلق بغصن من اغصانھا نجی ومن تخلف عنا فالی النار ھوی

اے لوگو! اپنے پروردگار کا کلام سمجھو کہ وہ فرماتا ہے کہ اللہ نے آدم کو پاکیزگی میں منتخب کیا اسی طرح نوح کو آل ابراہیم اور آل عمران کو چنا اور عالمین سے انتخاب فرمایا۔ یہ بعض بعض کی اولاد

ہیں۔ اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔ پس ہم ذریت آدمؑ سے
ہیں ہم ابراہیمؑ کی پاکیزہ اولاد ہیں اور اسمٰعیلؑ کا سلالہ ہیں اور ہم
ہی آل محمدؐ ہیں۔ ہم تمہارے درمیان مثل بلند آسمان اور وسیع زمین کے
ہیں۔ اور مثل روشن آفتاب کے ہیں اور شجرۂ زیتون کی مانند
ہیں جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ رسول اللہ اس درخت کی اصل ہیں
اور علی شاخ ہیں اور ہم خدا کی قسم اس درخت کا پھل ہیں جو شخص
اس درخت کی شاخوں میں سے کسی شاخ کو اختیار کرے وہ نجات
پائے گا اور جو دور رہے وہ جہنم میں جائے گا۔

پس ایک دفعہ جناب امیر علیہ السلام جو دور لوگوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے
اسے اس حال میں کہ ردائے مبارک کھینچ رہے تھے قریب تشریف
لائے منبر پر تشریف لے گئے امام حسن علیہ السلام کی پیشانی پر بوسہ دیا اور
فرمایا ابن رسول اللہ! تم نے قوم پر حجت تمام کر دی اور اپنی اطاعت ان پر
واجب کی پس افسوس ہے اس شخص پر جو تمہاری مخالفت کرے۔

(بحار الانوار۔)

امام حسن علیہ السلام کے خطبات کے اثر و زور کلام کا اندازہ اس واقعہ
سے ہوتا ہے کہ آپ جب کوفہ میں بعد صلح تشریف لائے اس وقت معاویہ
وعمرو عاص وغیرہ سب جمع تھے اس وقت معاویہ کے پرائم منسٹر عمرو عاص
نے معاویہ کو رائے دی کہ وہ امام حسن علیہ السلام سے عرض کریں کہ وہ خطبہ
دیں۔ چونکہ وہ عاجز رہیں گے اور خطبہ نہیں دے سکیں گے لہٰذا لوگوں پر انکی

حقیقت واضح ہو جائے گی۔ معاویہ نے کہا ان کا خطبہ میرے کام نہیں آئیگا لیکن عمرو عاص کے اصرار سے راضی ہو گیا۔ چنانچہ اس نے امام حسن علیہ السلام سے عرض کی آپ نے بعد حمد و ثنائے باری تعالیٰ خطبہ پڑھنا شروع کیا۔

ایھا الناس فان اللہ ھدٰکم باولنا وحقن دماء کم باٰخرنا وان لھذا الامر مدۃ وان اللہ قال لنبیہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین

فلما قالھا قال معاویہ اجلس فلم یزل ذما علی عمرو فقال ھذا امن رائك ولحق الحسن بالمدینۃ۔

اے لوگو! ہمارے پہلے بزرگوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کی اور ہمارے آخری افراد کے ذریعہ سے تمہارا خون بہنے سے حفاظت کی اس امر کے لئے مدت مقرر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے۔

جب آپ نے یہ فرمایا تو معاویہ نے کہا آپ بیٹھ جائیے اور معاویہ کے دل میں عمرو کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا اور کہا یہ تیری رائے سے ہوا ہے امام حسن علیہ السلام مدینہ واپس تشریف لے گئے

تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۹۳، روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۶

اللہ اللہ! امام حسن علیہ السلام کی مظلومیت کی انتہا ہے کہ امام حسنؑ کو اموی حکومت میں آزادی اظہار خیال بھی حاصل نہیں۔

سیاست کی دنیا بھی عجیب ہے کہ وہ خاندان جس نے اسلام کے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اسی خاندان نے اقتدار حاصل کر کے سب سے زیادہ مسلم سیٹ سے فائدہ اٹھایا اور اس خاندان کو جس کی عظیم قربانیوں سے سلطنت کی بنیاد رکھی گئی اور مستحکم ہوئی اسے گوشہ معزولت میں بٹھا دیا۔

کوفہ سے مراجعت کے وقت آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر و بے مثال ہے اس خطبہ مبارکہ کا خلاصہ یہ تھا۔ اگرچہ اس صلح کے بعد عنان اقتدار سلطنت دنیویہ معاویہ کے ہاتھ میں چلی گئی مگر یہ اقتدار صرف مادی و دنیاوی ہے اس سے معاویہ کو کوئی شرف حاصل نہیں کوئی دینی فضیلت نہیں ملی روحانی شرف و فضیلت تو انہی کا حق ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حقدار بنایا ہے وہ حقدار بنی ہاشم میں آل محمد ہیں۔ اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ دنیوی سلطنت معاویہ کو مل گئی لیکن امامت و خلافت تو منصوص من اللہ ہے وہ اس قسم کے صلح ناموں سے مل نہیں سکتی۔

جب امام حسن علیہ السلام نے مادی و دنیاوی سلطنت معاویہ کے سپرد کر دی اور آپ مدینہ کی طرف مراجعت فرمانے کی تیاری میں مصروف تھے تو اموی حکومت کے مشیروں کا ایک گروہ معاویہ کے پاس جمع ہوا اور اس سے کہا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم لوگ امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں ملاقات

کے لئے جائیں تاکہ ہم ان کو اپنے کلام سے شرمندہ کر سکیں قبل اس کے وہ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں ان لوگوں میں عمرو عاص اور ولید بن عتبہ بھی تھے معاویہ نے یہ سنکر انہیں روکا اور کہا امام حسن علیہ السلام بنی ہاشم جیسے افصح و اخطب قبیلہ سے ہیں خود بھی بہت لسّان ہیں. مگر ان لوگوں نے اصرار کیا آخر معاویہ نے امام علیہ السلام کو بلایا جب سب جمع ہوئے تو گفتگو شروع ہوئی اور ان لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نازیبا کلمات کہنے شروع کئے۔ امام حسن علیہ السلام انتہائی صبر و تحمل سے ساکت بیٹھے رہے جب وہ فارغ ہوئے تو امام حسن علیہ السلام حمد و ثنائے باری کے بعد اپنے جد رسول اللہ پر صلوٰۃ بھیجی اور فرمایا۔

اردو ترجمہ

وہ جن کی طرف تم نے اشارہ کیا وہی ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو بیعتیں کیں اور تم سب مشرک تھے اور اس شے سے جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی منکر تھے، انہوں نے اپنے نفس پر خواہشات نفسانی کو حرام کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے یہ آیۂ مبارکہ نازل فرمائی۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم ان پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جنہیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے۔

اے معاویہ تو وہ شخص ہے کہ رسول اللہ نے جس کے لئے فرمایا کہ "اللہ اس کا شکم کبھی سیر نہ ہو" اور امیر المومنین وہ تھے کہ مشرکین سے آنحضرت کی حفاظت کرتے تھے اور شب ہجرت اپنی جان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح فدا کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں آیہ ومن الناس من یشری الخ نازل فرمائی اور خدا نے ان کو ایمان سے اس طرح متصف کیا کہ آیۂ انما ولیکم اللہ نازل فرمائی۔ اور یہی امیر المومنین علیہ السلام ہیں اور جن کے لئے رسالت مآب نے فرمایا۔

تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور فرمایا تم میرے دنیا و آخرت میں بھائی ہو۔

اور اے معاویہ تو وہ ہے کہ جب جنگ خندق کے روز رسول اللہ نے دیکھا کہ تیرا باپ اونٹ پر سوار لوگوں کو قتل رسول پر آمادہ کر رہا ہے اور تیرا بھائی اونٹ کی مہار کھینچ رہا تھا اور تو اس کو ہنکا رہا تھا پس رسول اللہ نے فرمایا اللہ . . . . . کرے سوار پر اور کھینچنے والے اور ہانکنے والے پر اور جب بھی تیرے باپ نے آنحضرت کا مقابلہ کیا حضور نے اس پر . . . فرمائی اور تو بھی اس کے ساتھ تھا اور تو وہ شخص ہے جو اپنے باپ کو اسلام لانے سے روکتا تھا۔ یہاں تک کہ تو نے اپنے باپ سے مخاطب ہو کر اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔

"اے صخر اسلام نہ لا بس تو ہم کو ذلیل کرے گا ان لوگوں
کے بعد جو بدر میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے اور تو ایسے
امر کی طرف مائل نہ ہو ہماری گردنوں میں بے وقوفی
کا طوق ڈال دے قسم ہے ان اونٹوں کی جو وادی نعمان
میں تیز رو ہیں"۔

اے معاویہ تو وہی وہ شخص ہے جسے حضرت عمر نے شام کا گورنر بنایا تو تو نے خیانت کی۔ پھر عثمان نے تجھے والی کیا تو تو ان کے لئے بدی کا منتظر رہا اور تو جنگ بدر و احد و خندق تمام شاہد میں رسول اللہ سے مقابلہ کرتا رہا۔ اور لوگ اس بستر کو جانتے ہیں کہ جس پر تو پیدا ہوا۔

پھر امام عمرو عاص کی طرف متوجہ ہوئے اسے اس کی منافقت اور مکاری پر متوجہ کیا اسی طرح عتبہ کو بھی آخر آپ تشریف لے گئے۔

(تذکرۃ خواص الالہ تسبط ابن جوزی)

معاویہ نے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے لئے یہ چال چلی جب مختلف مقامات کے وفود اس کے پاس جمع ہوئے ان میں احنف بن قیس بھی تھا تو معاویہ نے ضحاک بن قیس النہری کو بلایا۔ اور کہا جب میں منبر پر جاؤں اور اپنی تقریر سے فارغ ہو جاؤں تو مجھ سے کچھ کہنے کے لئے اجازت چاہنا اور جب میں اجازت دے دوں تو حمد و ثنائے باری کے بعد یزید کا ذکر کرنا

اور بہتر ہے ذکر کرنا پھر مجھے اس کی ولیعہدی کے لئے مشورہ دینا
معاویہ نے یہی الفاظ عبدالرحمن بن عثمان الثقفی، عبداللہ بن سعدہ الالفزاوی
اور ثور بن ممن اسلمی اور عبداللہ بن اسلام الاشعری سے بھی کہے۔ چنانچہ بالترتیب
ایسا ہی ہوا تو معاویہ نے سب کی تقریریں سنکر پوچھا کیا تم سب کی یہی رائے
ہے سب نے اقرار کیا پھر معاویہ نے کہا احنف کہاں ہے۔ اس نے جواب
دیا میں حاضر ہوں معاویہ نے پوچھا تم کچھ نہیں کہو گے پس احنف کھڑا ہوا
اور بعد از حمد و ثنائے باری جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یوں تو سب کچھ درست ہے لیکن اہل حجاز و اہل عراق
خوش نہیں ہوں گے اور یزید کی بیعت ہرگز نہیں کریں گے
جب تک کہ امام حسن علیہ السلام زندہ ہیں۔

اس بیان پر ہر طرف سے احنف کی مخالفت شروع ہوئی اور اعتراضات
کی بوچھاڑ شروع ہوئی لیکن ہر مرتبہ احنف نے یہی کہا۔

اے معاویہ تو معاہدہ کر چکا ہے جس کی رو سے تیرے
بعد حکومت حضرت امام حسن علیہ السلام کے لئے ہے
اور اگر تو وفا نہیں کرے گا تو اس کے پاس بہترین
گھوڑے اور مضبوط تیز تلواریں ہیں اور اہل عراق اب
بھی وہی تلواریں اور وہی قلوب اپنے پاس رکھتے ہیں
جو صفین میں تھے اور اللہ کی قسم حسن اہل عراق کے لئے
علی سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۰۲

اس وقت مجبور ہو کر معاویہ نے استخارہ کیا اور پھر ذکر بیعت یزید سے باز رہا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اہل عراق کے نزدیک امام حسن علیہ السلام کی کیا قدر و منزلت تھی اس لئے کہ امام حسن علیہ السلام کی خطابت میں اہل حجاز و عراق کو حضرت علی کا لب و لہجہ اور ان کی فن خطابت کا کمال نظر آتا ہے۔ بعض معترضین کا اعتراض ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے جلد ہی معاویہ سے صلح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ اعتراض انہی لوگوں کا ہے جو حالات سے بے خبر ہیں۔ جناب امام حسن علیہ السلام نے اپنے خطوط و خطبات سے اتمام حجت فرما کر پھر سلطنت سے دستبردار ہو کر اس طرح خاموشی اختیار کی جس طرح جناب امیر علیہ السلام بعض ادوار سیاسی میں خاموش رہے تھے امام حسن علیہ السلام نے جو خط معاویہ کو تحریر فرما کر اپنے حق کو واضح کیا تھا اس کا اردو میں ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ یہ خط حسن ابن علی کی طرف سے معاویہ ابن ابی سفیان کے نام ہے
سلام علیکم ہم اس خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اما بعد

اللہ تعالی نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کے بارے میں مومنین کی آزمائش فرمائی۔ اللہ نے ان کی پرفیوض زندگی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ دین میں کوئی کمی باقی نہ رہی اللہ نے ان کے باعث حق کو ظاہر

اور شرک کو تباہ کیا اور انہی کے سبب سے قریش کی حفاظت کی اور قرآن حکیم جیسی کتاب دی کہ وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور سلطنت کے بارے میں نزع ہوا پس قریش کہتے تھے کہ ہم آنحضرت کے قبیلہ سے ہیں اور ان کے اولیا (وارث) ہیں ہم اس حکومت کے زیادہ مستحق ہیں، تم میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس امر سلطنت میں ہم سے جھگڑا کرے پس عرب نے دیکھا کہ بات وہی ہے جو قریش کہہ رہے ہیں اور دلیل ان ہی کے حق میں ہے اس امر سلطنت کے بارے میں انہوں نے اس قول کو مان لیا۔ اور اسے تسلیم کر لیا اور حکومت ان کے سپرد کرنا منظور کر لیا۔ اس کے بعد ہم نے بھی یہی دلیل قریش کے پاس پیش کی کہ جو دلیل عرب پر قریش نے پیش کی تھی۔ لیکن قریش نے ہمارے ساتھ وہ انصاف نہ کیا جو انصاف عرب نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے تو عرب سے انصاف اور احتجاج کے ذریعہ امر حکومت لیا (یہ کہکر کہ ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتدار ہیں) لیکن جب ہم اہلبیت محمدؐ و ذریت محمدؐ نے ان کے حکومت حاصل کرنے کے بعد اسی دلیل سے قریش سے حق طلب کیا تو ہمیں دور کر دیا اور خود جمع ہو کر اپنا حاکم بنا لیا۔ عدم انصاف پر آمادہ ہوئے ہمارا حق لے لیا اب خدا کے ہاں اس کا انصاف ہوگا وہی ولی و مددگار ہے ہمیں اس امر

پر بڑا تعجب ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے حق پر ہمارے نبی کی حکومت پر کس کس طرح اُچک اُچک کر قبضہ کیا ہے اگرچہ ان میں سے بعض لوگ صاحبانِ فضیلت ہیں اور سابق الاسلام ہیں اور ہم نے اس نزع کو دین کے خوف کی وجہ سے روک لیا حسکی وجہ سے منافقین اور کفار نکتہ چینی کرتے اور دین میں رخنہ ڈالتے۔ اور ان لوگوں کے لئے فتنہ و فساد کا ایک سبب پیدا ہو جاتا جس کا وہ ارادہ رکھتے تھے پس آج کا دن ان لوگوں کے دن سے بھی زیادہ ہے۔

اے معاویہ مجھ پر اور تیرے اس امر سلطنت کو حاصل کرنے پر تعجب ہے اس امر کے لئے جس کا تو کسی طرح بھی اہل نہیں ہے نہ تجھے دین میں کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ اسلام میں کوئی محمود اثر حاصل ہے تو رسول اللہ کے اعدائے قریش کا بیٹا ہے۔ خدا تجھ سے سمجھے گا پھر تو جان لے گا کہ آخرت کا انجام کیا ہے قسم خدا کی تو اپنے رب کے پاس عنقریب پہنچے گا۔ پھر تجھے ان اعمال کا بدلہ ملے گا جو تیرے ہاتھ پیش کر رہے ہیں، خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا بے شک علی اپنی راہ پر گئے خدا نے ان پر رحمت نازل کی ان کی موت کے دن اور جس دن ان کے ذریعہ اسلام پر احسان کیا۔ اور جس دن پھر زندہ کر کے اٹھائے گا مسلمانوں کے امر خلافت کا مجھے ولی بنایا اب میں سوال کرتا ہوں اللہ سے کہ وہ اس زائل ہونے والی دنیا میں کوئی شے نہیں نہ دے کہ جس کے سبب سے

وہ آخرت کی جزا میں کوئی کمی کرے یہ اس کی طرف سے فیض و کرم ہو گا مجھے تیری طرف یہ خط لکھنے پر اس امر نے آمادہ کیا ہے کہ وہ امر جو تیرا ہے اس پر میں اپنا عذر واضح کر دوں اور مسلمانوں کے لئے امن ہے پس باطل پر دیر تک رہنے کو چھوڑ دے اور میری بیعت میں داخل ہو جائے جس میں تمام مسلمان داخل ہیں کیونکہ تو جانتا ہے کہ میں اس امر کا خدا کے نزدیک اور ہر توبہ کرنیوالے مرد مومن کے نزدیک جس کے لئے قلب سلیم ہے تجھ سے زیادہ مستحق ہوں پس تقوائے اختیار کر اور بغاوت کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کر اس امر میں جھگڑا نہ کر اور سلامتی اور اطاعت میں داخل ہو جا۔ اور اس آگ کو بجھا دے جو بھڑک رہی ہے اور تمام مسلمانوں کو مجتمع کر دے اور صلح کی راہ اختیار کرے اگر تو نے انکار کیا تو پھر گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ جو احکم الحاکمین ہے،

بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴

۱ امام حسن علیہ السلام کا ہم ایک خط نقل کرتے ہیں۔ آپ کی ایک بیٹی کا انتقال ہو گیا تھا اس پر بہت سے لوگوں نے آپ کی خدمت میں تعزیت نامے ارسال کئے یہ ان تعزیت ناموں کا جواب ہے اس میں فلسفۂ حیات و موت پر تبصرہ ہے جس سے عرفان رکھنے والے قلوب لطف اندوز ہوں گے۔

۲۔ میری بیٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی وفات پر آپ حضرات کے تعزیت نامے مجھے ملے ہیں اس مصیبت کا اجر اپنے معبود سے لوں گا میں اس کے فیصلہ پر راضی ہوں اور اس مصیبت پر صابر ہوں، مجھے بڑی بڑی مصیبتوں نے پامال کر دیا ہے۔ اور بڑی بڑی اذیتوں اور تکلیفوں پر میرا دل درد سے بھر گیا ہے۔ ان دوستوں کی جدائی جو مجھے بہت محبوب تھے اور وہ بھائی جس سے مجھے بہت محبت تھی جنہیں دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی تھیں اور دلوں میں مسرت پیدا ہوتی تھی میں ان کی جدائی سے غمزدہ ہوں ان کو مصائب و شدائد زمانہ اور موت کے ہاتھوں نے گھیر لیا وہ بے جان لوگوں کی صفوں میں شامل کر دیئے گئے ایک دوسرے کے پڑوسی بھی ہیں مگر ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں، نہ ایک دوسرے سے مل جل سکتے ہیں۔ نہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، باوجودیکہ ایک دوسرے کے بہت قریبی ہیں۔ ان کے جسم روحوں سے خالی ہیں ان کے دوست ان سے دور ہیں میں نے ان کے گھروں کے مثل کوئی گھر نہیں دیکھا نہ ان کے ٹھہرنے کی مثل کوئی ٹھہرنے کی جگہ دیکھی ہے ان کے گھر وحشت انگیز ہیں وہ اپنے مانوس گھروں سے دور چلے گئے ان کے دوست عداوت نہ ہونے پر بھی ان سے دور ہو گئے اور انہیں پرائے گھروں بوسیدہ قبروں کے سپرد کر گئے میری

بیٹی جو اللہ کی کنیز تھی اس راہ پر گئی جس راستہ پر پہلے بہت جا چکے ہیں اور آنیوالے بھی جائیں گے۔

امام حسن علیہ السلام و زیاد بن ابیہ

شرقی بن قطامی نے روایت کی ہے کہ سعید بن سرح حبیب ابن عبد الشمس کا غلام تھا حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا شیعہ تھا جب معاویہ کی طرف سے زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر مقرر ہوا، تو سعید بن سرح کو طلب کیا اور اسے خوب دھمکایا وہ خوفزدہ ہو کر کوفے سے چلا گیا اور اس نے حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پاس مدینہ میں پناہ لی۔ زیاد نے اس کی ہجرت کے بعد اس کے بیٹے، بیوی اور بھائی کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کا مال ضبط کر لیا۔ جب امام حسن علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو حضور نے اسے خط لکھا۔

خط

تو نے مسلمانوں میں سے ایک مسلم کے ساتھ زیادتی کی ہے اس کا مال تمام مسلمانوں کا مال ہے اور اس کی مصیبت ان سب کی مصیبت ہے۔ تو نے اس کا گھر منہدم کر دیا۔ اس کا مال ضبط کر لیا۔ اور اس کے اہل و عیال کو قید میں ڈال دیا ہے۔ پس میرا یہ خط جب تجھے ملے فوراً اس کا گھر دوبارہ تعمیر کرا دے اس کے

اہل و عیال کو رہا کر دے اور اس کا مال اسے لوٹا دے اس بارے میں مجھے حق حاصل ہے کہ میں تمہیں کہوں جو میں نے (معاویہ کے ساتھ معاہدہ) سے حاصل کیا ہے۔ والسلام

اس خط کے جواب میں زیاد نے امام حسن علیہ السلام کو خط لکھا۔

یہ خط زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے حسن بن فاطمہ کی طرف ہے اما بعد: آپ کا خط مجھے ملا۔ آپ نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا ہے اور ایک حاجت طلب فرمائی ہے میں سلطان ہوں اور آپ رعایا ہیں آپ نے مجھے اس طرح حکم دیا ہے جیسے کوئی مطاع و مسلط اپنی رعیت کو حکم دیتا ہے، آپ نے مجھے ایک فاسق کے بارے میں لکھا ہے جسے آپ نے اپنے پاس پناہ دی ہے آپ کی اس پر استقامت ایک بری رائے ہے اور خدا کی قسم آپ اس بارے میں مجھ پر سبقت نہیں کر سکتے اگرچہ آپ کا اس سے جسمانی یا خونی رشتہ بھی ہوتا تو پھر بھی میں آپ سے نہ کوئی رفاقت کرتا اور نہ ہی آپ سے کوئی رعایت کرتا۔ کیونکہ میرے نزدیک اس شخص کا گوشت کھانا اس گوشت سے زیادہ محبوب ہے۔ جو آپ میں سے کسی کا ہو پس آپ اس شخص کو اس کے جرم کی وجہ سے میرے حوالے کر دیں چونکہ میں اس امر میں اس کا آپ سے زیادہ اہل ہوں پس آپ نے

اگر اسے معاف کر دیا ہے تو میں اس امر کو تسلیم نہیں کروں گا۔
اور اگر میں اسے قتل کروں گا تو صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کے
والد سے محبت رکھتا ہے والسلام

جب یہ خط امام حسن علیہ السلام کو ملا۔ اور اسے پڑھکر آپ نے تبسم فرمایا اور ایک خط آپ نے معاویہ کو لکھا اور زیاد کے اس خط کے ساتھ شام بھیج دیا۔

امام حسن علیہ نے زیاد کے جواب میں صرف دو کلموں پر اکتفا کیا اور کچھ نہیں لکھا۔

یہ خط حسن ابن فاطمہ کی طرف سے زیاد بن سمیہ کے نام ہے۔
اما بعد۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے
"کہ بیٹا صاحب فراش یعنی شوہر کا ہی ہوتا ہے زانی
کے لئے فقط سنگساری ہے۔ والسلام

البتہ جب معاویہ نے وہ خط پڑھا جو زیاد نے امام حسن علیہ السلام کو لکھا تھا تو معاویہ پر ملک شام کی زمین تنگ ہو گئی۔ اس نے فوراً زیاد کو خط لکھا۔

معاویہ کا خط زیاد کے نام

اما بعد حسن ابن علی (علیہما السلام) نے تمہارا خط مجھے بھیجدیا ہے
یہ خط ابن سرح کے متعلق ہے انہوں نے تیرے خط کا جو جواب

دیا وہ بھی مجھے تحریر فرما دیا ہے۔ تمہارے اس خط پر میرے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی تجھے معلوم ہے کہ تیرے متعلق لوگوں کی دو رائیں ہیں ایک یہ کہ تو ابو سفیان سے ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تو سمیہ سے ہے پس جو ابو سفیان کا بیٹا ہو اس کے لئے حلم، حزم اور احتیاط ضروری ہے اور جو سمیہ کا بیٹا ہو اس کے متعلق اس خط سے ایسی ہی رائے قائم ہو سکتی ہے جو تو نے امام حسن علیہ السلام کو لکھا ہے۔ جس میں ان کے والد کے متعلق برائی کا اظہار کیا ہے۔ پس امام حسن علیہ السلام نے اپنی تحریر سے تجھ پر اپنی رفعت نفس کا اظہار فرمایا اور اس سے تیری ذہانت نمایاں ہو گئی ہے۔ کاش تجھے عقل ہوتی پس امام حسن کا تسلط تیرے مقابلہ میں بالکل حقیقت ہے اور تو نے اپنے خط میں ان کے خط کو ترک کر دیا ہے درحقیقت تو نے اس شخص کے حق کو ترک کیا ہے جو تجھ سے زیادہ اہل ہے۔ اور جونہی میرا یہ خط تجھے ملے تو سعید ابن سرح کی ہر چیز درگذر کر دے اس کا مکان دوبارہ تعمیر کروا دے اور اس کا مال اسے واپس لوٹا دے اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کر کیونکہ میں نے امام حسن (علیہ السلام) کو لکھ دیا ہے کہ تو ابن سرح کی آزادی کا کفیل ہو گا اگر ابن سرح چاہے تو امام حسن علیہ السلام کے پاس مقیم رہے اگر چاہے تو اپنے وطن میں لوٹ آئے اور اس پر تو نے ہاتھ اور زبان سے کوئی زیادتی نہ کرنا

اور تو نے امام حسن کو اپنے تحریر کردہ خط میں ان کی والدہ فاطمہ کے نام سے منسوب کیا ہے اور ان کے والد کی طرف انہیں نسبت نہیں دی۔ تیری اس حرکت پر افسوس ہے اور اے امام حسن علیہ السلام کی ماں کی طرف نسبت میں کوئی تعریض و تنقیص نہیں ہے جیسی کہ تیرے تیری ماں کی طرف منسوب ہونے میں موجود ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول ہیں جو ان کے لئے اور بھی زیادتی فخر کا سبب ہیں کاش تو اسے جانتا ہوتا۔ اور تجھے اتنی عقل ہوتی اور اس خط کے آخر میں مندرجہ ذیل اشعار بھی تحریر کئے تھے۔

فاما الحسن فابن الذی کان قبلہ
اذا سار سار الموت یسیر
فھل یلد الرئبال الا نظیر
والحسن شبہ لہ و نظیر
ولکن لو یوزن الحلم والحجی
یا مر لقالوا یذبل و شبیر

پس امام حسن اس شخصیت کے فرزند ہیں کہ ان کے آگے جب وہ چلتے تھے تو موت چلتی تھی کیا عیب و شک و شبہ سے پاک والدین کے سوا حسن جیسا شبیہ و نظیر پیدا ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر ان کے حلم و عقل و دانش کا وزن کیا جائے
تو لوگ فوراً پکار اٹھیں گے کہ ان کا حق چھین لیا گیا ہے
اور وہ محروم کر دیئے گئے۔

اعیان الشیعہ الجزء الرابع ص۸۲ و ص۸۳ تا ۸۴
از شرح ابن ابی الحدید

دنیا کی ناپائیداری

یا اهل لذات دنیا لا بقا لها
ان المقام بطل زائل حمق

اے دنیا کی لذتوں کے شیفتہ کہ جن کو بقا نہیں ڈھلنے
والے سائے کے نیچے مقام کر لینا نادانی ہے یا زوال
پذیر سایہ سے دھوکا کھانا حماقت ہے۔

الكسرة من حسين الخبز تشبعني
وشربة من قراح الماء تكفيني

وطمرة من برد فيق البوب تسترني

حياً وان مت تكفيني لتكفيني

اور روٹی کا ٹکڑا مجھ کو سیر کر سکتا ہے اور آبِ خالص کا ایک گھونٹ میری سیرابی کے لئے بس ہے۔ ایک پرانا کپڑے کا پارچہ میرے بدن کو ڈھانپنے کے لئے کافی ہے۔ اگر مر جاؤں تو وہی پارچہ میرے کفن کے واسطے کفایت کرتا ہے۔

قل للمقيم بغير دار اقامة

حان الرحيل فودع الاحبابا

ان الذين لقيتهم وصحبتهم

صاروا جميعاً في القبور ترابا

تو اس شخص سے جو ایسی جگہ میں مقیم کہ جہاں ہمیشہ ٹھہرنا نہیں کہدے کہ کوچ کا وقت آگیا دوستوں کو وداع کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں سے تونے ملاقات کی اور صحبت رکھی وہ سب قبروں میں مٹی ہو گئے۔

ذری کدر الایام ان صفائها

تولى بايام السرور الذواهب

وكيف لغير الدهر من كان بينه

وبين الليالي محكمات التجارب

زمانے کی کدورتوں کا خیال نہ کرو تحقیق کہ اس کی
صفائی جانے والے سرور کے ساتھ پست ہو کر چلی
گئی زمانہ اس شخص کو کیونکر دھوکا دے کہ اس کے
اور شبہائے آئندہ کے درمیان محکم تجربات
موجود ہیں۔

اغن عن المخلوق بالخالق
تغن عن الکاذب والصادق
واسترزق الرحمان من فضلہ
فلیس غیر اللہ بالرزق
من ظن ان الناس تغنونہ
فلیس بالرحمان بالواثق
من ظن ان الرزق من کسبہ
زلت بہ النعلان من خالق

مخلوق سے اعراض کر کے خالق کے بھروسہ پر غنی ہو جا
تو تو کاذب و راستگو سے بے نیاز ہو جائے گا حق
تعالیٰ کے فضل سے جو رحمان و رحیم ہے رزق طلب کر
خدا کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں ہے جس نے
گمان کیا کہ انسان اس کو غنی کر دیں گے وہ خدائے
رحمان پر ایمان و اثق نہیں رکھتا جس نے گمان کیا کہ

رزق اس کی اپنی کمائی کی بدولت حاصل ہوتا ہے تو
اس کے دونوں قدم راہِ خدا میں ڈگمگا گئے۔

ما رست هذا الدهر خمسين حجة
وخمسا ارجی قابلا بعد قابل
وما انا فی الدنيا بلغت جسيمها
ولا فی الذی اهوی كدحت بطائل
فقد اشرعتنی فی المنايا اكفها
وايقنت انی رهن موت معاجل

میں نے اس زمانے کا پچاس سال تجربہ کیا اور سال
بسال کامیابی کی امید رکھتا رہا نہ تو دنیا میں کوئی عظیم
مراد پائی جس کی طرف میری خواہش ہے یعنی آخرت
کے لئے کوئی نفع حسب مراد حاصل کیا آخرت موت
نے اپنے نیزے میری طرف بلند کر دیئے اور مجھے
یقین ہو گیا کہ آنے والی موت کا گروی شدہ ہوں
اگرچہ امام حسن علیہ السلام کی عمر پچاس سال کو نہیں پہنچی مگر تمثیل کے طور
پر درازی عمر کا کنایہ اختیار کیا گیا۔

مکالمات

(۱)

ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام معاویہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آپ کے بیٹھنے کے لئے پائین پا جگہ خالی کر دی آپ بیٹھ گئے۔

معاویہ: ابو محمد کس قدر حیرت انگیز ہے۔ ام المومنین عائشہ کا خیال ہے کہ میں سلطنت کا اہل نہیں ہوں۔

امام حسنؑ: اس سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ تم لیٹے ہوئے ہو اور میں تمہارے پائین پا بیٹھا ہوں۔

یہ سنکر معاویہ شرمسار ہوئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

۲

یزید: میرے دل میں ہمیشہ سے آپ سے بغض رہتا ہے

امام حسنؑ: ٹھیک ہے۔ ہمارے ساتھ اسے ہی بغض ہوتا ہے جس کے مال اور اولاد میں شیطان نے شرکت کی ہو یہی حالت تیرے دادا صخر (ابوسفیان) کی تھی جو میرے نانا رسول اللہؐ کا ہمیشہ دشمن رہا۔ یہ بغض تجھے ورثہ میں ملا ہے۔

۳

ایک شخص نے امام حسن علیہ السلام سے ذکر کیا کہ "حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فقر دولت مندی سے بہتر اور بیماری تندرستی سے اچھی ہے۔ اس پر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا۔ رحم اللہ ابوذر اللہ ابوذر پر رحم کرے اپنا حال تو یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو کوئی خواہش اور تمنا نہیں جس حال میں اور جس امر میں خدا کی مرضی اور خواہش ہو وہی بہتر و پسندیدہ ہے

نہ ذوق زندگی دارم نہ شوق پاک امانی
مراد بواند خود کن بہر رنگے کہ میخواہی

۴

ملا سعد الدین تفتازانی اپنی علم بلاغت کی درسی کتاب مطول میں بحث استعارہ میں نقل کرتے ہیں کہ امیر شام معاویہ بیمار تھے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ان کی عیادت کو تشریف لے گئے آپ کو دور سے آتے دیکھ کر باوجود شدت مرض و ضعف و نقاہت معاویہ اٹھ بیٹھے اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

وتجلدی للشامتین اریھم — انی بریب الدھر لا اتضعضع

میں اپنی شماتت کرنے والوں کو اپنی جلادت اور بہادری اس لئے دکھلاتا ہوں کہ وہ جان لیں کہ حوادث و مصائب زمانہ مجھ کو متاثر نہیں کر سکتے اسی اثنا میں حضرت امام حسن قریب پہنچ گئے اور بگوش حق نیوش خود اس کی زبان سے یہ شعر سنا تو بلا تردد و تامل اسی قصیدہ کا دوسرا شعر پڑھا۔

اذا المنیۃ انشبت اظفارھا الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن کسی کے جسم میں گاڑ لیتی ہے تو تو دیکھتا ہے کہ کوئی تمیمہ (تعویذ گنڈا) نفع نہیں دیتا۔

اگر انسان اپنی تمام فکری طاقتوں کو صرف کر ڈالے تو اس جواب سے بہتر جواب نہیں ہو سکتا بالخصوص جبکہ جوابی شعر اسی قصیدہ کا ہو یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔

۵

مناقب میں ہے کہ معاویہ نے ایک روز امام حسن علیہ السلام سے گفتگو میں اس طرح اظہار فخر کیا۔

معاویہ: میں ہوں پسر مکہ و بطحا، میں ہوں پسر اس شخص کا جو جوانی اور پیری میں سردار قریش رہا جو جود و سخا میں روزگار تھا اور باپ دادا اس کے کریم ترین مردم تھے۔

امام حسنؑ: اے ہند کے بیٹے تو میرے سامنے فخر کرتا ہے۔

انا ابن عروق الثری، انا ابن ماوی التقی۔ انا ابن من جاء بالھدی، انا ابن من ساد اھل الدنیا بالفضل السابق و الحسب الفائق انا ابن من طاعتہ طاعۃ اللہ و معصیتہ معصیۃ اللہ۔

میں ہوں بیٹا عروق الثریٰ (رگہائے زمین) کا میں ہوں بیٹا تقوائے پرہیزگاری کی جائے پناہ کا، میں ہوں بیٹا اس شخص

کا جو خدا کی طرف سے ہدایت لے کر آیا میں ہوں بیٹا اس کا جو فضیلت سابق اور حسب فائق میں دنیا کا سردار ہے میں اسکا بیٹا ہوں جسکی اطاعت عین اطاعت خدا ہے جسکی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اے معاویہ کیا تیرا باپ میرے باپ کی مانند ہے کہ تو اس کی وجہ سے مجھ پر فخر و مباہات کرے اور کیا تیرے سابقین میں وہ لوگ ہیں جن سے تو نے مجھ پر فوقیت اچاہی ہے پس ہاں کہہ یا نہیں کچھ کہہ تو سہی معاویہ نے کہا میں کہتا ہوں اور تمہاری تصدیق کرتا ہوں۔ فرمایا حق واضح اور روشن ہوتا ہے اس کی راہ تغیر پذیر نہیں ہوتی اور صاحبان عقل اس کی شناخت کر لیتے ہیں۔

۶

معاویہ : اے حسن! میں تم سے بہتر ہوں

امام حسنؑ: اے پسر ہند کیونکر

معاویہ : اس لئے کہ لوگوں نے مجھ پر اجماع و اتفاق کیا تمہارے اوپر نہیں کیا۔

امام حسنؑ ہیہات ہیہات اے پسر زن جگر خوارہ یہ تیری دلیل فضول ہے جنہوں نے تجھ پر اجماع کیا دو طرح کے اشخاص ہیں یا دل سے تیرے اطاعت گذار ہیں یا مجبور و ناچار اور جو تیرا اطاعت گذار ہے خدا کا نافرمان ہے اور جو مجبور و ناچار ہے بپیش خدا

در سول معذور حاشا للہ جو میں یہ کہوں کہ تجھ سے بہتر ہوں کیونکہ تجھ میں تو کوئی خیر و خوبی ہے ہی نہیں ۔ ہاں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے فضائل سے اسی طرح کورا رکھا جیسے مجھ سے رذائل کو دور کیا ۔

ولید بن عقبہ اور امام حسن علیہ السلام

۷

امام حسن علیہ السلام ہیں تجھ کو علی ابن ابی طالب کی خدمت پر ملامت نہیں کرتا کیونکہ آنحضرت نے شراب خواری کے جرم میں تیرے اسّی تازیانے لگائے اور تیرے باپ عقبہ ابن ابی معیط کو رسول اللہ کے حکم سے جنگ بدر میں کھڑا کر کے قتل کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تجھے ایک بار سے زیادہ فاسق کہا اور آنحضرت کو مومن سے تعبیر کیا ۔

انزل اللہ فی کتاب علینا — فی علی و فی الولید قرانا
فتبوا الولید منزل کفر — و علی تبوأ الایمانا
لیس من کان مومنا بعبد اللہ — کمن کان فاسقا خرانا
سوف یدعی الولید بعد قلیل — و علی الی الجزاء عیانا
فعلی ھناک یجزی جنانا — و ھناک الولید یجزی ھوانا

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں علی اور ولید کے بارے میں ہم پر آیات نازل کیں پس ولید نے منزل کفر اختیار کی اور

علیؑ نے ایمان اختیار کیا جو شخص مومن ہو کر خدا کی عبادت اختیار کرے وہ فاسق خیانت کنندہ کے برابر نہیں ہو سکتا عرصۂ قلیل کے بعد علی اور ولید ظاہر و عیاں طور پر دار الجزا میں بلائے جائیں گے پس علی کو بدلے میں اسوقت جنت ملے گی اور ولید عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گا۔

۸

ایک روز معاویہ کے دربار میں صنادید قریش جمع تھے اور اپنی بزرگی اور بڑائی فخریہ طور پر بیان کر رہے تھے امام حسن علیہ السلام بھی وہاں تشریف فرما تھے مگر خاموشی سے ان کی لن ترانیاں سن رہے تھے معاویہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔

معاویہ: یا ابا محمد مالک لاتنطق واللہ ما انت بمشوب الحسب ولا بکلیل اللسان۔

اے ابو محمد تم کیوں نہیں کچھ بولتے، قسم خدا کی تمہارے نسب میں کوئی عیب نہیں اور نہ ہی تمہاری زبان کند ہے

امام حسنؑ: کوئی فضیلت انہوں نے بیان نہیں کی مگر مجھے اس کا لب لباب حاصل ہے

فیما الکلام قد سبقت مبرزاً سبق الجواد مدا لمتنفس کس بارے میں کلام کروں میں اس مجمع سے اس طرح سے سبقت لے گیا ہوں جیسے کہ نجیب گھوڑا مقابل کے گھوڑوں سے اس طرح

سے سبقت کر کے دور نکل جائے۔

المتنفس البعید قول عرب سے ماخوذ ہے انت فی نفس امرک تو اپنے نفس امر یعنی اس کی وسعت اور فراخی میں ہے۔

۹

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا آپ میں عظمت ہے؟

امام حسنؑ: ہم میں بقول اللہ تبارک و تعالیٰ للہ العزۃ و رسولہ وللمومنین عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔

معاویہ: ہاشمی سخی اور جواد نہ ہو تو اپنی قوم کے مشابہ نہیں۔ مخزومی میں فخر و غرور نہ ہو تو وہ اپنی قوم سے نہیں ہے زبیری میں شجاعت نہ ہو تو وہ اپنے قبیلہ سے ملتا جلتا نہیں۔ اموی میں حلم و بردباری نہیں تو وہ بنی امیہ سے نہیں۔

امام حسن علیہ السلام نے یہ سنا تو فرمایا:

معاویہ نے اپنی قوم کی خیر خواہی کی ہے اور اوروں کی بدخواہی کیونکہ مدعا اس کا یہ ہے کہ بنی ہاشم کے جو کچھ ہاتھ میں ہے اسے لٹا کر فقیر ہو جائیں اور زبیری جنگ و جدل میں مصروف رہ کر فنا ہو جائیں۔ اور مخزومی فخر و غرور کر کے جہاں کو اپنا دشمن بنا لیں اور بنی امیہ تحمل سے کام لے کر عزیز ترین خلائق ہو جائیں۔ (الشہید المسموم)

۱۰

موثرہ اسدی نے جب معاویہ پر خروج کیا تو اس نے امام حسن علیہ السلام کے پاس کسی کو بھیجکر درخواست کی کہ آپ اس کے ساتھ جنگ کرنے میں متولی ہوں آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے تیرے ساتھ جنگ نہ کی تو اب تیری طرف سے ان لوگوں سے کیوں لڑنے لگا جن کی نسبت قسم بخدا تو اولیٰ بجنگ ہے. حقیر مؤلف کہتا ہے کہ موثرہ مذکور جس نے معاویہ پر خروج کیا غالباً خارجی تھا آپ نے معاویہ سے جنگ کرنے کو ان سے لڑنے کی نسبت اس لئے اولیٰ کہا کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے معاویہ اور خوارج کی نسبت فرمایا تھا ھم طلب الحق ولم یدرکوا دھو طلب الباطل فغاز خارجیوں نے حق طلب کیا اور اس کو نہ پہنچے اور معاویہ نے باطل کی خواہش کی اس میں فائز ہوا اس لئے آپ نے اس کے ساتھ جنگ کرنے کو بہ نسبت ایک خارجی کے اولیٰ فرمایا. (الشہید المسموم)

۱۱

احتجاج طبرسی میں ہے کہ ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام معاویہ کے پاس تشریف لائے تو مختلف اشخاص جن میں مروان بن الحکم، مغیرہ بن شعبہ ولید بن عقبہ وعتبہ بن ابی سفیان معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک بنی ہاشم کے مقابلہ میں فخر کر رہا تھا. انہیں گھٹانے اور اپنا رتبہ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا حضرت کو ان کی باتیں ناگوار معلوم ہوئیں اور بہت دل تنگ ہوئے اور فرمایا.

امام حسن علیہ السلام: اے معاشر حاضرین میں ایک شاخ ہوں شاخہائے بہترین سے میرے آباؤ اجداد کریم ترین عرب ہیں ہم کو مزیت حسب و علو نسب حاصل ہے ہم سب شجرۂ سایہ سے ہیں جس میں شاخہائے نامیدہ ثمرہائے طیبہ اگتے ہیں اور ابدان قائمہ اس سے حاصل ہوتے ہیں ہم اہل اسلام ہیں۔ نشان ہائے نبوت ہیں ہماری جلالت قدر و فخامت فخر زوال پذیر نہیں وہ دریائے ذخار ہیں جس کا پانی کم نہیں ہوتا اور کوہ ہائے رفیع و شامخ ہیں جنہیں کوئی تصور نہیں کر سکتا۔

مروان: اے حسن تم نے اپنی مدح میں زیادتی کی اور بڑائی کو اندازے سے بڑھا دیا ہیہات ہم ملوک نامدار و عزیزان روزگار ہیں تم خوب جانتے ہو کہ ہمارے برابر فخر و عزت نہیں رکھتے پھر یہ اشعار پڑھے۔

شفينا انفسا طابت وقورا　　فنالت عزما فيمن يلينا

فأبنا بالغنيمة حيث ابنا　　وابنا بالغنيمة مقترفينا

ہمارے نفوس شفایاب و خوش و خرم ہیں اور اپنے ہمسروں میں پوری عزت حاصل کر چکے ہیں ہم معرکوں سے واپس ہوتے ہیں تو مال غنیمت لیکر واپس ہوتے ہیں۔ جبکہ بادشاہوں کے برابر ہو جاتے ہیں

مغیرہ بن شعبہ: ہم نے تمہارے باپ کو نصیحت کی انہوں نے ہمارا

کہنا نہ مانا قطع رحم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اہل شام کے ساتھ شامل ہو جاتا تمہارے باپ خوب جانتے تھے کہ میں چشموں پر وارد ہونے والوں کو بنی قیس کی تندی و تیزی اور ثقیف کی حلم و تجربہ کاری سے روک سکتا ہوں

امام حسن علیہ السلام: اے مروان تیری گفتگو تمام تر کمزوری، بزدلی اور عاجزی پر مبنی ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اپنی مدح سرائی کی حالانکہ میں فرزند رسول مقبول ہوں اور میں نے فخر و تکبر کیا حالانکہ میں سردار جوانان بہشت ہوں وائے ہو تجھ پر اپنی بڑائی وہ کرتا ہے جو اپنے تئیں دور کھینچتا ہے اور برتری دینا چاہتا ہے۔ مگر ہم اہل بیت رحمت و معدن کرامت و برگزیدہ زمان و خزانہ ایمان یسنان اسلام و شمشیر دین ہیں تیری ماں تیرا ماتم کرے بیہودہ باتوں سے زبان کو بند کر ورنہ مجھے مبتلائے بلا ہونا پڑے گا اور تیرے دامن حال پر ایسا عیب و عار کا داغ لگاؤں گا کہ جو چھڑائے نہ چھوٹے گا اور تیرا بادشاہوں کی طرح غنیمت لیکر واپس آنا اس دن کہاں تھا جبکہ شکست کھا کر بھاگا، ہزیمت ہی تیری غنیمت تھی، اور غدر و بے وفائی سے طلحہ کو قتل کیا تیرا برا ہو تو کس قدر شوخ چشم ہے تجھے شرم نہیں آتی۔ مروان نے یہ کلمات سنکر سر جھکا لیا اور مبہوت و حیران ہوا۔

(مغیرہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا)

اے اعور (یک چشم) ثقیف تو قریش سے نہیں کہ میں تیرے ساتھ مفاخرت کرنے بیٹھوں کیا تو مجھ کو نہیں جانتا کہ میں پسر بہترین زنان سیدۃ النساء عالمین ہوں۔ رسول اللہ نے علوم الہیہ سے ہمیں غذا دی اور تاویل

قرآن و مشکلات احکام ہمیں تعلیم فرمائے پس ہمارے لئے عزت غالب اور رتبہ عالی ہے تو اس قوم سے ہے جسے نہ زمانہ جاہلیت میں رفعت نسب حاصل تھی اور نہ اسلام میں خط وافر ملا۔ غلام گریختہ کی مانند تجھ کو شیروں کی جنگ آزمائی اور بہادروں کی لڑائی کے وقت فخر و افتخار سے کیا سروکار ہم سادات کبار واشراف عالی تبار ہیں تو نے حضرت امیرالمومنین کو مشورہ دیا تھا مگر وصی خیر الانبیاء تیرے عجز سے واقف اور تیری حماقت کے عارف تھے وہ تیری فاسد نیت اور تیرے عزم کاسد کی تردید کے زیادہ لائق تھے وما کنت متخذ المضلین عضدا وہ گمراہوں کو اپنا قوت بازو اور مددگار بنانے والے نہیں تھے۔ اور تیرا یہ کہنا کہ اگر میں جنگ صفین میں ہوتا تو بنی قیس کی حدت و تیزی اور بنی ثقیف کی بردباری دکھلاتا۔ ثکلتک امک (تیری ماں تیرا ماتم کرے) کس جرأت و جلادت پر، کیا جنگ سے عجز و جہل پر یا میدان جنگ سے مکرّر فرار کرنے پر خدا کی قسم اگر اس روز شجاعان شیعہ و مبارزان جناب امیر میں سے تو کسی کی نظر پڑ جاتا تو تجھے معلوم ہو جاتا کہ کوئی شے تجھ سے انہیں روکنے والی نہیں تھی اور نوحہ کرنے والی عورتیں تجھ پر گریہ و بکا کرتیں قیس کی سرداری کا دعوے، تجھے قیس سے کیا نسبت تو ایک عبد آبق یعنی گریختہ ہے ثقیف یعنی پکڑا گیا غلام اس لئے ثقیف کہلایا تو اپنی ذات کو کسی اور سے منسوب کر تو رزمگاہ میں اظہار شجاعت کی بجائے شکار کے لئے جال پھیلانے اور شکار کی گھات لگانے میں زیادہ مہارت رکھتا ہے تو نے جو حلم کا ذکر کیا لونڈی غلاموں کے پاس حلم کیسا رہا تیرا حیدر کرار کے مقابلے کی آرزو کرتا تو خوب جانتا ہے کہ حیدر کرار

لڑائی کے معرکوں میں شیر درندہ اور مخالف کے لئے سم قاتل تھے، بڑے بڑے ابلیس شریر ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے، صحرائی گیدڑوں اور حشرات الارض کے سامنے آنے کا ذکر کیا۔ تیرے ان کے ساتھ قرابت کا دعویٰ ایسا ہے جیسے آبی جانوروں کا ہرنوں اور بارہ سنگوں سے قرابت کا دعویٰ بلکہ اس سے بھی بعید ہے اس پہ مغیرہ اٹھکر چلا گیا حضرت نے فرمایا کہ میں نے جو اس غلام سے خطاب کر کے مفاخرت کے کلمات کہے ہیں حاضرین مجھے معذور سمجھیں۔ اس پر معاویہ نے کہا۔ اے مغیرہ واپس آؤ حقیقت یہ ہے کہ اولاد عبد مناف صنادید عالم اور اشراف بنی آدم ہیں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور امام حسن علیہ السلام کو قسم دی کہ آپ خاموشی اختیار فرمائیں اس پر حضرت خاموش ہو گئے۔

۱۷

منقول ہے کہ معاویہ مدینہ طیبہ میں آئے۔ تو دیکھا کہ قریش امام حسن علیہ السلام کے گرد جمع ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لانے میں مصروف ہیں یہ دیکھکر اس کے دل میں حسد پیدا ہوا ابو الاسود دیئلی اور ضحاک بن قیس الفہری کو بلا کر اظہار خیال کیا، اور جو کچھ امام حسن علیہ السلام کے بارے میں ارادہ کیا تھا اس میں مشورہ چاہا۔

ابو الاسود دیئلی: جو آپ کی رائے میں آئے افضل ہے مگر میرے نزدیک تو بہتر ہے کہ یہ ارادہ ترک کیا جائے کیونکہ جو کچھ تم ان کے بارے میں کہو گے لوگ اسے حسد پر محمول کریں گے اس سے ان کا رتبہ اور بلند ہو گا۔ اے امیر!

حسنؑ کا شباب اعتدال پر ہے وہ حاضر جوابی میں یکتائے روزگار ہیں اندیشہ ہے کہ تمہارے کلام کو ایسی خوبصورتی سے رد کریں کہ تیرے تیر پلٹ کر تیرے ہی لگیں گے اور تیری پنڈلی کو چھید دیں گے اور تیرے عیب عیاں ہو جائیں گے اس وقت تیرا کلام ذلت کی بجائے ان کی فضیلت کو ظاہر کرے گا اور تمہارے نقائص کو نمایاں کرے گا ہاں اگر کوئی عیب ان کے حسب و نسب میں ہوتا تو اسے زبان پر لا سکتے تھے وہ اپنی ذات سے بھی نہایت مہذب و شائستہ ہیں اور نسب میں صریح عرب اور اس کا نب لباب ہیں پاک عنصر کریم سے ان کی تخلیق ہوئی ہے بس تو پھر یہی کہتا ہوں کہ ان کے مقابلہ کا ارادہ ترک کیجئے۔

ضحاک بن قیس الفہری: اے امیر جو کچھ آپ نے ان کے متعلق سوچا ہے اسے کر گذریئے آپ اپنے جارحانہ اقدام سے ان پر تسلط حاصل کر لیں گے۔ اور وہ آپ کے سامنے اس طرح ہوں گے جس طرح ایک بوڑھا اونٹ نوجوان اونٹوں کے ریوڑ میں ہو۔

معاویہ نے کہا ایسا ہی کروں گا جمعہ کا دن آیا تو معاویہ منبر پر گئے اور حمد خدا و محمد مصطفےٰ پر درود و سلام کے بعد سرکار ولایت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر کیا اور آنحضرت کی توہین و تنقیص شروع کی۔

معاویہ! کچھ قریش کے افراد سفاہت و غضب میں مبتلا ہیں خدا نے انہیں مبتلائے مصیبت کیا، شیطان نے ان کے سروں پر آشیانہ بنایا اور انکی

دبانوں کو اپنے قبضہ میں لایا۔ ان کے سینوں میں اس نے انڈے دیئے اور بچے نکالے اور ان کے گوشت و پوست میں سرایت کر گیا ان سے خطا اور لغزشیں ظاہر ہوئیں اب ماہ راست ان کی نظروں میں دھندلا اور تاریک دکھلائی دیتا ہے اور شیطان انہیں عداوت، فریب اور بہتان کی طرف رہنمائی کرتا ہے پس وہ شیطان کے شرکائے کار ہیں اور وہ ان کا قرین ہے ومن یکن الشیطان قرینا فساء قرینا جس کسی کا شیطان ہم نشین ہو پس وہ برا ہم نشین ہے اس لئے میں ان کی کافی تادیب کروں گا اور اس امر میں حق تعالیٰ سے طلب گار اعانت ہوں گا۔

حضرت امام حسنؑ اس کا یہ کلام صبر و تحمل سے سنکر اٹھ کھڑے ہوئے اور منبر کا بازو پکڑ کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ جس میں مدح سرکار رسالتؐ بھی تھی اور مناقب اہل بیتؑ بھی تھے اور اپنے فضل و شرف کا ذکر بھی تھا ارشاد فرمایا۔

معاویہ صاحب اور بھی برہم ہوئے اور کلام کو منقطع کرنے کے لئے غیر متعلقہ سوالات کرنے لگے حضرت سوال کا جواب دیکر پھر خطبہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

معاویہ: تمہارا نفس خلافت کی خواہش رکھتا ہے مگر تم اس کے اہل و شایاں نہیں ہو۔

امام حسن علیہ السلام: جو کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو وہی اس کا اہل ہے وارث خلافت وہ نہیں ہے جو کتاب خدا اور سنت رسول

اللہ کو معطل رکھے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کو بادشاہت ملے وہ خوب عیش عشرت اختیار کرے پھر اس سے چھن جائے اور مطالبات اس کے ذمہ رہ جائیں۔

معاویہ: قریش میں کوئی آدمی ایسا نہیں جس پر ہمارے احسانات اور ہماری نعمتوں کا بار نہ ہو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام: ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے ذلت و خواری سے نکل کر تم نے عزت حاصل کی ہے اور قلت کے بعد کثرت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

معاویہ: اے حسن وہ کون لوگ ہیں؟

امام حسن علیہ السلام: یہ لوگ وہی ہیں جو معرفت خدا سے تجھے باز رکھتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں انہیں پوری مہارت حاصل ہے (پھر آپ نے اپنے والد بزرگوار اور اپنے جدامجد کی قدرے مدح کرکے پوچھا) اے معاویہ! تو ان کی برابری کرسکتا ہے؟

معاویہ: نہیں میں تمہارے قول کی تصدیق کرتا ہوں۔

امام حسن علیہ السلام: حق واضح و روشن ہے اور باطل متروک و مردود ہے

٭

امتیازاتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام

محمد و آل محمد علیہم السلام کی کچھ خصوصیات ہیں کچھ امتیازات (DASTINCTIVE FEATILERS) ہیں چنانچہ مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے فرمایا ہے

لَا یُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ

نہج البلاغہ

اس امت میں سے کسی کا بھی قیاس آل محمد پر نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ حدیث مسلمہ فریقین ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان ھذہ الصدقات لا یحل لمحمد و آلِ محمد

تحقیق یہ صدقات نہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے حلال ہیں نہ آلِ محمد علیہم السلام کے لئے حلال

ہیں کیونکہ "اوساخ ایدی الناس"

یہ صدقات لوگوں کے ہاتھوں کی میل ہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ محمد وآل محمد علیہم السلام کو مادی میل سے پاک رکھنا چاہتا ہے۔ جب صدقہ محمدؐ وآل محمدؐ پر حرام ہے اور باقی امت پر حرام نہیں۔ چنانچہ یہ بھی ایسی احادیث ہیں جو فریقین کی مسلمہ ہیں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خدمت محمد مصطفےٰ میں پیش کرتا تو حضور اس سے دریافت فرماتے۔ نذراً ام صدقۃً کیا یہ نذر ہے یا صدقہ اگر وہ کہتا کہ نذر ہے تو حضور بھی اسے تناول فرماتے اور صحابہ کرام سے ارشاد فرماتے کہ آؤ تم بھی اسے تناول کرو اگر لانے والا کہتا کہ صدقہ ہے تو حضور اس سے ہاتھ اٹھا لیتے اور صحابہ کرام سے ارشاد فرماتے کہ آپ اسے شوق فرمایئے۔ یہ بھی صحیح بخاری جیسی کتب احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک دفعہ صدقہ کی کچھ کھجوریں آئیں امام حسن علیہ السلام نے ان کھجوروں میں سے ایک کھجور کو اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا تو سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹا! تھوک دو کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ محمد وآل محمد علیہم السلام پر حلال نہیں؟ یہ سوال بتلاتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام یہ جانتے تھے، صرف افہام و تفہیم، توضیح و تعلیم کے لئے ایسا کیا فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مؤلف علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حسنؑ جو بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے تھے اسے کیسے نہ جانتے۔ بہرکیف اس سے ثابت ہوا کہ جس پر صدقہ حرام ہے وہی آل ہیں اور جس پر صدقہ حرام نہیں وہ آل نہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ آل محمد لوگوں کے

ہاتھوں کی میل سے پاک رہیں تو وہ یقیناً وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ آل محمد ذہنی فکری اور روحانی آلائشوں سے بھی پاک رہیں اسی لئے ان ہی کی شان میں آیۂ تطہیر نازل فرمائی جو ان کی عصمت و طہارت کی مظہر ہے۔ معلوم ہوا کہ آل محمد پاک و پاکیزہ، طاہر و مطہر یعنی معصوم ہیں عصمت کی صورت میں ان سے کوئی فعل جو منافی عصمت ہو ناممکن الوقوع ہے لہٰذا ان پر مسلمان اعتراض کرنے والوں کو اس حقیقت واضح کو ملحوظ رکھکر اعتراض کرنا چاہیئے گناہ و معصیت تو در کنار ان سے مکروہات شریعت کا بھی امکان نہیں

سرکار رسالت نے ہمیں نماز میں درود پڑھنے کا اس طرح حکم دیا ہے۔

قُولُوا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ،

یہی وہ درود ہے جسے ہر اسلامی فرقہ کے افراد پڑھتے ہیں اور مختلف مکاتیب فکر کو اس درود میں اختلاف نہیں، اس درود میں صرف آل محمد علیہم السلام کا ذکر ہے صحابہ کرام کا نہیں حالانکہ ہم سب مسلمان نماز کے علاوہ درود میں آل کے علاوہ صحابہ کرام اور ازواج رسالت کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں صلی اللہ علیہ و علی آلہٖ و اصحابہٖ و ازواجہٖ ہم مسلمانوں کے اس مسلم شعار سے ثابت ہوا کہ نماز کا درود اور ہے اور نماز کے علاوہ درود اور ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ آل اور ہے اور صحابہ اور ہیں اگر صحابہ بھی آل میں داخل ہوتے تو اصحابہ الگ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال ہمارا نماز میں

پڑھنا بتلا رہا ہے کہ آل محمدؐ کے لئے طلب رحمت کرنا داخل عبادت ہے اور امام حسن علیہ السلام جیسا کہ حدیث خرما سے ثابت ہے آل میں داخل ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان کی سیرت کا مطالعہ ان کی ان خصوصیات کے پیش نظر کرنا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

معاشرتی زندگی

افسانۂ کثرت ازدواج

بنی امیہ کا مکروہ پراپاگنڈا

کثرتِ طلاق!

تاریخ:- تاریخ ایک نہایت اہم مضمون ہے اس کی اہمیت کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو گا کہ قرآن حکیم کا ایک تہائی حصّہ تاریخ امم سابقہ سوانح انبیاؑ و اوصیا علیہم السلام پر مشتمل ہے کسی قوم کی تاریخ کا زندہ ہونا اس قوم کی زندگی کی دلیل ہے ؎

حفظ کن تاریخ را پابندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

(علامہ اقبالؒ)

مغرب کا مشہور اہل قلم کرمول CROM WELL تاریخ کی اہمیت کا ان الفاظ میں اعلان کر رہا ہے GOD MANIFESTED HIMSELF IN HISTORY)

اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں اپنی ہستی کا اظہار فرمایا ہے۔

ایک دوسرا مغربی مفکر فرائڈ (FREUD) تاریخ کو ایک ایسی آواز خیال کرتا ہے جو صدیوں تک اصول خیر و شر اور قوانین حق و باطل کا اعلان کرتی ہے۔

ایک اور مفکر جونز (JONES) تاریخ کے متعلق کہتا ہے تاریخ زندگی کے تجربات کی حقیقی کان ہے اور دور حاضر کا نوجوان تاریخ کا مطالعہ اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ گذشتہ نسلوں کے تجربوں سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ اور فائدہ اٹھا سکے۔

ایک اور مفکر ذلر (ZILLER) تاریخ کو مرکزی مضمون قرار دیکر اپیل کرتا ہے کہ نصاب تعلیم کے محل کو اسے مرکزی قرار دیکر اسی کے ارد گرد تعمیر کا آغاز کرنا چاہیئے۔

تاریخ کی بدعنوانیاں:۔ مگر یہ اہم اور مفید مضمون جب انسانی بدعنوانیوں سے آلودہ ہو جائے اور انسانی خواہشات نفسانیہ کا تختۂ مشق بن جایئے تو اس کے نقصانات بھی بہت عظیم اور دیرپا ہوتے ہیں۔ ذاتی اغراض و مقاصد کے پیش نظر

لکھی ہوئی غلط تاریخ فسادِ عظیم کا سبب ہے۔ چنانچہ ماہرینِ فنِ تاریخ نے تاریخ کی بدعنوانیوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ تاریخ جب کسی خاص سیاسی گروہ یا کسی خاص مکتبِ خیال یا کسی خاص فرقۂ مذہب کے پروپاگنڈے کے لئے لکھی جائے تو ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔

۲۔ تاریخ جب سطحی اور ذاتی اغراض کے لئے تدوین کی جائے اس میں حزبِ اقتدار پادشاہوں، وزیروں اور جنگجو جرنیلوں کے مبالغہ آمیز تذکرے ہوں اور حزبِ اختلاف کے سراپا خلوص اراکین کو نشانۂ اتہام بنایا گیا ہو اور ان جمہور کا اور ان کی زندگی کا ذکر نہ ہو اس میں صرف سیاسی اور عسکری امور کو اہمیت دی گئی ہو معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ تو ایسی تاریخ ناقص تاریخ کہلاتی ہے۔

۳۔ جب تاریخ لکھوانے والے حزبِ اقتدار کے ایماء پر تاریخ لکھی جائے اور خوشامدی مؤرخوں کو حزبِ اقتدار پر تنقید و تبصرہ کی جسارت نہ ہو وہ اربابِ اقتدار کی بدعنوانیوں سے پیدا ہونے والے اثرات کو نظر انداز کر دیں تو ایسی تاریخ معیاری تاریخ نہیں ہوتی۔

مسلمانوں میں تاریخ کی ابتداء:۔ مسلمانوں میں تاریخ کی ابتدا بنو امیہ کے ایماء پر ہوئی اور سب سے

پہلی تاریخ "اخبار الماضیین" بنو امیہ کے پہلے مستبد بادشاہ (DESPOTIC MONARCH) معاویہ ابن ابی سفیان کے ایماء سے تدوین ہوئی اس کے بعد حزب اقتدار کے ایماء پر حدیث سازی اور تاریخ نویسی کی مہم شروع ہوئی جس کا واحد مقصد حزب اختلاف اہل بیت رسولؐ کے خلاف سیاسی حیلوں سے مسلح پروپاگنڈا تھا تاکہ اسلام کے مخلص جان نثاروں کو عوام کی نظروں میں پست کیا جائے۔

امریکہ کا مشہور مؤرخ پرسٹن یونیورسٹی کا ہسٹری پروفیسر فلپ کے ہٹی (P.K. HITTI) اپنی تصنیف تاریخ عرب (ARABS HISTORY) میں لکھتا ہے۔

مسلمان عربوں کے دو فریق ہیں جب کبھی کوئی مذہبی سیاسی یا سماجی نزاع ہوتی تھی تو ہر ایک فریق اپنی تائید میں رسول اللہؐ کی حدیثیں پیش کرتا تھا خواہ وہ حدیثیں صحیح ہوں یا موضوعہ اور جھوٹی اس لئے کہ علیؑ اور ابوبکر کی سیاسی مخالفت، علیؑ اور معاویہ کا جھگڑا، بنی عباس اور بنی امیہ کی باہمی عداوت جھوٹی حدیثوں کے بننے کا باعث ہوئے ہیں اس کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد کے لئے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا

جب یہ حدیث تیغیبہ منتقدمیں قوم کا یہ حشر ہوا تو اس سے آپ یہ تاریخ

کا نحو و انداز ہ کر سکتے ہیں۔

وضع حدیث حزب اقتدار کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ حزب اختلاف یعنی آل محمد اور ان کے شیعہ تو ہمیشہ ارباب اقتدار کا تختہ مشق رہے، حزب اقتدار کے پاس اقتدار بھی تھا اور دولت بھی اور پولیس کی طاقت پر بھی پورا تسلط تھا۔ چنانچہ بٹی صاحب نے اپنی آخری جملہ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی حدیث سازی علما کی کثیر تعداد کے لئے دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا" حزب اختلاف کے پاس ایسے ذرائع کہاں موجود تھے کہ وہ مصنفین کی ضمیر خریدنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہا سکیں۔ اس بد عنوانی کی ساری ذمہ داری ارباب اقتدار کے سر پر رہی ہے اس طریق کار کے نتائج تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند کے مصداق حکمرانوں کو جنہوں نے مرکز توحید خانہ کعبہ کو نذر آتش کیا مدینہ پر حملہ کر کے روضہ رسول کو اصطبل بنایا اور مدینہ میں وہ افعال کئے جو ناگفتہ بہ ہیں، اولاد رسول کو قتل کر کے خاندان رسالت کی بہو بیٹیوں کو قید کیا ان کو نجات کے سرٹیفکیٹ عطا ہوئے اور قسطنطنیہ پر فوج کشی کے پردہ میں انہیں جنتی قرار دیا اور آج بھی وضعی حدیثیں تحقیق و ریسرچ کے پردہ میں منظر عام پر لائی جا رہی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

مسلمانوں کی اس تاریخ نویسی پر اہل مغرب کی رائے (۱) اس زمانے

کے عرب مورخین کے متعلق پروفیسر سیمن آکلے (SEAMEN OKLEY) پروفیسر عربی کیمبرج یونیورسٹی ۱۷۲۰ء اپنی شہرۂ آفاق تاریخ سارسینز کی تاریخ (HISTORY OF ESARASEN) میں اس طرح رقم طراز ہیں:۔

عربوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کیا ہے ہمیں اس مسرت اور فائدہ سے محروم کر دیا جو ہم کو لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حقوق کیا ہوتے ہیں انہوں نے کیا حقہ نہ سمجھا اس لئے ان فرائض اور حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ ان کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا۔ اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔

یہ ان تاریخی ماخذوں کی بے اعتباری اور ان کی کوتاہیوں کا عالم ہے جن سے امام حسن علیہ السلام جیسے مرتاض امام کی کثرت ازدواج و طلاق کا افسانہ مرتب کیا گیا ہے۔ امریکائی مستشرق جن کا ایک قول حدیث کے متعلق پہلے بھی لکھ چکے ہیں یعنی پروفیسر فلپ۔ کے ہٹی

(P.K. HITTI)..

پروفیسر امریکائی یونیورسٹی پرنسٹن عربی مورخین کی کوتاہیوں پر اس طرح تنقید فرماتے ہیں:۔

"عربی مورخین نے راویوں کا سلسلہ اسناد و یوم و تاریخ کو تو بہت اہمیت دی ہے لیکن اصل واقعہ کی تحقیق پر کہ آیا وہ ممکن الوقوع ہے یا کہ نہیں یا جس طرح بیان کیا گیا ہے اسی طرح واقعہ ہوا ہے یا نہیں کوئی توجہ نہیں کی جو کچھ راویوں نے کہدیا لکھ دیا۔ ان مورخوں نے اپنے عقل و فہم اور قوت تمیز سے کام لے کر واقعات کے متعلق تحقیق و تشریح اور تنقید و تبصرہ نہیں کیا۔"

اس قسم کے غیر معتبر تاریخی شاہکاروں میں ایک افسانہ کثرت ازدواج و طلاق آغوش پروردۂ رسول امام حسن علیہ السلام ہے جو اموی زرخرید راویوں کے بیانات سے مرتب کیا گیا ہے اسے کسی معیار پر نہیں پرکھا کہ آیا یہ ممکن الوقوع بھی ہے یا کہ نہیں۔ اس طرح واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں یہ مکروہ اموی پروپاگنڈا تحقیق و تشریح، تنقید و تبصرہ سے عاری ہے۔

یہ اموی تاریخ ہے جس میں ارباب اقتدار نے روحانیت تعلیم قرآن تعلیم رسول کو پس پشت ڈال کر، سیاست، ملک گیری دنیاداری حصول اقتدار و شان و شوکت دنیوی کو اپنا مطمح نظر بنایا اور اپنے حصول اقتدار کے لئے وہ کچھ کر گزرے جو ملوک جبابرہ، سلاطین عضوض اور ارباب اقتدار نے ہر زمانے

میں کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں یہ اسی جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم اور اس کی اصلی صورت مسخ ہو گئی ہے اور ایسی ہوئی کہ آج تک اسلام اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آ رہا۔

تاریخ لکھوانے والے بنوامیہ

بنوامیہ جنہوں نے یہ تاریخ مرتب کروائی اپنے اغراض و مقاصد کے بندے تھے چنانچہ مصر کے مشہور سنی اہل قلم عباس محمود العقاد اپنی تصنیف ابوالشہدا میں بنو ہاشم اور بنوامیہ کا موازنہ اس طرح کر رہے ہیں۔

> یہ دونوں خاندان مزاج اور اخلاق کے لحاظ سے مختلف تھے۔ اگرچہ قبیلہ قریش کی دو شاخیں تھیں بنو ہاشم اغلب طور پر انسانیت کا نمونہ عمل روحانی انسان تھے۔ یہ خصوصیت خاص طور پر سیدہ فاطمہؑ کی اولاد میں موجود تھی۔ بنوامیہ عام طور پر اکثر اپنے نفع کے لئے ہی عمل کرنے والے انسان تھے یہ خصوصیت پدری اور مادری طور پر عبدالشمس کی اولاد میں موجود تھی۔" (ابوالشہدا ص ۲۹)

السید محسن الامین الحسینی العاملی اپنی شہرۂ آفاق کتاب اعیان الشیعہ میں بنوامیہ اور بنو عباس کے حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

> حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی ذریت تمام زمانوں

میں شریعت، عدل، احسان زہد اور تقویٰ کے
طریقوں کے محافظ تھے یہاں تک کہ ان حضرات
کا سلوک دشمنوں سے بھی ایسا ہی تھا۔ اس لئے لوگ
ان کی طرف مائل ہوتے تھے، سوائے حاسدوں
اور دشمنوں کے جو ان کے مخالفین کی طرف مائل
ہوتے تھے لہذا سلاطین زمانہ اور بادشاہان وقت
کو ان سے ہمیشہ اپنی سلطنت کے متعلق اندیشہ رہتا تھا
اس لئے انہوں نے ان حضرات کے مراتب گھٹانے
اور ان کی اور ان کے پیروؤں کی ایذا رسانی میں
حد سے زیادہ کوشش کی۔"

بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے سرکار رسالت محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مستثنےٰ نہیں کیا۔

بنوامیہ کا سرکار رسالت محمد مصطفےٰ حضرت ابی طالب اور اولاد ابی طالب کے خلاف پروپاگنڈا

حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت ابو طالب نے اپنی زندگی میں بنو امیہ
کے ارادوں کو جس طرح ناکام بنایا اور ان کے اغراض و مقاصد کو جس طرح
خاک میں ملایا اور ان کی اولاد نے جس طرح اسلام کو پروان چڑھایا اور

بنو امیہ کو خلاف اسلام جنگوں میں جس طرح شکست پر شکست دی وہ اموی حکمرانوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اس کا نتیجہ بنو امیہ کا حضرت محمد مصطفےٰؐ حضرت ابو طالبؑ اور اولادِ ابی طالب سے عناد کی صورت میں ظاہر ہوا انہوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں تاریخی پروپاگنڈے کی ایک زبردست مہم شروع کی اور آج تک ان کے متبعین کے دم قدم سے جاری ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ ابو طالب اولادِ ابی طالب کے وقار کو کم کرنے کے مختلف عنوان اختیار کیے گئے۔

(۱) سرکار احسان ابو طالب عمران کے اسلام سے انکار

(۲) سرکار احسان ابو طالب عمران جن کی تجارت ممالک خارجہ میں تھی ان کے افلاس کے تذکرے۔

۳) حضرت امام حسن علیہ السلام کے کثرت ازدواج و کثرت طلاق کے افسانے۔

۴۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صنفی خواہشات کے افسانے

۵۔ حضرت امام حسن علیہ السلام پہ مسرفانہ زندگی کا الزام۔

۶۔ حضرت ام کلثوم بنت جناب امیر و سیدہ فاطمہ کا افسانہ

۷۔ حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا مظلومہ شام پر مکروہ حملے۔

آج ہمیں پہلے کثرت ازدواج اور کثرت طلاق کے افسانہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنا ہے اور مسرفانہ زندگی کی حقیقت کو واضح کرنا ہے۔

ان مسائل پر غور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ جس تاریخ میں یہ افسانہ موجود ہے وہ بنو امیہ کے خاص سیاسی گروہ نے جو ایک خاص مذہبی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے حزب اختلاف کے خلاف ایک خاص فرقہ کے پروپاگنڈے کے لئے لکھوائی ہے

۲۔ اس تاریخ کے مرتب کرنے والے افراد سیاسی مرغِ باد نما (POLITICAL WETHER COCK) تھے کہ جس سمت اقتدار کی ہوا چلی۔ اسی طرف ان کا رخ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اسے ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ "قلم بدست بد خواہ است"

۳۔ یہ تاریخ سطحی نظر سے ذاتی اغراض کے ماتحت لکھی گئی ہے اس میں وہ تمام نقائص موجود ہیں جو بادشاہوں کے ایماء پر لکھے جانے والی تاریخ میں ممکن ہیں۔

۴۔ یہ تاریخ درایت کو نظر انداز کر کے، تنقید و تبصرہ کے بغیر اندھا دھند لکھی گئی ہے۔

۵۔ اس تاریخ کے لکھنے والوں نے مؤرخ کے حقوق و فرائض کو نظر انداز کیا ہے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ آیا یہ تاریخی واقعہ ممکن الوقوع ہے بھی یا نہیں۔ آیا واقعہ ہوا بھی ہے یا کہ نہیں اس افسانہ کثرت ازدواج کا مقدمہ یا تمہید وہ الزام ہے جو وضعی احادیث کے ذریعہ افراط

صنفی خواہشات کا سرکار رسالت کی ذات قدسی صفات کی طرف منسوب کیا گیا۔ یہی وہ مواد ہے جسے غیر مذاہب کو اسلام اور ذات قدسی صفات محمد مصطفےٰ کے خلاف پیش کرتے ہیں اور جس کا اعادہ کسی اسلامی کتاب کے شایان شان نہیں۔ اے کاش مسلمان ان وضعی احادیث کو درایت کی کسوٹی پر پرکھتے ان پر تنقید و تبصرہ کر کے انہیں کتب احادیث سے خارج کر دیتے ان احادیث میں ایسی ایسی باتیں حضور کی ذات اقدس کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن کے سدود کا ایک عام مسلمان سے بھی امکان نہیں۔ جناب رسالت مآب کی طرف ایسے جنسی مسائل کی نسبت دی گئی کہ وہ ایک نبی معصوم رسول مرتاض، مصلح بنی آدم کی بجائے ایک سراپا تعیش انسان معلوم ہوتے ہیں اور اس قسم کے افسانے شرعی جواز کے ضمن میں وضع کئے گئے۔ اس قسم کے لٹریچر کو شائع کرنا ہم خلاف اصول سمجھتے ہیں مگر واضعین حدیث کی بد باطنی کے اظہار کے لئے صرف ایک وضعی حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

انس سے روایت ہے کہ سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز میں ایک ہی وقت میں اپنی گیارہ بیویوں کا چکر لگایا کرتے تھے۔ انس سے پوچھا گیا کیا ان میں اتنی طاقت تھی۔ انس نے کہا ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے (السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین صہ ۱۹۴ مطبوعہ حلب)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ اللھم احفظنا من شرور انفسنا وسیئات

اعمالنا۔

جناب رسالت مآب جن سے ظاہری عقیدت کا اظہار بنو امیہ کا شعار تھا جب ان سے اس قسم کے خرافات منسوب کرنے کی انہیں جسارت ہے تو پھر اندازہ کیجئے کہ امام حسن علیہ السلام جن کے وہ علی الاعلان اور کھلم کھلا دشمن تھے ان کے متعلق مکروہ پروپاگنڈا جس شد و مد سے چاہیں کریں۔

ہماری تمہید کے پیش نظر اب آپ کثرت ازدواج و طلاق کے فسانہ پر غور و فکر کیجئے۔

امام حسن علیہ السلام کے کثرت ازدواج کے افسانہ میں حضور کی ازدواج کے تعین عدد میں اختلاف ہے۔

۱۔ ۲۵۰ بیویاں تھیں کنیزیں ان کے علاوہ تھیں۔

۲۔ امام حسن نے بہت عقد کئے کہا گیا ہے کہ ۷۰ عقد کئے۔

(علامہ شیرازی شافعی)

۳۔ علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ امام حسن نے ۷۰۰ سات سو سے زیادہ عقد کئے (اتحاف شافعی ص۳۴)

۴۔ علامہ محمد بن جہان مصری نے لکھا ہے:۔

آپ نے ۹۰ عقد کئے (اسعاف الراغبین)

(۵) ابو طالب مکی لکھتے ہیں:۔

آپ نے دو سو پچاس عقد کئے کہا گیا کہ تین سو عقد کئے۔

قوت القلوب، مناقب مازندرانی جلد ۴ ص ۵

ابو طالب مکی نے اپنی کتاب قوت القلوب میں اسے روایت کیا ہے وہ کتاب بے ترتیب سی ہے۔ علم رجال میں ابو طالب کے ذکر میں وارد ہوا ہے

وکان مصاباً بالھستیریا وکان طعامه
فی ذلك الوقت عروق البردی حتی اخضر جلدہ
وقل الف کتابه وھو مصاب بعقله وذکروا
انه ذکر فی کتابه اخباراً و احادیث لا اصل
لھا دانه عرف بقلة الورع وارتکاب
المحارم (البدایة والنھایة ۱۱/۳۱۹
المنتظم ۷/۱۹۰ لسان المیزان ۵/۳۰۰)

ابو طالب مکی نے جب قوت القلوب تالیف کی ہے تو وہ ہسٹریا کی مرض میں مبتلا تھا بردی کے پتے کھاتا تھا یہاں تک کہ اس کی جلد سبز ہو گئی تھی جس وقت تالیف کی فاطر العقل تھا اس نے اس کتاب میں ایسے اخبار و احادیث ذکر کیے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں اس میں پرہیزگاری کی قلت تھی اور حرام باتوں کا مرتکب ہوتا تھا۔

۶۔ کچھ لوگوں نے آپکی کل شادیوں کی تفصیل ہیں۔ ۷ آزاد عورتوں سے نکاح اور ایک سو ساٹھ کنیزیں لکھی ہیں۔

۷۔ سلیمان بن احمد کہتے ہیں کہ مجھ سے حسین بن اسحاق نے ان سے

عثمان بن ابی شیبہ نے ان سے عبد الاعلیٰ نے ان سے ہشام بن حسان نے ان سے محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ حسن بن علی نے ایک عقد کیا اس کے پاس سو کنیزیں بھیجیں ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم بھیجے۔ (تفسیر ثعلبی، حلیۃ الاولیا جلد ۲ صہ ۳۶)
(مناقب، مازندرانی جلد ۴ صہ ۵۲)

۸۔ یہی محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حسن بن علی نے خولہ بنت منظور بن زیاد کا خطبہ اس کے باپ سے کیا یعنی اس کے باپ سے نکاح کی تمنا کا اظہار کیا جواب میں منظور کے یہ الفاظ بتائے گئے۔

انی لا نلحك وانی لا علم انك كا غلق طلق ملق غیر انك اکرم العرب بیتاً واکرمهم نفساً۔ مناقب مازندرانی جلد ۴ صہ ۶۲

میں آپ سے خولہ کا عقد کر دوں گا یہ جانتے ہوئے کہ آپ (عیاذاً باللہ) بد خلق بہت طلاق دینے والے اور (معاذ اللہ) خوشامدی ہیں اس لئے کہ آپ کل عرب میں خاندان و نفس کے لحاظ سے سب سے بزرگ ہیں۔

اس روایت کو مدائنی نے نقل کیا ہے۔ مدائنی کے متعلق وارد ہوا ہے

ولیس بالقوی بالحدیث وهو صاحب الاخبار

قل ماله من الروایات المسند لا

(میزان الاعتدال ۳۳٦/۴ لسان المیزان ۲۵۲/۴

وہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔ تھوڑے سے اخبار
جو اس سے منقول ہیں وہ مستند روایات نہیں

انہ کان اموی النزعۃ فقد کان مولی
لسمرۃ بن حبیب الاموی

اس شخص کا تعلق اموی پارٹی سے ہے وہ سمرہ
بن حبیب اموی کا غلام تھا۔

معجم الادبار ۱۲۴/۱۳

۹۔ مدینی نے ابن ابی ملیکہ م ۱۱۷ھ سے روایت کی کہ حسن بن علی نے
خولہ بنت منظور سے عقد کیا ایک شب ایک چھت پر سو رہے
تھے خولہ نے اپنے دوپٹہ کا ایک گوشہ ان کے پاؤں سے باندھ
دیا۔ اور دوسرا گوشہ اپنی چھاتی سے باندھ لیا شب کو آپ
جب اٹھے تو پوچھا یہ کیا ہے خولہ نے کہا مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ
نیند میں چھت سے نہ گر پڑیں اور میں عرب میں منحوس مشہور
ہو جاؤں، آپ کو خولہ سے محبت ہو گئی۔ سات روز قیام کیا۔

(اتحاف شیرازی ص ۳۵)

(ماخوذ از افادات علامہ کامونپوری)

ذرا ان روایات کا جائزہ لیجئے تعداد نکاح کے افسانہ میں شدید

اختلاف ہے۔

(۱) ۶۴ بیویاں تھیں کنیزیں ان کے علاوہ تھیں۔

(۲) ۷۰ بیویاں تھیں

(۳) ۷۰ بیویاں تھیں اور ایک سو ساٹھ کنیزیں

۴۔ 250 بیویاں

5۔ ۳۰۰ بیویاں

۶) ۷۰۰ بیویاں

۶۴ سے ۷۰۰ تک کی تعداد اور اس میں اتنا اختلاف تبلا رہا ہے کہ کثرت ازدواج کی حیثیت افسانوی ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں احتمالات کی کثرت کثرۃِ ازدواج کی وضعیت پر دلالت کر رہی ہے۔

۱۔ درایت کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی امر متعدد طریقوں سے منقول ہو اور وہ طریقے بہ اعتبار الفاظ و معانی مختلف ہوں اور اس سے کوئی ایک صورت درجۂ اعتبار تک نہ پہنچ سکے تو وہ امر قابل قبول نہیں ہے کثرت ازدواج کی روایات میں ایسا اختلاف موجود ہے جو ۶۴ سے ۷۰۰ تک پہنچ گیا ہے۔ یہ اختلاف ہی روایات کثرت ازدواج کی بیخ کنی کر رہا ہے۔

جس قدر روایات کثرت ازدواج کے متعلق لکھی گئیں ہیں ان کی سندیں

محفوظ نہیں تقریباً نو سو سال کے بعد علامہ سیوطی سات سو سے زیادہ عقد کا دعوے کر رہے ہیں اس کی تاریخی و علمی قدر و قیمت کیا ہوئی ان میں ہمیں ایک روایت محمد بن سیرین راوی ملتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم محمد بن سیرین کی تنقید سے اس روایت کو پرکھ لیں۔ محمد بن سیرین سے ہشام بن حسان نے روایت کی ہے ہشام بن حسان کو قطان ضعیف کہتے ہیں محمد بن سیرین حضرت عمر کے زمانۂ سلطنت میں پیدا ہوا اس لئے صحابی نہیں ہے۔ حضرت عمر کا زمانہ سلطنت ۱۳ھ سے ۲۳ھ تک ہے زمانہ ہشام بن عبد الملک ۱۱۰ھ میں محمد بن سیرین کا انتقال ہوا اس نے مندرجہ ذیل سلاطین کا زمانہ پایا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی حضرت امام حسن، معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید، مروان، عبد الملک ولید ابن عبد الملک، سلیمان ابن عبد الملک، عمر ابن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک یہ زمانہ وہ ہے جو بنی امیہ کے عروج کا زمانہ کہلاتا ہے اور اس زمانہ میں مسلمان دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے حامیان اہل بیت اطہار اور بنو امیہ کے آلۂ کار ابن سیرین انصاری ہے باوجودیکہ چند انصاریوں کے سوا انصار مجموعی حیثیت سے محبت اہل بیت میں ممتاز تھے مگر اس کی زندگی میں اہل بیت سے اس کی کوئی دلچسپی معلوم نہیں ہوتی اس کی زندگی کے دور میں اہل بیت پر شدید ترین مظالم ہوئے مگر اس کی طرف سے عملاً تو درکنار لفظاً بھی اہل بیت کی ہمدردی کا ثبوت نہیں ملتا۔ روایت حدیث میں سے ہے اور اس نے ائمہ اہل بیت میں

سے پانچ اماموں کا زمانہ پایا مگر ان پانچوں میں سے کوئی ایک بھی اس کا شیخ الروایت نہیں ہے۔ محمد بن سیرین نے ابوہریرہ، عبداللہ ابن عمر عبداللہ ابن زبیر، عمران بن حصین اور انس بن مالک سے روایت کی ہے حضرت ابوہریرہ۔ وہ ہیں جو معاویہ کے عہد حکومت میں مدینہ میں مروان کے قائم مقام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں (مسلم ج ۱ ص ۱۵۴)

گویا اموی حکومت کی ملازمت میں ان کی زندگی کا خاتمہ ہوا ۵۸ھ جب یہ مدینہ میں بیمار ہوئے بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے خود مروان بن الحکم بھی آتا تھا (سیر الصحابہ ۱/۵)

یزید کی حکومت کے زبردست حامیوں

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ

میں تھے چنانچہ جب مدینہ والوں نے یزید سے فسخ بیعت کیا تو عبداللہ ابن عمر نے اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا۔

> "میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور میں نے آنحضرت کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن ہر دھوکے باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا سے شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا و رسول کے لئے بیعت کرے اور پھر اس کو فسخ کر دے اس

لئے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ ابن عمر وصفحہ ۱۳۴) یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳)

حضرت عبداللہ ابن عمر نے جناب امیر علیہ السلام کی بیعت نہیں کی (فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۸)

معاویہ اور یزید کی بیعت کی (طبقات ابن سعد ج ۴ تذکرہ ابن عمر) عبدالملک بن مروان کی بیعت کی (بخاری جلد ۲ باب کیف یبایع الامام الناس) اس سے ظاہر ہے کہ خاندان رسالت سے کوئی واسطہ نہیں رکھا اور سلاطین امویہ کے حامی و مددگار تھے۔

عمران بن حصین:- عبید اللہ بن زیاد سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے جب استسقا کی مرض میں مبتلا ہوئے لوگوں نے مشورہ دیا کہ داغنے سے فائدہ ہوگا لیکن آپ نے ان کا کہنا نہ مانا لیکن ابن زیاد کے اصرار سے راضی ہو گئے۔ (اصابہ جلد ۵ صفحہ ۲)

انس بن مالک:- جناب امیر کے آغاز سلطنت میں یہ بصرہ میں مقیم تھے۔ جناب امیر کی بیعت نہیں کی اور جنگ جمل و صفین میں جناب امیر سے الگ رہے عبیداللہ ابن زیاد

گورنر کوفہ سے ان کے روابط و ضوابط تھے (سیر الانصار ص۱۴۹)

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ محمد بن سیرین اموی پارٹی کا فرد تھا۔ ان کی والدہ صفیہ حضرت ابو بکر کی کنیز تھیں اور حضرت ابو بکر کی بہن ام فروہ کا اشعث بن قیس سے عقد ہوا تھا اور اسی سے جعدہ بنت اشعث امام حسنؑ کو زہر کھلانے والی پیدا ہوئیں گویا جعدہ بنت اشعث حضرت ابو بکر کی بھانجی تھیں اور ان کی والدہ حضرت ابو بکر کی کنیز تھیں اور اشعث اور اور ان کی اولاد اہل بیت کے سخت مخالف تھے اور ان کی والدہ کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس کے اس معاند اہل بیت خاندان سے روابط ہوں ان روابط اور بنی امیہ سے تعلقات کی بنا پر محمد بن سیرین نے امام حسنؑ کے خلاف پروپاگنڈا میں حصہ لیا۔

محمد بن سیرین کے شیوخ حدیث مخالفین اہل بیت میں سے ہیں چنانچہ عمران بن خزاعی م ۵۲ھ ہمیشہ جناب امیر علیہ السلام سے کنارہ کش رہے (

عمران بن حطان خارجی جس نے دافعہ شہادت جناب امیر پر ان کے قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم کی مدح میں اشعار کہے تھے۔

(مقدمہ تہذیب الکمال ص۲۵ صفی الدین خزرجی انصاری مولود ۹۰۰ھ مطبوعہ مصر)

کیا بعید ہے کہ ابن سیرین نے یہ روایت عمران بن حطان خارجی مداح ابن ملجم سے لی ہو۔

اس روایت میں امام حسن علیہ السلام کے متعلق جو ناز یبا و ناشائستہ الفاظ خولہ کے والد منظور کی زبان سے روایت کئے ہیں وہ درایت کے خلاف ہیں۔

خلق حسن اس زمانہ میں بھی ضرب المثل تھا اور آج بھی زبان زد خلائق ہے پھر منظور حقیقت واضحہ کے خلاف امام حسن علیہ السلام کے لئے کس طرح غلق (بداخلاق) کا لفظ استعمال کر سکتا تھا۔ یہ لفظ راوی کی اپنی اختراع ہے اور اموی پالیسی نے راوی کے منہ میں یہ لفظ اس لئے رکھا تاکہ شہرۂ آفاق خلق حسن کو جس نے انہیں مرجع انام بنا رکھا تھا اور انسانیت کے لئے ایک کشش رکھتا تھا اس روایت سے اسے مشتبہ کیا جائے اور امام حسن علیہ السلام کی دلیری، جرأت و جسارت کے جو تذکرہ تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں انہیں "غلق" جیسے لفظ سے محو کیا جائے ورنہ منظور کو ان کے شہرۂ آفاق خلق کی موجودگی میں انہیں غلق کہنے کی کس طرح جرأت ہو سکتی تھی۔ مگر۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ کی قوت قاہرہ کی کارروائیاں ملاحظہ کیجئے کہ اسی روایت کے دوسرے حصہ نے اس قلعہ کو منہدم کر دیا جو اموی ڈپلومیسی کے بنیاد دل پر قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ آخر میں منظور کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

إِنَّكَ أَكْرَمُ الْعَرَبِ بَيْتًا وَأَكْرَمُهُمْ نَفْسًا۔

لیکن آپ خاندان کے لحاظ سے بھی کریم ترین عرب ہیں اور اپنے نفس کے لحاظ سے بھی کریم ترین ہیں جو کریم ترین گھرانے سے ہو اور نفس کے لحاظ سے بھی کریم ترین فرد ہو وہ نہ عنق بد خلق ہو سکتا ہے نہ خواہشات نفسانی کیوجہ طلاق کثرت سے طلاق دینے والا ہو سکتا ہے اور نہ ہی خوشامدی ہو سکتا ہے خولہ بنت منظور فزاریہ جناب امام حسن علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ ہیں جن کے بطن سے حضرت حسن مثنیٰؑ کی ولادت ہوئی۔

۲۔ علم درایت کا یہ بھی تسلیم شدہ اصول ہے کہ اگر کوئی ایسی بات بیان کی جا رہی ہو جو حقیقۃً واقع ہوئی ہو تو لوگ اسے دیکھتے جانتے اور گفتگو کے ضمن میں بیان کرتے ہیں لیکن چند زر خرید راویوں کے سوا کسی نے ان روایات کو بیان نہیں کیا بلکہ دشمن بھی ان مکالمات میں جو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ہوئے کبھی زبان پر نہ لا سکے

۳۔ جب ہم کثرت ازدواج اور کثرت طلاق کے اس افسانہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ایسا واقعہ ہوتا تو ان تمام عورتوں کے نام علم رجال میں تذکرہ حسن کے ضمن میں موجود ہوتے جن سے انہوں نے نکاح کیا یا انہیں طلاق دی ہیں امام حسن علیہ السلام کی صرف نو بیویوں کے نام ملتے ہیں ان ازواج سے آپ نے مختلف اوقات میں نکاح کیا اور ان میں سے بعض کے اولاد بھی ہوئی۔

۱۔ ام بشیر دختر ابو مسعود بن عقبہ ان کے بطن سے زید بن الحسن اور دو

لڑکیاں ام الحسن اور ام الحسین پیدا ہوئیں۔

۲۔ خولہ بنت مسعود فزاری جن کے شکم سے حسن ابن حسن المعروف بہ حسن مثنیٰ کی ولادت ہوئی۔

۳۔ ام ولدان سے عمر بن الحسن، قاسم عبداللہ و عبدالرحمٰن۔

۴۔ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی سے حسین اثرم، طلحہ و فاطمہ۔

۵۔ تقفیہ

۶۔ رملہ

۷۔ ام الحسن

۸۔ بنت امرءالقیس ان میں سے بعض سے ام عبداللہ۔ فاطمہ ام سلمہ و رقیہ پیدا ہوئیں۔

۹۔ جعدہ بنت اشعث جس نے آپ کو زہر دیا یہ ام فروہ کی بیٹی تھیں جو حضرت ابو بکر کی بہن تھیں۔ (ابصار العین)

یہ نو کا عدد ہی ہے جو سرکار رسالت کی سیرت میں بھی موجود ہے جس طرح سرکار رسالت کے نو نکاح سیاسی و معاشرتی مصالح پر مبنی تھے اسی امام حسن علیہ السلام کے ہاں بھی مصالح موجود تھے امام حسن علیہ السلام کے ہاں یہ نو بیویاں ایک وقت میں موجود نہیں تھیں۔

(۴) ایک اور حیثیت سے بھی کثرت عقد کی روایات پر تنقید ہو سکتی ہے ان سات سو عقدوں سے طویل رومانی داستانیں تالیف ہو سکتی

تھیں اور اس کا رد عمل یہ ہوتا کہ

۱- زن و مرد کی زبان پر یہ قصے ہوتے، عورتیں بچوں کو یہ داستانیں سناتیں۔

۲- مرتاض، متقی اور ثقات اس رویہ پر شدید نکتہ چینی کرتے اور اس پر تعریض کا سلسلہ جاری رہتا۔

۳- ادیب ان عقدوں کے پلاٹ پر ناول اور قصے کہانیاں لکھتے اور اس پر ضرب الامثال وضع کرتے۔

۴- عیاش اور تعیش پسند لوگ اپنے تعیش کے لئے جواز کی سند بناتے ایسا نہ ہونا اس افسانہ کے غلط اور بے بنیاد ہونے کی دلیل ہے۔

۵- افسانہ کثرت ازدواج ممکن الوقوع ہی نہیں کیونکہ یہ امام حسن علیہ السلام کی بلند سیرت کے منافی ہے جس کا اپنوں کے علاوہ غیر مسلم اغیار نے بھی اعتراف کیا ہے۔

ایڈورڈ گبن اپنی مشہور و معروف تاریخ، تاریخ تنزل و انقطاع سلطنت روم (DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE) میں لکھتے ہیں۔

یہ حضرات (ائمہ معصومین آل محمد) آلات حرب، مال وزرا اور رعایا نہ رکھتے تھے اس پر بھی لوگ ان کی عزت و قعت و تعظیم کرتے تھے یہ چیز حکمران سلاطین کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکاتی تھی، ان کے

مزارات مقدسہ جو مدینہ و فرات کے کنارے اور خراسان میں موجود ہیں اب تک ان کے شیعوں کی زیارت گاہیں۔ ان بزرگواروں پر ہمیشہ بغاوت اور خانہ جنگیوں کا اتہام والزام لگایا جاتا تھا حالانکہ یہ شاہی خاندان کے اولیاء اللہ دنیا کو ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے اور مشیّت ایزدی کے مطابق سرِتسلیم خم کرتے ہوئے اور انسانوں کے مظالم برداشت کرتے ہوئے انہوں نے امور دینی کی تعلیم و تلقین میں اپنی عمریں صرف کر دیں جو حضرات دنیا کو حقیر سمجھتے ہوں اور جن کے مشاغل دن رات امور دینی کی تعلیم و تلقین ہوں ان سے کثرت ازدواج و کثرت طلاق ممکن الوقوع ہی نہیں۔

۶۔ ہم نے اس باب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ کثرت ازدواج کا افسانہ اموی سیاست نے مرتب کیا ہے اس کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس کے راوی محمد بن سیرین جیسے افراد ہیں جو مخالفین اہل بیت میں سے ہیں اور بنی امیہ کے متوسلین میں سے ہیں اور سنئے

محمد بن سیرین کی روایت ابو الحسن مدائنی سے منقول ہے۔ مدائنی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اخبار واحادیث میں ضعیف ہے اور

اموی پارٹی کا فرد ہے۔ بلکہ سمرہ بن حبیب اموی کا غلام ہے۔ غلام اکثر اپنے آقاؤں کے میلانات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور آقاؤں کی پارٹی میں منسلک ہوتے ہیں۔ امویوں کے زیر اثر اور تحت حکم رہنے کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کے تابع فرمان ہوں ان کی تحسین و تمجید میں مبالغہ کریں اور ان کے مخالفوں سے مخالفت رکھیں۔ مدائنی ان ہی لوگوں میں ہے جو امویوں سے متمسک ہیں اور علویین یعنی خاندان رسالت اہل بیت اطہار کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں پس ایسے لوگوں کی روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔

۷۔ کثرۃ ازدواج کی روایتوں کو نقل کرنے والا ابو طالب مکی ہے دو سو پچاس یا تین سو عقد والی روایت کو اسی نے اپنی کتاب قوت القلوب میں نقل کیا جب ہم نے پہلی مرتبہ اس کی روایت کو پڑھا تو ہمیں یہ روایت دیو مالائی کی بڑ معلوم ہوئی۔ جب ہم نے اس افسانہ کی ریسرچ شروع کی تو ہمارا یہ احساس حقیقت بن گیا۔ چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ابو طالب مکی نے جب قوت القلوب کو تالیف کیا تو وہ ہسٹیریئے کی مرض میں مبتلا تھا اور جنگل میں درختوں کے پتے اس کی خوراک تھے فاطر العقل تھا اس نے اپنی اس تالیف میں بے اصل باتیں لکھ دیں۔ اور امور حرام کا مرتکب تھا۔ ایسوں کی روایات کہاں تک قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

۸۔ امام حسن علیہ السلام دنیا میں کل چھیالیس سال اور تقریباً چھ ماہ زندہ

رہے زندگی ایسی تھی جس میں کثرت ازدواج کا امکان ہی نہیں ۳ ھ میں دنیا میں تشریف لائے ۱۱ ھ میں سرکار رسالت کا سایہ سر سے اٹھا۔ اور خاندان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ماں ان مصائب کی وجہ سے چند ماہ زندہ رہ سکیں یعنی آٹھ برس کے تھے جب نانا کے سایہ رحمت اور ماں کی شفقت مادری سے محروم ہوئے نانا اور ماں کی جدائی سے جس قدر حسن علیہ السلام متاثر ہوئے ہونگے اس کا اندازہ بیان سے باہر ہے۔ خیر یہ تو امام حسن علیہ السلام کے بچپن کا زمانہ تھا مگر جس بچہ کا بچپن ان مصائب میں بڑھکر جوانی تک پہنچا اس میں کثرت ازدواج کی تمنائیں کہاں تک پھولتی پھلتی ہیں آپ خود اندازہ کیجئے اس زمانے میں اہل دنیا کی سرد مہری نے معلم اخلاق انسانی باپ کو انتہائی مصائب میں مبتلا رکھا۔ جس میں ان کے فرزند اکبر برابر کے شریک تھے ۲۴ ھ تھی حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر ۲۱ سال تھی اس زمانہ میں شوریٰ کا واقعہ پیش آیا۔ امام حسن علیہ السلام نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد بزرگوار کو شخصی اطاعت کے اعلان کے ساتھ عنان حکومت سپرد کرنا چاہتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ ان کے با اصول باپ کتاب و سنت کے علاوہ کسی چیز پر بیعت لینے کے لئے تیار نہ تھے اس واقعہ سے پھر وہ سلطنت جس کے مستحق تھے ان سے ایک طویل مدت کے لئے علیحدہ ہو گئی ۲۴ ھ سے ۳۴ ھ تک بنی امیہ کے نشو و ارتقا کا زمانہ تھا بنی امیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر خاندان رسالت سے انتہائی تنکرات کا زمانہ تھا ان حالات میں بھلا کثرت

ازدواج کی طرف طبیع انسانی کس طرح مائل ہو سکتی ہے۔ ۳۵ھ میں ان کے والد بزرگوار سریر آرائے تخت سلطنت ہوئے مگر بنی امیہ کی بغاوت سول وار (Civil War) جنگ جمل وصفین ونہروان کی ہنگامہ آرائی کا زمانہ تھا۔ پانچ برس مہمات ملکی کے سر کرنے میں صرف ہوئے جس میں شہنشاہ دوجہاں باپ کے ساتھ شاہزادہ ولیعہد برابر کے شریک تھے ۴۰ھ میں باپ کو شہید ہوتے دیکھا باقی کے دس سال انتہائی مصائب والآلام کے سال تھے جس میں سراپا ایمان باپ پر سب وشتم ہو رہا ہے وابستگان خاندان رسالت تلوار کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں ان کی زبانیں گدی سے کھنچوائی جا رہی ہیں، انہیں تختہ دار پر ٹکایا جا رہا ہے امن عالم کے لئے سلطنت کو ٹھکرایا تھا مگر پھر بھی امن نصیب نہ ہوا جس شاہزادہ امن کی زندگی ان مصائب میں بسر ہوئی ہو بھلا اس کے لئے کثرت ازدواج کہاں ممکن ہے آخر بنی امیہ کی آخری سیاسی سکیم سے جام شہادت نوش کیا اور نانا کی گود میں کھیلنے والے نواسے کو نانا کے پہلو میں قبر بھی نہ مل سکی۔ امام حسن علیہ السلام کے اپنی پر مصائب زندگی کا تذکرہ اس خط میں کیا ہے جو آپ نے معاویہ کو لکھا چنانچہ اس کے چند جملے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

"اب مجھے حق کے زندہ رہنے اور باطل کے مردہ
ہونے سے مایوسی ہو چکی ہے۔ مصیبت اپنی حد
کو پہنچ چکی ہے اب میں گوشہ نشین ہوتا ہوں۔

۹۔ امام حسن علیہ السلام نے پچیس حج پا پیادہ کئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کیا ہو سکتا ہے کہ میں اپنے معبود سے ایسی حالت میں ملوں کہ اس کے گھر تک پیادہ بھی نہ جا سکا ہوں اگر آپ پا پیادہ حج کے لئے چار مہینے بھی فی حج تجویز کریں تو پچیس حج کے لئے سو مہینے ہوئے یعنی تقریباً ساڑھے آٹھ سال صرف ان حجوں کی بجا آوری میں گزرے۔ اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ ایک شخص نے ۶۴۔ ۷۰۔ ۹۰۔ ۲۵۰۔ ۳۰۰۔ نکاح کئے ہونگے۔

۱۰۔ امام حسن علیہ السلام کے متعلق یہ امر مسلمات فریقین سے ہے کہ آپ صائم الدھر یعنی اکثر روزہ رکھتے تھے۔ سال کے اکثر دن روزہ دل میں بسر ہوتے تھے اب آپ نفسیاتی نکتہ نگاہ سے انصاف فرمائیں کہ آیا کثرت صوم اور کثرت ازدواج میں نسبت تضاد ہے یا کہ نہیں نفسیاتی حقائق ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے کثرت ازدواج کا افسانہ بنی امیہ نے گھڑا ہے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں

۱۱۔ امام حسن علیہ السلام کے متعلق کتب فریقین میں وارد ہوا ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام وضو فرماتے تھے تو آپ کے بدن کا جوڑ جوڑ کانپنے لگتا تھا۔ اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا جب حضرت سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو شخص اپنے معبود جلیل کے سامنے کھڑا ہو اس کا یہی حال ہونا چاہیئے۔ نفسیاتی طور پر جائزہ لیجیئے کہ جس شخص کو اللہ سے اس قدر شغف و توغل ہو وہ جنسی حظائظ سے کہاں

تک لطف اٹھا سکتا ہے۔

۱۲۔ امام حسن علیہ السلام کی کثرت نماز ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شیعہ اور سنی کسی کو انکار نہیں روایات فریقین سے ثابت ہے کہ آپ قائم اللیل تھے، رات کا اکثر حصہ عبادت الہیہ میں بسر کرتے تھے بہت الحاح وزاری سے بارگاہ احدیت میں اظہار عبدیت کرتے تھے ذرا علمائے نفسیات سے دریافت کیجئے کہ جس شخص کی رات کا اکثر حصہ رکوع و سجود قیام و قعود، تکبیرات و قنوت میں گزرتا ہو اس پر کثرت ازدواج کا الزام آیا ممکن الوقوع ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ اقتدار سے محروم ہونے کے بعد اہل بیت کی زندگی کا اکثر حصہ علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام ایسے مشاغل میں جناب امیر علیہ السلام کے شریک و سہیم تھے مختلف قوموں کی طرف سے اسلام پر جو اعتراضات ہوتے ان کے جوابات آپ ہی دیتے۔ جو مشکل مسائل مسلمانوں کو پیش آتے ان کا حل آپ ہی نکالتے ان امور کو جناب امیر علیہ السلام امام حسن کے سامنے رکھتے آپ امام حسن کی ذکاوت طبع علم وہبی۔ حاضر جوابی قوت فیصلہ اور فہم فراست سے لطف اندوز ہوتے۔ حلیۃ الاولیا $\frac{۲۶}{۲}$

جب جناب امیر علیہ السلام نے عنان حکومت ہاتھ میں لی اور اس پر سول وار شروع ہو گیا تو مولائے کائنات کی ذمہ داریوں نے نئی صورت اختیار کی۔ ملکی انتظامات کے علاوہ مخالفین کے مدافعانہ

جنگ کے فرائض انجام دینے پڑے ان شدید حالات میں امام حسن علیہ السلام جناب علی مرتضیٰ کے قوت بازو اور دست راست ناصر و مددگار تھے امام حسن علیہ السلام انتظامات جنگ کی ذمہ داری سنبھالتے تقریریں فرماتے اور مخالفین کو براہین و مبنیہات سے مسکت خصم جوابات دیتے۔

(بخاری، طبری۔ شرح نہج البلاغہ ابوالحدید $\frac{290}{3}$ مطبوعہ مصر)

مولائے کائنات امام حسن علیہ السلام کی خدمات سے مطمئن و خوش تھے ان کے کمالات سے متاثر ہوتے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور فرماتے میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔

(مناقب ماثر ندرانی $\frac{49}{4}$)

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا زمانہ سلطنت امام حسن علیہ السلام کے لئے انتہائی عدیم الفرصتی کا زمانہ تھا ان حالات میں تعیش و کثرت ازدواج کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

۱۴۔ عورتوں کے شیفتہ انسانوں کا لباس اور ان کی خوراک بھی خاص ہوا کرتی ہے عورت کا رنگ وہ رنگ ہے جس سے انسان کی ہر چیز میں رنگینی نمایاں ہو جاتی ہے کسی ماہر جنسیات سے پوچھیئے کہ ایک ایسا شخص جس کی اکثر خوراک جو کی روٹی اور نمک ہو۔ جو اکثر موٹا کپڑا پہنتا ہو جس میں جا بجا پیوند لگے ہوں ایسے شخص کے لئے صنف نازک

میں کیا کشش ہو سکتی ہے. کیا اس کے کثرت ازدواج کا افسانہ کوئی تاریخی حقیقت ہو سکتا ہے

۱۵۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام جیسے نقاد جو اپنے عاملوں کے ذرا سے حد سے متجاوز ہونے پر ڈانٹ بتلاتے تھے کسی قسم کی جائز افراط کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ امام حسن علیہ السلام کی اس درجہ افراط پر پہنچی ہوئی کثرت ازدواج کو برداشت کر سکتے تھے؟ نہیں جناب امیر علیہ السلام بالکل خاموش نظر آتے ہیں کوئی ضعیف سے ضعیف ایسی روایت نہیں ملتی جس میں اس افراط نکاح کی طرف توجہ دلائی ہو۔ تنبیہہ فرمائی ہو منع کیا ہو۔

قاضی شریح بن حارث کے اسّی دینار میں ایک مکان خریدنے پر جس دلیرانہ انداز سے تنبیہہ فرمائی ہے اسے نہج البلاغہ سے پڑھیے اور پھر بتلائیے کہ جناب امیر علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کی اس افراط نکاح پر کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔

جناب امیر علیہ السلام زیاد بن ابیہ کو لکھتے ہیں۔

فدع الاسراف مقتصداً واذکر فی الیوم

غداً وامسك من المال بقدر ضرورتك وقدم

الفضل لیوم حاجتك۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ مکتوب ۱۸)

اعتدال کی راہ سے اسراف کو چھوڑ دے آج کے

دن کل کو یاد کر جتنی ضرورت ہے اتنا ہی مال رکھ
اور جو زیادہ ہو اسے اپنی محتاجی کے دنوں کے لئے
آگے بڑھاتا جا

یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب امیر علیہ السلام اپنے ایک عامل کو تو یہ حکم دیں کہ اسراف کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ اختیار کر اور اپنے ولی عہد کو کبھی نہ کہیں کہ تو اسراف فی النکاح کو ترک کر دے اور اس امر میں اعتدال کی راہ اختیار کر پھر فرماتے ہیں۔

أنتا متمرغ فی النعیم وتمنعه الضعیف
والارملة۔

جبکہ تو عیش و نعم میں لوٹ رہا ہے اور کمزوروں
اور بے نواؤں کو محروم کر چکا ہے۔

عاملوں سے یہ سلوک اور ولیعہد سلطنت کو کبھی کثرت تزویج کے تعیش سے منع نہ فرمانا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات سے بعید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت ازدواج کی کہانی گھڑی گئی ہے اس میں حقیقت نام کو بھی نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا نے صفین سے واپسی پر امام حسن علیہ السلام کو وصیت نامہ تحریر فرمایا یہ شمارہ کے لحاظ سے نہج البلاغہ جلد ۲ کا اکتیسواں خط ہے اور یہ خط تقریباً ۳ صفحات پر مشتمل ہے اس میں اخلاقیات، معاشیات و معاشرت پر بلیغ نصائح موجود ہیں مگر

حد سے متجاوز تزویج پر ایک اشارہ تک موجود نہیں۔

عثمان بن حنیف انصاری گورنر بصرہ جیسی معتمد شخصیت کو ایک دعوت میں شرکت پر پانچ صفحات پر مشتمل خط لکھا اور امام حسن علیہ السلام کے کثرت ازدواج پر امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف سے ایک ضعیف سے ضعیف اشارہ بھی نہیں ملتا اگر اس میں رتی بھر حقیقت ہوتی۔ تو جناب امیر علیہ السلام اس معاملے میں امام حسن علیہ السلام کو اپنی مشفقانہ نصیحت سے محروم نہ فرماتے آپ نے کبھی نہ فرمایا تزویج کی یہ کثرت اہل تقوےٰ کے شایان شان نہیں اس سے یہی نکلتا ہے کہ کثرت ازدواج ایک افسانہ ہے جسے بنی امیہ کے زرخرید افسانہ نگاروں نے روپہلی مصلحتوں پر وضع کیا ہے۔

۱۶۔ جو تعیش کی داستانیں اموی اور عباسی سلاطین کی مشہور ہیں حقیقت پر مبنی ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ ملک کی دولت کو اپنی ذاتی ملکیّت سمجھتے تھے۔

عمرو بن عاص نے خیر تبا کے رئیس سے کہا۔

"تم ہمارے خزانے ہو"

اہل مصر کے متعلق بنوامیہ کہتے تھے۔

"یہ ہمارے غلام ہیں ہم جس طرح چاہیں گے ان پر حکومت کریں گے۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر ۲۶۹/۲)

رشید کے قصر میں ۳۰ گانے والی۔ ناچنے والی اور زمزمہ ساز

کنیزیں تھیں ان کنیزوں کی قیمت ہزار، دس ہزار، لاکھ تک تھی ان کے لباس ان کی معاش اور ان کے زیور اور تزئینات پر کافی دولت خرچ ہوتی تھی، رشید نے ایک انگوٹھی ایک لاکھ میں خریدی۔ تاریخ احمد بن الاسدی جرجی زیدان ۱۲۶/۲

ان لوگوں کی زندگی کے لامحدود ذرائع تھے۔

امام حسن علیہ السلام کے ذرائع آمدنی اور مخارج صرف کا تاریخ سے پتہ چلانا مشکل کام نہیں۔

امام حسن علیہ السلام کی فیاضی کے تذکروں سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔

معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کی فیاضی کو اسراف سے شہرت دی تھی اور کہا تھا کہ "اسراف میں کوئی بھلائی نہیں"۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا۔

"بھلائی میں کوئی اسراف نہیں"۔

ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے تین بار اپنا کل مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ اپنا آدھا مال فی سبیل اللہ بخش دیا امام حسن علیہ السلام اکثر جو کچھ ان کے پاس ہوتا تھا مستحق اور نادار مسکینوں کو دے دیا کرتے تھے جب اس عطیہ کی باربرداری کے لئے مزدوری ادا کرنے کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ تو اپنا چوغہ اتار کر حمال کو مزدوری میں دے دیتے تھے، حتیٰ کہ زمانہ سلطنت میں بھی جب

تک آپ کو اطمینان نہ ہوجاتا کہ کوئی بیوہ کوئی محتاج کوئی یتیم کوئی مسکین بھوکا نہیں تب کھانا تناول فرماتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ نے کھانا شروع کیا اور سائل نے آکر سوال کردیا آپ نے فوراً اس کھانے کو سامنے سے اٹھوادیا اور خود فاقہ سے رہے۔

ان حالات کے بعد آپ کسی ماہر معاشیات سے دریافت کیجئے کہ نت نئے بیاہ رچانے اور نئی نویلی دولہن کی رضا جوئی کے لئے مال کی کس قدر ضرورت ہے۔

ان روایت سازوں نے خود ایک عقد کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حسن بن علی نے ایک عقد کیا اس کے پاس سو کنیزیں بھیجیں ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم بھیجے۔

(تفسیر ثعلبی، حلیۃ الاولیا ابونعیم ۳/۳۸ مناقب مازندرانی ۴/۵۲)

ایک نکاح پر ایک لاکھ درہم صرف ہوئے اب سات سو نکاحوں کا خرچ کیا ہوگا؟ کیا جو نت نئی شادی کرنے گا اور وہ اس شان سے عادی ہو وہ اپنا سارا مال راہ خدا میں تقسیم کیا کرتا ہے اور کیا زمانہ حکومت میں جو شخص سائل کو سامنے کا کھانا اٹھوانے کے بعد خود فاقہ سے رہتا ہو وہ اس قدر شادیاں اور اس دھوم دھام سے کرسکتا ہے؟

امیرالمومنین علیہ السلام کے زمانۂ سلطنت میں امام حسن علیہ السلام کو کوئی سیاسی عہدہ بھی حاصل نہ تھا جس سے معاشی حالت بہتر ہو جاتی

اگر سیاسی عہدہ حاصل بھی ہوتا تو جناب امیر علیہ السلام کی عادلانہ تقسیم دولت میں یہ گنجائش کہاں تھی کہ ان کا بیٹا ایک ایک لاکھ درہم ایک ایک شادی پر صرف کر سکتا اور پھر ایسی متعدد شادیاں رچا سکتا۔

چند مہینوں کے لئے جب سلطنت کی ذمہ داریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو اس زمانے میں تعیشات تو کہاں خوش گزرانی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ معاویہ نے بہت بڑے پیمانہ پر ملک بھر میں ابتری اور بدنظمی پھیلا رکھی تھی ہر وقت بیرونی حملوں اور اندرونی سازشوں کا اندیشہ رہتا تھا۔ اور بعد جنگ بندی تو وہ مصائب و شدائد کہ الامان والحفیظ۔

دل آزاری، تنقید، اموی پروپاگنڈا، اعوان، انصار، اعزا و اقرباء کی توہین اور ان کا قتل جس قدر امام کے لئے غم انگیز ہو سکتا تھا وہ انسانی تصور میں نہیں آسکتا۔ اور اس پر اپنی جان و آبرو ننگ و ناموس کا تحفظ ان حالات میں نکاح کرنا تو درکنار نکاح کا تصور بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

۱۷۔ سب سے آخر میں میں یہ پوچھتا ہوں کہ صنف نازک کو ایک ایسے شخص سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جو نکاح کرنے کے بعد فوراً طلاق دیتا ہو کیا اس زمانے کی عورتیں پاگل اور دیوانی تھیں جو آنکھوں سے دیکھ کر طلاق کی مکھی کو نگل لیتی تھیں، اور طلاق جیسے دل شکن سلوک کے بعد ایسے کثرت سے طلاق دینے والے کے لئے عورتوں کے گروہ در گروہ نکاح کے اس قدر مشتاق تھے کہ عورتوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

۱۸۔ اس افسانہ کی کمزوری کو محسوس کر کے حضرت معاویہ کے سیر الصحابہ

میں گن گانے والے مؤرخ نے بھی شادیوں کے متعلق مبالغہ کو دبی زبان سے تسلیم کر لیا ہے۔

"روایتوں میں ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو مطلاق کہنے لگے تھے۔ بعض روایات سے آپ کی ازواج کی تعداد ۹۰ تک پہنچ جاتی ہے لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں، اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی کل دس اولادیں تھیں۔ اور یہ تعداد شادیوں کی کثرت کی روایات مبالغہ سے خالی نہیں ہیں تاہم اس قدر مسلم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں۔

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مؤلف سیر الصحابہ اس سے پہلے کہی ہوئی بات کو بھول گئے۔ اولاد کی تعداد ۱۰ تو عام رواج سے زیادہ شادیوں کے مسلمہ کی بھی تردید کر رہی ہے جب میرے جیسا اس ملک کی آب و ہوا میں صرف ایک بیوی سے ۱۷ برس میں چھ اولادیں پیدا کر سکتا ہے تو امام حسن علیہ السلام کے ہاں رواج سے زیادہ شادیوں میں درجنوں اولاد ہونی چاہیے تھی آج کے زمانے کے تاریخ لکھنے والے بھی اموی پروپاگنڈا سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس لئے امام حسن علیہ السلام کی مظلومیت پر جس قدر آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ اس دور کے دو علوم جدیدہ سے فارغ التحصیل پروفیسر بھی اس طرح روشنی ڈال رہے ہیں۔

"عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ آپ (امام حسن) نے

بہت سی شادیاں کیں آپ اکثر پہلی بیویوں کو طلاق
دے کر نئی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے، جہاں
تک اس روایت پر ہم نے غور کیا ہے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ جس طرح اس دور میں عام عرب عمائد زیادہ
شادیاں کرتے تھے اسی طرح آپ نے بھی کیں
لیکن اموی اور عباسی دور کے مؤرخوں نے عام مسلمانوں
کے دل سے ان کی وقعت کم کرنے اور ان کی شاندار
قربانی اور ایثار کی اہمیت کو گھٹانے کے لئے یہ
لکھا کہ آپ عورتوں کے بے حد شائق تھے، آپ نے
متعدد شادیاں کیں اور طلاقیں دیں اموی دور کے
مورخ اس سے انہیں نا اہل حاکم ثابت کر کے
امیر معاویہ کا تخت حکومت پر استحقاق ثابت کرتے
تھے عباسی دور میں امام محمد نفس زکیہ وغیرہ متعدد
حسنی سید حکومت سے برسرپیکار رہے لہذا
امام حسن کی مفروضہ کمزوریوں کی اشاعت سیاسی
اعتبار سے ضروری تھی لطف یہ ہے کہ شیعہ مورخوں
نے بھی ان روایات کو نقل کیا ہے وہ غالباً سوچتے
ہوں گے کہ اور نہیں تو یہ کہہ دیں گے کہ امام عالی
مقام نے ان خواتین سے متعہ کیا تھا۔ انگریز علمائے

تاریخ نے ان روایات کو پڑھا تو ولیم میور کی طرح یہ کہنے لگے کہ امام حسن عیش پسند تھے اس لئے وہ حکومت کی ذمہ داریوں کو ترک کر کے مدینہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

تاریخ اسلامیہ مؤلفہ پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم پروفیسر محمد شجاع الدین۔ ص ۳۹۷

دور جدید کے مغربی تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل فاضل مؤرخوں نے اس جملہ میں کہ "جس طرح اس دور میں عالم عرب عمائد زیادہ شادیاں کیا کرتے تھے آپ نے بھی کیں۔" کثرت ازدواج کو تسلیم کر لیا ہے اس کی چند وجہیں ہیں۔

(۱) امام حسن علیہ السلام کے عدم عرفان کی وجہ سے انہوں نے امام حسن علیہ السلام کے بلند روحانی مقام کو اس طرح پیش نظر نہیں رکھا انہیں بھی عمائد عرب میں شمار کیا اور ان کے سیاسی حالات ان کے مصائب دینی مشاغل، ان کی عبادات، ان کے خیرات و مبرات کو نظر انداز کر کے انہیں عمائد عرب پر قیاس کیا حالانکہ

اہل اللہ را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

خدا پرستوں کو اپنے نفس پر قیاس مت کر۔ اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (شیر اور دودھ) ایک ہیں۔

(۲) انہوں نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ اموی اور عباسی حکمرانوں نے کثرت

ازدواج کا امام حسن کے خلاف پروپاگنڈا کیا۔ اور اس پروپیگنڈے کی وجوہات کو بھی وضاحت سے بیان کیا، مگر اس تاریخی پروپاگنڈے کی انتہا کو نہیں پہنچے۔ اس کی وجہ یہ ہے انہوں نے بعض تاریخی روایات کو پڑھا اور بنوامیہ کی سیاسی پالیسی تاریخ سازی کی مہم ناحق کو حق بنانے کی کوشش ان روایات لکھنے والوں کے بنوامیہ سے روابط اور ان روایات کے راویوں کی علم رجال میں حیثیت کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ لیکن آخر اللہ کی قوت قاہرہ نے حق ان کے قلم پر ان الفاظ میں جاری کیا۔

امام حسن علیہ السلام کی مفروضہ کمزوریوں کی اشاعت سیاسی اعتبار سے ضروری تھی۔"

کثرت ازدواج کو مفروضہ کمزوریوں میں شامل کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ کثرت ازدواج کی کہانیاں بھی فرضی داستانیں تھیں۔ جنہیں سیاسی اعتبار سے وضع کیا گیا۔ اگر ان داستانوں میں حقیقت کا ذرا سا پہلو بھی ہوتا تو اسے مفروضہ کمزوری نہ کہا جاتا۔ پھر لکھتے ہیں:۔

لطف یہ ہے کہ شیعہ مؤرخوں نے بھی ان روایات کو نقل کیا ہے معاف کیجئے گا۔ نقل کیا ہے تسلیم نہیں کیا۔ اس کی توثیق نہیں کی نقل کرنا اور چیز ہے اسے تسلیم کرنا اور اس کی توثیق کرنا اور چیز ہے۔ انہوں نے اس امر میں شیعہ اصول سے ناواقفیت

کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور ہمارے مکتوبات کو اہل سنت کے کتب احادیث واخبار پر قیاس کیا ہے۔

اہل سنت کے ہاں صحاح ستہ" موجود ہیں یعنی چھ صحیح کتابیں، ہم نے اپنی چار چوٹی کی کتب اخبار کو کبھی صحاح اربعہ نہیں کہا ہم انہیں کتب اربعہ کہتے ہیں۔ یعنی لکھنے والے ان چوٹی کی کتابوں کو لکھ گئے اب انہیں معیار صحت پر پرکھنا یہ ہمارا کام ہے اور اس کے لئے ہمارے سلف صالحین نے اصول وقوانین مقرر کئے ہیں جب ان چوٹی کی چار کتابوں کو جو قدیم ترین ہیں ہم صحاح تسلیم نہیں کرتے تو اس کے بعد لکھے جانے والی کتابوں کا تو کیا ذکر۔

اہل سنت کی صحاح ستہ کی صحت کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ عوام میں ان میں سے دو کتابوں کو کتاب باری یعنی قرآن کے بعد درجہ دیا گیا اور کہا گیا" بعد کتاب باری صحیح مسلم اور صحیح بخاری ہم کسی کتاب کو بعد قرآن کس طرح درجہ دے سکتے ہیں حالانکہ ان کتب میں جو امور درج ہیں وہ ظنی الصدور ہیں اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا یقینی الصدور ہے۔

اگر بعض شیعی کتب نے اس افسانہ کو نقل کیا تو اس کے سنی ماخذ کی بھی نشان دہی کی ہے تو جب ہم اپنوں کی طرف منسوب بیانات کو بھی جب تک انہیں کسوٹی پر کس نہ لیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو دوسروں کی بیان کی گئی باتوں کو صرف نقل کرنے پر واجب التسلیم کس طرح سمجھ لیں ہمارے ہاں اگر کسی بات کو غیر معصوم انسانوں کا اجماع بھی بیان کرے پھر بھی ہم اس

اجماع کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں جب تک کہ وہ اجماع کاشف رائے معصوم نہ ہو۔

یہ روایات ہمارے نزدیک اس صورت قابل تسلیم ہوتیں جبکہ ان روایات میں کسی معصوم کا قول بھی ہوتا۔ باقی یہ فرمانا کہ شیعہ مورخین نے اس لئے انہیں نقل کیا ہے "کہ اور نہیں تو یہ کہہ دیں گے کہ امام عالی مقام نے ان خواتین سے متعہ کیا تھا۔"

یہ بھی متعہ کے نہ سمجھنے کی دلیل ہے متعہ کا جواز انہیں جنسی صورت حالات میں ہے چونکہ وہ حالات کسی امام کو پیش نہیں آئے اس لئے ان کے متعلق متعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا متعہ کا جواز قرآن مجید میں موجود ہے ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے جن لوگوں کو متعہ کے متعلق تحقیق مطلوب ہو وہ مکتبہ امامیہ کی مشہور تا لیف "متعہ اور اسلام" کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم پھر مختصراً عرض کرتے ہیں کہ انہیں جنسی حالات میں زنا، فسق و فجور اور غیر فطری گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو انسانی خواہشات نفسانی کا سب سے بڑھکر شناسا ہے جواز عطا فرمایا۔ چونکہ صاحبان عصمت کے ان حالات میں مبتلا ہونے کا امکان ہی نہیں اس لئے ان کی طرف متعہ کو منسوب کرنا انہی لوگوں کا شعار ہو سکتا ہے جو عصمت ائمہ اہل بیت کے قائل نہیں ہیں۔

باقی رہا ولیم میور جیسے معاندین اسلام کا عیش پسند کہنا ان کے عناد کی دلیل ہے۔ البتہ اس قسم کی باتوں کی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے

بارے میں اشاعت کرنا یہ بنوامیہ کی سیاسی روش کی تخلیق ہے ع

اے صبا این ہمہ آوردہ تست

سرکار رسالت محمد مصطفےٰ یا ان کی آل طیبہ کے خلاف جو مورچہ معاندین اسلام نے لگایا ہے اس مورچہ کے ہتھیار بنوامیہ کی مہم حدیث سازی اور غلط تاریخ نویسی ہی ہے۔ اس لئے قیامت کے دن اس کے ذمہ داریاں یا ان روایات کو لکھوانے والے بنوامیہ اور یا لکھنے والے بنوامیہ کے زیر اثر محدثین و مؤرخین پر عائد ہوتی ہیں۔

ان افسانہ نگاروں نے یہ نہ لکھا کہ کونسا نکاح کس زمانے میں کس سال اور کس مہینے میں ہوا اور یہ مزعومہ زوجہ کتنا عرصہ عقد امام میں رہی اور کب اسے طلاق ہوئی اگر وہ اس افسانے کو ان تفاصیل کے ساتھ لکھتے تو اس افسانے کے بے بنیاد ہونے پر ہم سے زیادہ لکھ سکتے مگر تفصیل سے اجتناب ہی اس کثرت ازدواج کی افسانوی حیثیت کا بین ثبوت ہے۔ اس افسانہ نگاری میں انہوں نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا اگر وہ اپنے پروپاگنڈے میں خلاف شریعت امور کو امام علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تو امام حسن علیہ السلام کے شدید ترین دشمن بھی اسے تسلیم نہ کرتے مگر انہوں نے نکاح اور طلاق کے جائز عمل کے پردے میں امام علیہ السلام کی لوگوں کی نظروں میں قدر و قیمت، وقعت و اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔

اگر اس افسانہ میں کوئی حقیقت ہوتی تو امام حسن علیہ السلام کے

اشد مخالفین. معاویہ، عمرو العاص، وغیرہ ان مکالمات میں جو امام حسن علیہ السلام سے ہوئے بالمشافہ اس کمزوری کا ذکر کرتے یا ان رسل و رسائل اور خط و کتابت میں جو امام علیہ السلام اور ان کے مخالفین کے درمیان ہوئی امام حسن علیہ السلام کے کثرت ازدواج کے متعلق اشارے یا تعریضین ہوتیں اس خط و کتابت میں اکثر ازدواج کے متعلق معمولی سے اشارے کا بھی نہ ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ افسانہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں نہیں گھڑا گیا بلکہ بعد شہادت امام حسن علیہ السلام وضع کیا گیا ہے۔

مسلمانو! خدا کے لئے میں آپ کو محمد مصطفٰے کا واسطہ دے کر جن کے آپ کلمہ گو ہیں اور آل محمد کی ننگ و ناموس کا واسطہ دیکر جن پر آپ بلا امتیاز فرقہ نماز پنجگانہ میں درود بھیجتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ نفسیات و جنسیات کے پیش نظر فیصلہ کیجیئے۔ کہ صنف نازک کو ایک ایسے شخص کے ساتھ رابطہ زوجیت پیدا کرنے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

۱ جس کی ساری عمر سیاسی مصائب میں بسر ہوئی ہو اور جسے آلام و مصائب نے اطمینان کا سانس لینے نہ دیا ہو۔

۲۔ جو حج بیت اللہ کے لئے گھر بار چھوڑ کر ہمیشہ کمر بستہ رہے۔

۳۔ جو سال کا اکثر حصہ روزہ رکھتا ہو جبکہ شریعت کا حکم ہے کہ جس شخص کو نکاح میسر نہ ہو وہ منظلمہ سے بچنے اور اپنی خواہشات نفسانی میں کمی پیدا کرنے کے لئے روزے رکھے۔

۴۔ جو رات کا اکثر حصہ دربار احدیت میں خضوع و خشوع میں گزار دے

اور اس طرح نفسانی لذّات پر روحانی حظائظ کو ترجیح دے۔

۵۔ جو بشر تعلیم علم و حکمت اور ترویج شریعت طاہرہ میں اکثر مصروف ومنہمک رہے۔

۶۔ جس کی زندگی کے متواتر چھ سال خانہ جنگی (CIVIL WAR) میں بسر ہوئے ہوں

۷۔ جس کی اکثر خوراک جو کی روٹی اور نمک ہو۔

۸۔ جس کا لباس اکثر موٹا ہو اور اس میں پیوند لگے ہوئے ہوں۔

۹۔ جو عالم انسانیت کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے اور جس کے گھر میں تعیشات کی کوئی گنجائش نہ ہو

۱۰۔ جو اتنا غم زدہ ہو کہ اس کی زندگی میں اس کے محسن اسلام باپ پر سب وشتم کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ بن جائے۔ ان کے خاندان کے اعوان و انصار کی صرف اس جرم میں کہ وہ خاندان رسالت سے وابستہ ہیں تو ہین بھی کیجائے اور انہیں موت کے حوالے کیا جائے جس کی اپنی زندگی اور اس کے محبوب رسالتؐ بھائی حسینؑ کی زندگی ہر وقت خطرہ میں ہو۔

تلک عشرۃ کاملہ

امام حسن علیہ السلام کی چھیالیس سال یا چھیالیس سال چھ ماہ کی زندگی کا تجزیہ کیجئے۔

امام حسن علیہ السلام کا بچپن . . . . ۱۴ سال
پا پیادہ حج . . . . ۸ سال چھ ماہ
جناب امیر کے زمانے کی بغاوتیں اور خانہ جنگی ۶ سال
گوشہ نشین اور تاریک دل شکن زمانہ ۱۰ سال

میزان . . . . ۳۸ سال چھ مہینے .

باقی ۸ سال جس میں صائم الدھر بھی ہیں قائم اللیل بھی ہیں، اس میں ترویج شریعت بھی ہے اور نشر و اشاعت علم و حکمت بھی تمدنی اور معاشرتی فرائض بھی ہیں، کسب معاش بھی، یاد رفتگان بھی ایک ایسے مقدس انسان پر کثرت ازدواج و طلاق کا افسانہ کیا تاریخی حقیقت ہو سکتا ہے؟ اس قسم کا پروپاگنڈا امام مظلوم و معصوم پر صریحاً بے انتہا ظلم ہے آج ان پروپاگنڈا کرنے والوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا ہے جزیرہ عرب نے ان مستبد بادشاہوں کی ہڈیوں کو بھی اس قابل نہ سمجھا کہ اپنے مقدس دامن میں لے لے، آج تحقیقات کا زمانہ ہے ان لوگوں کی باتوں میں نہ آیئے جو ریسرچ کے پردہ میں حقائق کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اس لئے ان معصوم انسانوں کی زندگیوں کو تحقیقات کی روشنی میں مطالعہ کیجیے اسی میں آپ کی فلاح و بہبود ہے اور اسی سے آپ کی دنیا بھی سنور سکتی ہے اور آخرت بھی۔

بنی امیہ کے حکمران یہ جانتے تھے کہ ان حضرات کی زندگیاں الفاظِ قرآن کی عملی تفسیر ہیں ان کی عصمت و طہارت کسی خلافِ شریعت امر کو

قبول نہیں کرسکتی انہوں نے ان کے وقار کو گھٹانے اور ان کی عظمت کو کم کرنے اور ان کے جلال کی تنقیص کرتے کا یہی طریقہ ایجاد کیا کہ شریعت کی حدود میں کثرتِ ازدواج و کثرتِ طلاق کے الزامات اختیار کریں مگر ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

افسانہ کثرتِ طلاق

طلاق اگرچہ اسلام میں جائز ہے مگر بہت ناپسندیدہ اسی لئے بعض احادیث میں اسے اقبح مباحات کہا گیا ہے۔ یعنی جو چیزیں مباح ہیں ان میں سب سے بُرا مباح طلاق ہے اور واقعی اگر اسے جائز قرار نہ دیا جاتا تو بعض صورتوں میں بڑے بڑے فسادات ہوتے اسی وجہ سے دوسری قوموں کو جن کے مذہب میں طلاق نہیں بعض اوقات اسلام کے اس مسئلہ کی طرف مجبوراً رجوع کرنا پڑتا ہے۔

طلاق کے متعلق اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اس جواز کے ساتھ اس میں ایسی شرطیں ہیں کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آئے مثلاً مرد بالغ ہو اپنے ارادہ اور اختیار سے طلاق دے اور وہ بھی دو عادلوں کے سامنے طلاق دے اور زوجہ حیض و نفاس سے پاک ہو وغیرہ وغیرہ اگر نوبت آئے بھی تو دونوں میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ طلاق کے بعد عدہ اس واسطے ہے کہ شاید کوئی صورت ملاپ کی نکل آئے اور مرد

رجوع کرے اس کے علاوہ نسب و وراثت میں گڑبڑ نہ ہو اگر عورت حاملہ ہو تو اس کا عدہ وضع حمل ہے۔ قرآن کریم نے مسئلہ طلاق کو متعدد مقامات پر بیان کیا ہے اس مسئلہ کی کراہیت مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ
لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ
رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا
يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ
وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ
بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا
ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ
يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا۔

(سورۃ الطلاق ابتدائی آیات پ ۲۸ ع ۱۴)

اے نبی تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کے عدہ کے (یعنی حیض سے پاک ہونے کے) وقت طلاق دو اور عدہ کا شمار رکھو اور اللہ اپنے پروردگار سے

ڈرتے رہو نہ تم ان کو ان کے گھروں سے نکالو
اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ انہوں نے
کوئی کھلی بے حیائی کی ہو اور یہ خدا کی مقرر کردہ
حدیں ہیں۔ اور جو خدا کی مقرر کردہ حدوں سے
تجاوز کرے ...... تو اُس نے تو اپنے آپ
پر یقیناً ظلم کیا ہے۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس
قضیہ کے بعد خدا کوئی بات پیدا کر دے (اور
ملاپ ہو جائے) پھر جب وہ اپنی مدت پوری
کر چکیں تو یا تو تم انہیں حسن سلوک کے ساتھ روک
لو یا انہیں معقول طریقے سے رخصت کر دو اور
بوقت طلاق اپنے میں سے دو عادل گواہ کر لو
اور اے گواہو! للہ تم ٹھیک ٹھیک گواہی دینا
ان احکام کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ
پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو جو اللہ
سے ڈرے گا خدا اس کے لئے بچاؤ کی صورت
پیدا کر دے گا۔

تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں عدہ کے معنٰے ہیں حیض سے پاک ہونا، کافی میں انہی حضرت یعنی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب عورت حیض سے پاک ہو چکی

ہو تو اس کی پاکی کے زمانے میں قبل اس کے کہ اس سے مجامعت کرے یہ کہے انت طالق اور نیت میں اس کا طلاق منظور ہو اور اپنے اس قول پر دو عادل شخصوں کو گواہ کرے۔

واحصوا العدۃ تفسیر صافی میں ہے کہ یہاں عدہ سے مراد ہے پورے تین مرتبہ حیض آکر پاک ہو جانا اور یہ وہ مدت ہے جس میں منکوحہ عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

لاتخرجوہن من بیوتہن۔ کافی میں امام موسٰی کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جنہیں دو طلاق ہو چکی ہیں۔ پس وہ اس وقت تک گھر سے نکالی نہ جائیں گی جب تک کہ تیسری طلاق نہ دیدی جائے۔ جب تیسری طلاق ہو جائے گی تو وہ شوہر سے بالکل جدا کر دی جائے گی اور عدہ ختم ہوتے تک اس کا نان و نفقہ بھی بہم پہنچانا شوہر ہی کے ذمہ ہے اور سکونتی مکان دینا بھی بفاحشۃ مبینۃ تفسیر مجمع البیان، تفسیر قمی، کافی، من لایحضرہ الفقیہ اور کتاب اکمال الدین میں جناب امام محمد باقرؑ جناب جعفر صادقؑ جناب امام علی رضاؑ اور جناب صاحب العصر والزمان سے اس بارے میں جو کچھ منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے فاحشۃ مبینۃ سے مراد زنا بھی ہے سحق (چپٹی) بھی، غیر مردوں کے سامنے آنا جانا بھی شوہر کے ساتھ بدزبانی بھی۔ اور شوہر کے کنبہ والوں کو بدزبانی سے تکلیف دینا بھی اور ان کے ساتھ بدخلقی برتنا بھی۔

اگر مطلقہ عورت جس کو طلاق دی گئی ہو اور وہ امور مندرجہ بالا

میں سے کسی کی مرتکب ہو تو شوہر کو جائز ہے کہ قبل عدہ پورا ہونے کے
اسے اپنے گھر سے نکال دے۔

(۱) جناب باری تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے حبیب محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ
وآلہ سے ارشاد فرماتا ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

(سورۃ الاحزاب آیت ۵۲ پ۲۲ ع ۳)

اے رسولؐ! اس کے بعد نہ تمہارے لئے اور عورتیں
حلال ہیں نہ یہ بات کہ تم موجودہ ازواج کے بدلے
اور ازواج کر لو اگرچہ تمہیں ان کا حسن کتنا ہی بھلا
معلوم ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ حضرت زید بن حارثہ کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ
عَلَيْهِ أَمْسِكْ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ ۔

(الاحزاب آیت ۳۷ پ ۲۲ ع ۲)

اے رسول جب تم اس سے جس پر اللہ نے
احسان بھی کیا تھا اور تم نے بھی احسان کیا تھا،
کہہ رہے تھے تو اپنی زوجہ کو اپنے پاس رہنے دے
اور اللہ سے ڈر۔

اس شخص سے مراد زید بن حارثہ ہیں خدا کا انعام یہ تھا کہ داخل اسلام ہوئے اور رسول اللہ کا احسان یہ کہ خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

تفسیر صافی

ان آیات سے طلاق کی کراہت ثابت ہے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ امام معصوم منصوص من اللہ ایک امر مکروہ کا کثرت سے مرتکب ہو اس کی عصمت کا تقاضا ہے کہ وہ اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک کہ اس پر طلاق دینا واجب نہ ہو جائے۔

طلاق کے متعلق شریعت، طاہرہ میں وارد ہوا ہے۔

الطلاق ابغض شی عند اللہ

طلاق ایسی شے ہے جسے اللہ سب سے زیادہ دشمن رکھتا ہے۔

پھر اس کا ارتکاب امام علیہ السلام سے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ روایات کتب احادیث شیعہ میں بھی موجود ہیں۔

قابل غور امر ہے کہ شیعہ کا یہ مسلم اور مستحکم عقیدہ ہے کہ اعتماد و وثوق کے لحاظ سے اس کائنات میں صرف ایک کتاب ہے۔ جو بحث و تنقید و تبصرہ سے بالا و برتر ہے اور وہ صرف قرآن حکیم کتاب الہی ہے جب اس صحیفہ الہیہ نے طلاق کی کراہت کو بیان فرما دیا تو ہم اصولاً ہرگز تسلیم نہیں کریں گے کہ امام معصوم نے اسے اختیار کیا ہو۔ اگر کسی حدیث کی نسبت حضرت رسول اللہ یا ائمہ طاہرین کی طرف قطعی طور پر ثابت

ہو جائے تو وہ قابل قبول ورنہ کتب احادیث میں تو ہر طرح کی روایات موجود ہیں صحیح بھی ہیں حسن بھی، موثق بھی ہیں، قوی بھی اور ضعیف بھی ہیں ہمارے علمائے رجال علیہم الرحمۃ والرضوان نے خود کافی کی احادیث کا تجزیہ کیا ہے اور وہ قابل غور ہے۔ خود کافی میں ۵۰۹ صحیح احادیث ہیں ۱۴۴ حسن ۱۱۲۸ موثق ۱۰۳ قوی اور ۹۴۸۵ ضعیف روایتیں ہیں۔ لہٰذا کسی روایت کا کافی میں نقل ہو جانا کافی نہیں اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں اور ہمارے لئے نقل ہو جانا حرف آخر نہیں۔

آخر بعض شیعہ اہل قلم نے جو لاشعوریت کی حالت میں ان روایات کو نقل کیا اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ اس امر میں ہم معترف ہیں کہ بنو امیہ کو پروپاگنڈا میں جو کمال تھا اس کی مثال وہ آپ ہی ہیں۔ جب وہ کسی امر کا پروپاگنڈا کرتے تھے تو ایسے انداز سے کرتے کہ ان کا مخالف بھی اسے عالم لاشعوریت میں تسلیم کر لیتا تھا۔

چنانچہ ایک روایت میں امام حسن علیہ السلام کی طلاق کا ذکر ہے اس پر ایک ہمدانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

> بخدا ہم حسن سے رشتہ کریں گے یہ فرزند رسول و فرزند امیرالمومنین ہیں خواہ یہ عقد کو باقی رکھیں یا طلاق دے دیں۔

(فروع کافی ۲/۲۸۱ بحار ۱۰/۱۳۹)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ایک کوفی کا قول اس طرح

نقل کیا ہے:۔

"بخدا ہم ان سے ضرور عقد کریں گے یہ فرزند رسول
اور فرزند فاطمہ ہیں اگر بیوی پسند آئی تو روک
لیں گے نہ پسند آئی تو طلاق دے دیں گے

(فروع کافی کلام الطلاق صفحہ ۲۸۰ بحار ۱۴۰/۱۰)

اس میں فن یہ ہے کہ کثرت طلاق پر پردہ ڈالنے کے لئے قلوب انسانیہ پر تاثرات عظمت و احترام آل محمد کا پہلو اختیار کیا گیا اب اس روایت کے نقل کرنے میں تاثرات عظمت و احترام کا پہلو آیا اور نقل کرنے والے پر محبت اہل بیت علیہم السلام کا کیف طاری ہوا جس میں کثرت طلاق نظر انداز ہو گیا ہے۔

آیئے سب سے پہلے ہم یہ معلوم کریں کہ امام حسن علیہ السلام کے خلاف کثرت طلاق کا افسانہ گھڑنے والوں نے اس روش کو کیوں اختیار کیا؟

عقد دائمی کا جواز چار بیوں تک ہے اس لئے پابند شریعت بلکہ ناشر شریعت امام علیہ السلام کی طرف ایک وقت میں کثرت ازدواج کی نسبت نہیں دی جا سکتی تھی اس لئے کثرت طلاق کا افسانہ بنا کر کثرت ازدواج کو ثابت کر دیا۔ داستان سازی میں ایسی طباعی، ہوشیاری اور چالاکی موجود تھی کہ دوستوں کی نگاہیں بھی حرف گیری پر ملتفت نہ ہو سکیں۔ روایت میں مدح کا پہلو اس نہج سے موجود تھا جس سے مذمت

وتنقیص کے پہلو پر پردہ پڑگیا۔ اور یہ روایات دو ستوں تے بھی سپرد قلم کیں اب ہم ان کثرت طلاق کی روایات کو درج کرکے ان پر تنقید و تبصرہ کریں گے۔

۱۔ ابو جعفر محمد بن حبیب کہتے ہیں کہ حسن جب کسی عورت کو طلاق دینا چاہتے تو اس کے پاس آکر بیٹھتے اور فرماتے کیا تمہیں خوشی ہو گی کہ میں تمہیں اتنا اتنا مال دے دوں۔ اگر وہ کہتی آپ کی مرضی یا ہاں تو آپ فرماتے یہ مال موجود ہے اس کے بعد اسے طلاق دے دیتے اور مہر بھی دے دیتے (بحار ۱۴۰/۱۰)

اب اس روایت کو ذرا مختلف کسوٹیوں پر پرکھئے۔

نفسیات کے لحاظ سے ایک عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ شوہر کو کسی قیمت پر چھوڑنے پر رضامند نہیں ہو سکتی۔ امام علیہ السلام کا یہ فقرہ کیا تمہیں خوشی ہو گی معاذ اللہ؟ نفسیات سے نابلد ہونے کی دلیل ہے بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والا اور ملکوت سماوات والارض پر نگاہ رکھنے والا امام یہ فقرہ نہیں کہہ سکتا عام سمجھ کا انسان بھی ایسے موقعہ پر اپنے اس ارادہ کو ان الفاظ میں ادا کرے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔ اور اپنے اس افسوسناک ارتکاب کی کسی حد تک تلافی اس صورت میں کرسکتا

ہوں یہ رقم تمہیں دے دوں۔

واضح خبر نے اس جملہ میں ایک عام عقل کے انسان سے بھی امام کو پست دکھلانے کی کوشش کی ہے پس ثابت ہوا کہ یہ جملہ کسی با فراست انسان کا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ صاحب علم لدنی کی زبان سے صادر ہو۔

اقتصادیات کے لحاظ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے خیرات و مبرات و صدقات کے بعد اتنا تمول کہاں ہو سکتا تھا کہ ۹۴، ۷۰، ۹۰، ۲۰۰، ۲۳۰، ۲۵۰، ۳۰۰، اور ۷۰۰ عورتوں کو مال کثیر دیکر طلاق دیں۔ اور نفسیات اور معاشیات نے ثابت کر دیا کہ یہ امر ناممکن الوقوع ہے۔

۲۔ حسن بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بن علی علیہ السلام کے عقد میں ایک تمیمی اور ایک جعفی عورت تھی آپ نے ان دونوں کو طلاق دی اور مجھے ان کے پاس بھیجا کہا ان سے کہو عدہ رکھیں۔ یہ بھی کہا کہ دونوں جو کچھ کہیں مجھے اس کی اطلاع دینا دونوں کو دس دس ہزار دیئے شہد اور گھی بھیجا راوی کہتا ہے کہ میں جعفیہ کے پاس آیا اور کہا عدہ رکھو اس نے لمبی سانس لی اور کہا دوست کے چھوٹنے کے مقابلے میں رقم کچھ نہیں تمیمیہ بھی سمجھی کہ عدہ رکھو سے کیا مطلب ہے عورتوں نے اسے بتلایا کہ تمہیں طلاق دی گئی وہ سنکر خاموش ہو گئی جعفیہ کی گفتگو کی جب

حضرت حسنؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ زمین پر نشان بنانے لگے (یہ تردد کی علامت ہے) اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے کسی عورت سے رجوع کی ہوتی تو اس سے رجوع کر لیتا (مناقب ۳/۵۲)

حلیتہ الاولیاء ابو نعیم اصفانی میں اس روایت کی پوری سند موجود ہے اور اس طرح ہے۔ سلیمان بن احمد سے اسحاق بن ابراہیم نے ان سے عبدالرزاق نے ان سے سفیان ثوری نے ان سے عبدالرحمن بن عبداللہ نے ان سے ان کے والد نے ان سے حسن بن سعید نے ان سے ان کے والد نے بیان کیا ہے حلیتہ الاولیاء ابو نعیم اصفانی ۳۸/۲)

اب اس روایت کو پہلے معاشیات کی کسوٹی پر پرکھیے ایک ایک بیوی کو طلاق دینے پر دس دس ہزار اور پھر شہد اور گھی بھی اندازہ کیجیے کہ . . . سو والے افسانہ پر کس قدر خرچ ہوا ہو گا۔ کیا اسے عقل تسلیم کر سکتی ہے۔

اب نفسیات کی کسوٹی پر اسے کس کر دیکھئے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کسی سلیم الطبع عورت کو ایک پسندیدہ شوہر کی جدائی گوارہ نہیں وہ کسی قیمت پر بھی اپنے پسندِ خاطر شوہر کو چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتی اور جب اس معاملہ میں وہ بے قصور بھی ہو تو کس قدر ناگوار ہو گا اور اس سے اسے کس قدر دکھ ہو گا اور وہ اسے کس قدر مصیبت محسوس کرے گی چنانچہ اس جعفیہ عورت کا سرد آہیں بھرنا اور لمبی سانس لینا اس کی قلبی کیفیت اور اس کے رنج و ملال کا مظہر ہے۔ اور اسی افسانہ

طرازی نے یہ بھی بتلایا کہ امام حسن علیہ السلام نے اس کی اس کیفیت کو محسوس کیا اور افسانہ نگار نے اس احساس کے بعد امام پر ضد اور ہٹ دھرمی کا افترا کر کے انہیں لوگوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے۔ بھلا امام حسن علیہ السلام جیسے درد دل رکھنے والے انسان سے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ بلا کسی خطا اور قصور کے ایک نفس انسانی کو صدمہ پہنچائیں۔ شیعہ اور اہل سنت متفق ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے سرکار رسالت سے دریافت کیا۔ ما الدین یا رسول اللہ۔ جعلت فداک، اے اللہ کے رسول میں آپ پر فدا ہو جاؤں دین کیا ہے؟ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

الدین التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ

اللہ اللہ! کیا جامع تعریف ہے۔ دین ہے امر الٰہی کی عظمت کرنا اور خدا کی مخلوق پر شفقت کرنا۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگیاں دین کے ان دونوں شعبوں کو عملی جامہ پہناتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام کا اس قدر انسانیت کے کمزور عنصر صنف نازک کو طلاق دیکر مصائب میں مبتلا کرنا اور نفسانی دکھ پہنچانا منافی شفقت علی خلق اللہ ہے اس لئے قطعاً ناممکن الوقوع ہے۔ اور ایسا ہوا بھی نہیں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگیوں میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی اس لئے امام حسن علیہ السلام جن کے دل میں درد انسانی اس قدر تھا کہ انہوں نے تاج و تخت کو ٹھکرا کر آتش پیکار رو کیں کو بجھا دیا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ کثرت طلاق کی روایات افسانہ

سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔

۳۔ احیاء العلوم غزالی میں ہے کہ حضرت حسن بن علی علیہما السلام نے عبدالرحمن بن حرب سے اس کی بیٹی سے نکاح کے لئے سوال کیا۔ اس نے کہا مجھے آپ سب سے زیادہ عزیز ہیں، میری لڑکی میری پارہ جگر ہے آپ طلاق بہت دیتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اسے طلاق نہ دے دیں میرے دل میں آپ سے ملال پیدا ہو جائے۔ آپ رسول کے پارہ جگر ہیں۔ آپ سے بد دلی مجھے منظور نہیں اگر آپ یہ شرط کریں کہ طلاق نہ دیں گے تو یہ رشتہ ہو سکتا ہے حسن علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا عبدالرحمن اپنی بیٹی کو میری گردن کا طوق بنانا چاہتا ہے۔ (مناقب ماثر ندرانی ۹۲/۴)

اس افسانوی حکایت میں انسانی نفس کی صحیح ترجمانی موجود ہے کوئی انسان یہ گوارہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی ایسے انسان کے جو زوجیت کے رد ابطہ کے بعد اس کی بیٹی کو بلا کسی خطا کے طلاق دے کر علیحدہ کر دے یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے جسے افسانہ نگار نے لاشعوری طور پر تحریر کر دیا ہے۔ عبدالرحمن بن حرب پر ہی موقوف نہیں ہر انسان جو اپنے پہلو میں حساس دل رکھتا ہے انہیں جذبات کا اظہار کرے گا۔ آخر اس زمانے کے انسان مخبوط الحواس نہیں تھے۔ ہوش و حواس سے بے بہرہ نہ تھے۔ ان کا احساس انہیں جواب نہیں دے چکا تھا کہ وہ ایسے انسان سے جو اقتدار سیاسی

سے محروم ہے اور انتہائی مصائب میں مبتلا ہے۔ ہر عورت کو جسے حبالۂ نکاح میں لاتا ہے طلاق دے دیتا ہے اس سے اپنی بیٹیوں کا عقد کرنا گوارا کریں۔ اس لئے اس روایت نے اس افسانہ کی حقیقت کو عیاں کر دیا۔

۴۔ حمید بن زیاد بن حسن بن محمد بن سماعہ سے یہ محمد بن زیاد بن عیسیٰ سے یہ عبد اللہ بن سنان سے یہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ بعض واقفی اپنی رائے کی غلطی سے نادم ہوئے اور انہوں نے اپنی خطا پر اظہار ندامت کیا جیسے عبد الرحمن بن حجاج رفاعہ بن موسیٰ یونس بن یعقوب، جمیل بن دراج حماد بن عیسیٰ احمد بن محمد بن ابی نصر حسن بن علی وغیرہ اس روایت میں جن دو واقفیوں کے نام ہیں ان کا اپنی افترا پردازیوں سے نادم ہونا اور توبہ کرنا علمائے رجال کو معلوم نہیں اس لئے ایسے کذابوں اور افترا پردازوں کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ کی ایک شخصیت محمد بن زیاد ہے جو چار سال تک ہارون رشید کی قید میں رہا اس کی بہن نے اس کی کتابیں حفاظت کے پیش نظر زمین میں دفن کر دیں جو ضائع ہو گئیں۔ رہائی کے بعد اس کی روایات کا سلسلہ اس کی یاد پر تھا یا ان کا سرمایہ وہ روائتیں ہیں جن کو پہلے بیان کر چکے تھے اسی اصحاب حدیث ان کے مراسیل کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور

حجت نہیں مانتے۔ عبداللہ بن سنان بنی عباس کے غلام تھے، منصور، مہدی اور ہادی و رشید کے خزانچی تھے۔ چونکہ امام حسن کی اولاد بنی عباس کے خلاف بر سرپیکار رہی اس لئے بنی عباس بھی کثرت عقد و طلاق کی روایات سے پراگندہ ضروری سمجھتے تھے۔

"لا تزوجوا الحسن فانّہ مطلاق"

لوگو! تم حسن سے رشتہ نہ کرو یہ بہت طلاق دینے والے ہیں۔

اس وقت ایک ہمدانی نے کہا:۔

بخدا ہم رشتہ کریں گے یہ فرزند رسول اور فرزند امیرالمومنین ہیں خواہ یہ عقد کو باقی رکھیں یا طلاق دے دیں۔ (فروع الکافی کتاب الطلاق ۲۸۱/۲ بحار ۱۳۹/۱۰)

اس روایت کے راویوں میں حمید بن زیاد ایک کوفی کسان ہے جو ۳۱۰ھ میں ہوا ہے حسن بن سماعہ ہے جو ۲۶۰ھ میں ہوا ہے اور محمد بن زیاد بن عیسیٰ (ابن ابی عمیر) ۲۱۷ھ میں تھا۔ اور عبداللہ ابن عثمان (ابن ظریف) ہیں حمید بن زیاد واقفی فرقہ سے تھا حسن بن محمد بن سماعہ (ابو محمد کندی کوفی صیرفی بھی واقفی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا) واقفی فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ زندہ ہیں یہ لوگ امام رضاؑ کی امامت کے قائل نہ تھے امام موسیٰ کاظمؑ کو ہی مہدی موعود سمجھتے تھے ان لوگوں نے اپنے خیالات کی تائید میں بہت سی جھوٹی حدیثیں وضع کیں ایسے واضعین احادیث کاذبوں اور افتراپردازوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا

ہے۔

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو نہی فرما رہے ہیں منع کر رہے ہیں کہ حسن علیہ السلام سے ازدواجی و نسبی رشتہ قائم نہ کرو کیونکہ وہ کثرت طلاق دینے والا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور کثرت طلاق کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور لوگوں کو منع کر کے امام حسن علیہ السلام سے کو ایسا کرنے سے روکنا چاہتے تھے۔ گویا بالواسطہ روکنا مطلوب تھا حالانکہ بلا واسطہ روکنا زیادہ مناسب تھا۔ آپ امام حسن علیہ السلام کو خود فرماتے کہ بیٹا کثرت طلاق اچھی بات نہیں۔ اس روش کو ترک کرو۔ آیۂ قرآنیہ وانذر عشیرتک الاقربین اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ بیٹے سے زیادہ قریب کونسا رشتہ ہے اور بیٹے کی تربیت والدین کا اہم ترین فریضہ ہے، آپ کو ایک روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں امیر المومنین علیہ السلام نے کثرت طلاق سے امام حسن علیہ السلام کو منع فرمایا ہو۔ حتی اس طویل وصیت نامہ میں جس میں آپ نے امام حسن علیہ السلام کو وصایا فرمائے ہیں اور اخلاق و معاشرت و تمدن پر بیش بہا نصائح کا مجموعہ ہے اس میں اس کثرت طلاق کے متعلق اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ جناب امام حسن علیہ السلام کو بنفس نفیس منع نہ فرمائیں اور لوگوں میں ان کی ایک اس مزعومہ خامی کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ حالانکہ اخلاقیات کا مسلمہ اصول ہے کہ جو انسان کی اصلاح چاہتا ہے اسے تنہائی میں نصیحت کرتا ہے اور جسے بدنام کرنا چاہتا ہے اس کی خامی کا عوام میں تذکرہ کرتا ہے یہ کیسے ممکن

ہو سکتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنے فرزند اکبر کو مسند امامت کے جانشین کو اپنے ولیعہد کو اپنی آئندہ امیدوں کے مرکز کو تنہائی میں نصیحت نہ فرمائیں اور لوگوں میں ان کی کثرت طلاق کا بصیغہ مبالغہ مطلاق فرما کر چرچا کریں یہ امر قطعاً ناممکن الوقوع ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت امام حسن علیہ السلام کی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لئے وضع کی گئی ہے۔

انسان کسی کی اصلاح دوسروں کے ذریعہ اس وقت اختیار کرتا ہے۔ جب اسے یقین ہو کہ موصوف میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا امام حسن علیہ السلام کے متعلق کوئی صاحب عقل سلیم اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ امام حسن علیہ السلام جیسا سراپا اطاعت فرزند جن کی عصمت پر آیۂ تطہیر شاہد ناطق ہو۔ مفترض الطاعت باپ، امام باپ کی اطاعت نہ کرے یہ ممکن نہیں جب سعید بیٹا ایسا ہو تو پھر اس کے متعلق اغیار کو کہنے کی کیا ضرورت پڑی مگر یہ روایت واضعین کی فسانہ طرازی، ہوشیاری اور ستم ظریفی کا شاہکار ہے اس میں کثرت طلاق کے علاوہ واضعین کا مقصد یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار جناب امیر المومنین علیہ السلام کے زیر اثر نہ تھے۔ کیونکہ جب تک اولاد کی سرکشی، تمرّد اور نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ نہ جائے اس وقت تک اولاد کو تنہائی میں خلوت میں نصیحت کرنا کافی سمجھا جاتا ہے لیکن اجب اصلاحی کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر انسان اولاد سے قطع تعلق کر کے دوسروں کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کرتا ہے اس روایت کا نہج بیان یہ بتلا رہا ہے کہ ذاتی، نجی، شخصی اور خاندانی مسائل

اصلاح ختم ہو چکی تھی بے اثر ہو چکی تھی اور مایوسی کے عالم میں حضرت امیر المومنین کو اغیار سے مخاطب ہونا پڑا اور عوام کو خطاب کرنا پڑا۔ یہ فریب کاری کامیاب نہیں ہوسکتی چونکہ جس شخص کو خاندان رسالت اہل بیت اطہار کی ادنٰی سی معرفت ہے وہ یہ جانتا ہے کہ اہل بیت اطہار کے متعلق یہ بات افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی جب تک تنقید پر جناب امیر علیہ السلام کے اس اعلان کو رکھا جائے تو یہ اعلان صداقت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ اعلان کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں عوام کو کسی بات کا علم نہ ہو تو اعلان سے انہیں باخبر کرنا مطلوب ہوتا ہے اگر کثرت طلاق کے افسانہ میں رتی بھر بھی حقیقت ہوتی تو پھر اس سے ہر شخص واقف تھا۔ امام حسن علیہ السلام کے پاس حکومت وریاست نہ تھی انہیں سیاسی نظم ونسق میں کبھی کوئی عہدہ بھی نہیں ملا متوسط درجہ کی معاشی زندگی تھی اس پر صدقات وخیرات ومبرات کا سلسلہ بھی جاری اگر تمول ہوتا تو دستر خوان سے اپنا کھانا اٹھوا کر دوسروں کی بھوک کا تدارک کرنا اور خود فاقہ سے رہنا عمل میں نہ آتا آخری عوام کو کیا لالچ اور طمع تھا کہ ان حالات میں آپ سے نسبی رشتے پیدا کرتے، اور پھر ان کی عبرت کے لئے عقد میں افراط، نکاح کی لامحدود تعداد ہی کافی تھی کہ کوئی شخص عقد کے لئے رضامند نہ ہو پھر اس پر طلاق کی کثرت ایک طرف اضافہ تھا کوئی ادنٰی عقل کا آدمی بھی ایسے شخص کے فریب میں نہیں آئے گا پھر یہ نکاح کی افراط اور طلاق کوئی چھپی ڈھکی ہوئی بات نہ تھی کہ مولائے کائنات حضرت امیر

علیہ السلام کو لوگوں کو خطرہ سے بچانے کے لئے اعلان عام کے ذریعہ اس راز سے پردہ اٹھانے اور پبلک کو متنبہ کرنے کی ضرورت پڑتی. عقل سلیم کہتی ہے مولائے کائنات امیرالمومنین علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ اعلان کیا ہی نہیں اگر جناب امیر علیہ السلام ایسا اعلان کرتے کہ امام حسنؑ سے عقد نہ کرو اور ان سے رشتہ نہ کرو تو حضور کثرت نکاح اور کثرت طلاق کی وجہ بھی ارشاد فرماتے تو یہ اعلان قرین قیاس ہوتا. کہ کثرت عقد و طلاق سے لوگوں میں کراہت پیدا ہو گئی تھی. اور کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا تو اس اعلان سے امیرالمومنین نے اس کراہت کو دور کرنے کی کوشش کی ——— خود کثرت نکاح و طلاق مزید نکاح کی راہ میں مانع ہیں جن سے بڑا مانع نہیں ہو سکتا. عام فطری کراہت کی موجودگی میں جب اس مزعومہ کثرت عقد و طلاق کے نشو و ارتقا پانے کو بھی شامل کر لیا جائے کوئی اعلان عبث بے ضرورت سمجھا جائے گا. کافی میں ایسی روایت اہل بیت اطہار کے قلوب انسانیہ پر تاثرات کیوجہ نقل ہوئی مگر حضرت محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ کا تحت الشعور خود اس روایت کے اندراج میں کراہت محسوس کر رہا تھا اس لئے انہیں اس روایت کے لئے ایک خاص عنوان تجویز کرنا پڑا انہوں نے ایک علیحدہ باب قائم کیا.

"باب تطلیق المراۃ لغیر الموافقۃ"

یعنی اس عورت کی طلاق جو ناموافق ہو. مگر اس روایت کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس عنوان کی توضیح کر رہا ہو اس روایت میں

ایسا کوئی خفیف سا اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ بد خلق، نافرمان یا زبان دراز تھیں۔ اگر وہ نافرمان اور بد اخلاق ہوتیں تو جناب امیر علیہ السلام کو ایک معقول وجہ پر امام حسنؑ کے اس فعل پر لوگوں کو نہی فرمانے کی ضرورت ہی نہیں تھی لہٰذا اس افسانہ کی قلعی کھل گئی کہ امام حسن علیہ السلام بغیر ناموافقت طلاق نہیں دے سکتے اس لئے اس کثرت طلاق کی ضرورت نہ تھی اور جناب امیر علیہ السلام کو اس اعلان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیا امام حسن علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ نکاح و طلاق کی ہولناک کثرت اسلام میں ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب کے زمانے میں ایک شخص بار بار بے وجہ طلاق دے رہا تھا اور نیا عقد کرتا تھا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا اللہ ناپسند کرتا یا لعنت کرتا ہے ہر اس مرد و عورت پر جو خط و لطف کے لئے طلاق کا استعمال کرتا ہے۔

(فروع کافی کتاب الطلاق صہ ۲۷۹/۲)

جناب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ رسالت اور سرکار علم امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ امامت کے درمیان کافی فاصلہ موجود ہے۔ جناب رسالتمآب کا کثرت طلاق کو جو لطف اندوزی پر مبنی ہو ناپسند فرمانا یا [illegible] کے متواتر اعادہ کی وجہ سے ایسے شخص پر جو اس کا مرتکب ہو لعنت کرنا امام محمد باقرؑ تک تو پہنچ گیا۔ کیا امام حسن علیہ السلام جن کا

زمانہ رسول اللہؐ کے زمانے سے متصل تھا اس حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے اسے کوئی عقل سلیم قبول نہیں کرے گی اس لئے علم کے باوجود امام حسن علیہ السلام ایک ایسے فعل کے مرتکب ہوں جسے اللہ ناپسند کرے اور رسولؐ اس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیں اور اس کے انکاب پر معاندین امام حسن علیہ السلام اسے اپنے پروپاگنڈے میں استعمال نہ کریں۔ معاویہ، عمرو عاص مغیرہ بن شعبہ جیسے حسن علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے اس کو نظر انداز کر دیں معاویہ نے خیرات و میراث کے سلسلہ میں امام حسن علیہ السلام پر اسراف کا الزام لگایا جس کا امام حسن علیہ السلام نے معقول جواب دیا مگر امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں ان کے مخالفوں نے اپنے مکالمات میں نہ کبھی اس کثرت نکاح و طلاق کو اشارۃً یا کنایۃً پیش کیا اور نہ ہی اسے شہرت دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہی گھڑا گیا ہے تاکہ افسانہ کے بعد امام حسن علیہ السلام کی پوزیشن لوگوں کی نگاہوں سے اس قدر پست ہو جائے کہ وہ زہر خورانی امام علیہ السلام کی تحقیقات کے درپے نہ ہوں۔

کون ایسا مسلمان ہے جو یہ مان لے گا کہ امام حسن علیہ السلام مسائل شرعیہ طلاق سے اس قدر ناواقف تھے کہ وہ کراہت طلاق کے ان مسائل سے ناواقف تھے جنہیں اسلام کا معمولی فقیہ بھی جانتا ہے کیا ایک شخص کو جس کی تربیت آغوش رسالت اور دامن علی مرتضیٰ علیہ السلام میں ہوئی ہو وہ شریعت اسلام کے ان معمولی مسائل سے بھی ناواقف ہو پھر کون مسلمان

ہے جو یہ کہہ سکے کہ (عیاذاً باللہ) امام حسن علیہ السلام کو قانون الٰہی اور شریعت جناب رسالت پناہی کے احترام کا احساس نہیں تھا پس اس سے ثابت ہوا کہ طلاق کی روایات بے بنیاد اس کے متعلق بیانات کذب ہیں۔ افترا ہیں اور بے اصل ہیں اور برسرِ اقتدار معاندین کی تخلیق اور اختراع ہیں۔ اسلامی شریعت میں طلاق ایک معاشرتی علاج ہے جس طرح بدن کسی انسانی عضو کو اس وقت قطع کر دینا جس وقت وہ تمام جسم کے فساد کا موجب ہو جائے بقیہ جسم کو بچانے کے لئے ناگزیر اور آخری علاج ہے اسی طرح بیوی کو طلاق دینا اس وقت عین مصلحت ہوگا جبکہ وہ انسانی معاشرت کے لئے تباہ کن ہو اور تدبیرِ منزل کے لئے مہلک سارے معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہو تو اسلام کے حکیمانہ مصالح نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن شہوت پرستی و عیاشی کے لئے اس کے استعمال کی ہمت افزائی نہیں فرمائی۔ اب کوئی نفسانی خواہشات کے لئے اسے استعمال کرے تو یہ اس کا غلط استعمال ہے ۱۷۰۱۷ ہجری امام حسن علیہ السلام کی زندگی کا پروگرام بتلا رہا ہے کہ عیاشی ان کی زاہدانہ زندگی ان کی عابدانہ حیات کے منافی ہے اس لئے اس افترا کی حقیقت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ کو طلاق دے کر پھر رجوع فرمایا۔ حضرت عمر نے ام عاصم کو طلاق دی، حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے تماضر کو مغیرہ بن شعبہ نے چار بیویوں کو ایک وقت میں طلاق دی۔ کئے گئے نکاحوں اور کئے گئے

طلاقوں کا رواج صحابہ و تابعین میں نادر نہ تھا. علم رجال میں یہ باتیں آپ کو کثرت سے ملیں گی مگر علم رجال، تاریخ اور ادب کی کتابوں میں امام حسنؑ کی بیویوں کے نام و نسب تلاش کیجئے تو دس بارہ بیویوں کے نام بھی یقینی صحت کے ساتھ نہیں ملیں گے۔

۵ - احمد بن محمد سے محمد بن اسماعیل بن تبزیغ نے ان سے جعفر بن بشیر (ابو محمد بجلی و شامی ۲۰۸ھ) نے ان سے یحییٰ بن ابوالعلا رازی نے اس کے امام رازی نے اس نے امام جعفر سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام نے پچاس عورتوں کو طلاق دی حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اہل کوفہ حسن سے عقد نہ کرو یہ بہت طلاق دیتے ہیں۔ اس موقع پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اس نے کہا۔

> بخدا ہم ان سے ضرور عقد کریں گے۔ یہ فرزند رسول اور فرزند فاطمہ ہیں۔ اگر بیوی پسند آئی روک لیں گے نہ پسند آئی طلاق دے دیں گے۔

(فروع کافی باب الطلاق ص۲۹، بحار ج۱۰)

ذرا روایت کے رجال پر غور کیجئے ان میں احمد بن محمد بن محمد بن اسماعیل بن زبیغ ہے یہ شخص ابو جعفر منصور عباسی کا غلام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی عباس کے حامیوں نے محمد بن اسماعیل بن بزیع کو بنی حسنؑ کے خلاف پروپاگنڈا کا آلہ کار بنایا اور اہل بیت خصوصاً بنی فاطمہ کیخلاف بالخصوص اولاد حسن کیخلاف جو بنی عباس سے برسر پیکار تھے یہ دل پھیلا گئی

جنگ میں ان روایات کی اشاعت سے سیاسی مفاد حاصل کرنا مقصود تھا۔ ہم اولادِ امام حسن علیہ السلام کی بنی عباس سے جنگوں کا تذکرہ اولادِ امام حسن علیہ السلام کے تذکرہ میں کریں گے۔ اس روایت میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے پچاس عورتوں کو طلاق دی۔ یہ ظاہر ہے کہ نکاح متعہ میں طلاق کی ضرورت ہی نہیں اور ماملکت ایمانکم یعنی کنیزوں میں بھی طلاق نہیں بلکہ عتق رقبہ یعنی آزاد کرنا ہے۔ طلاق کی ضرورت عقد دائمی چار بیویوں کی حدود میں محدود ہے۔ پھر پچاس بیویوں کا طلاق دینا مضحکہ خیز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام طلاق بدعت نہیں دیتے تھے طلاق شرعی اسلامی کے لئے کم از کم تین چار مہینہ کا عرصہ درکار ہے اگر چار بیویوں کو ایک وقت میں بھی طلاق دیں تو سال میں سولہ طلاقیں ہوئیں۔ سات سو کی روایت کی رو سے ان طلاقوں کے لئے تینتالیس سال کی مدت درکار ہے اور امام حسن علیہ السلام کی کل عمر چھیالیس سال ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

سات سو عقد اور اتنی طلاقیں شہرت کی دنیا میں ایک ہنگامہ بپا کر سکتی ہیں اور ان کے مفصل تذکروں کے لئے رجال تاریخ اور ادب کی ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہیں۔

اب اس سے آپ کثرت نکاح و طلاق کے افترا کا اندازہ کیجئے مسلک اہل بیت کے مطابق طلاق پر چند قیود عائد ہیں تنہائی و خلوت میں طلاق جائز نہیں۔ دو عادل گواہوں کی بھی ضرورت ہے۔

فروع کافی کتاب الطلاق ص ۲۸۲

کثرت طلاق اس امر کی مقتضی ہے کہ اس پر ضرب الامثال بنیں شعرا کے اشعار میں اس کے متعلق تلمیحات ہوں عوام میں مختلف مواقع پر ان کا تذکرہ ہو عیاش لوگ اس سے جواز پیش کریں، دشمن و معاندین اس پر تنقید تبصرہ کریں ان کے محب اور دوست ان کی حمایت میں سرگرم نظر آئیں لیکن اس زمانے کے لٹریچر میں اس کی چھان بین کیجئے ان امور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امام حسن علیہ السلام کے رحلت کے بعد ہی گھڑا گیا ہے اگر اس میں ذرا سی حقیقت ہوتی تو اس کے آثار امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے واقعات میں موجود ہوتے۔ امیر شام معاویہ ایک مستبد بادشاہ (DESPOTIC MONARACH) تھے جو اجنبی تہذیب و تمدن سے متاثر تھے ان کا دربار اسلامی دربار معلوم نہیں ہوتا تھا قیصر و کسریٰ کی شوکت و شان کا مظہر تھا وہ اپنی عظمت و رفعت کے اظہار کے لئے مجالس مفاخرت کا اہتمام فرماتے تھے ان مجالس مفاخرت میں امام حسن علیہ السلام کو بھی جنہیں وہ اپنا واحد سیاسی حریف سمجھتے تھے دعوت دیتے تھے اس سے ان کی غرض اپنی شاہانہ امتیازات کا مظاہرہ اور مخالف کی تنقیص و توہین کرنا مقصود تھا ان مجالس مفاخرت کے تذکرے کتابوں میں موجود ہیں۔ ان مجالس مفاخرت میں تمام وہ باتیں آجاتی تھیں جو کسی کے متعلق مشہور ہوتیں یا کسی میں پائی جاتی تھیں ان مجالس کے ارکان عمرو بن عاص، مروان بن الحکم، زیاد بن ابیہ اور مغیرہ بن شعبہ جیسے شاطر انسان تھے جو سلطنت کے مخالف کو تنقید کا نشانہ بنانے میں کسی قسم کی

فروگذاشت نہیں کرتے تھے اور شاہ دوستی کے جذبہ میں مخالف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے تھے چنانچہ امام حسن علیہ السلام جبکہ وہ ایک ایسی ہی مجلس مفاخرت میں موجود تھے۔ اس قیصرانہ طریق کار پر نکتہ چینی بھی فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ بے ہودہ بات زبان پر لانا، اور جھوٹ کو حق کے لباس میں پیش کرنا بہت بری بات ہے۔

(المحاسن والاضداد جاحظ عثمانی)

اگر امام حسن علیہ السلام کثرت عقد و طلاق میں مبتلا ہوتے تو مجالس مفاخرت کے اراکین عمرو عاص، مروان بن الحکم، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ شاہ دوستی کے جذبہ خوشنودی شاہانہ کے پیش نظر امام حسنؑ پر تنقید و طعن و تشنیع سے کبھی دریغ نہ کرتے جو لوگ الزام پیدا کر کے امام علیہ السلام کو مطعون کرتے تھے تو وہ ایک سامنے کی بات کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں بلکہ ان مجالس مفاخرت میں دوسروں کو اکسا کر اور ترغیب دے کر تنقید کے لئے آمادہ کیا جاتا تھا چنانچہ ایک بزم مفاخرت میں معاویہ کے اکسانے پر عبداللہ ابن زبیر نے حضرت امام حسن علیہ السلام پر تنقید کی اور امام حسن علیہ السلام کے صلح فرمانے کو بزدلی قرار دیا اور اس پر اعتراضات کئے امام حسن نے مصالحت کی توجیہات اور ایسے مسکت خصم جوابات دیئے کہ خاموشی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا ان مجالس مفاخرت میں جن کا واحد مقصد امام حسن علیہ السلام کی توہین و تنقیص تھا جس کے منہ میں جو آتا تھا کہہ دیتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام با حسن الوجوہ اس کا جواب دیتے

تھے مگر ان مجالس مفاخرت میں کہیں بھی ان مفروضہ و مزعومہ افراط نکاح و طلاق کے متعلق اشارہ تک نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے کہ ان روایات کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف معاندانہ پروپاگنڈے ہے جس کی زمانہ حیات امام حسن علیہ السلام میں زبان یا نوک قلم پر لانے کی کسی کو جرأت و جسارت نہیں ہوئی بعد میں بے سند روایات سے یہ افسانہ گھڑا گیا اگر ان کچھ روایات کی سندیں بھی موجود ہیں تو ان میں ایسی شخصیات نظر آئیں گی جو قابل وثوق و اعتبار نہیں جن روایات کی واسناد موجود ہیں وہ فروع کافی کی دونوں روائتیں ہیں جن پر ہم جرح و قدح کر چکے ہیں۔

۶۔ ایک اور روایت پر غور کیجئے کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ مطابق ۱۴۵۷ء اپنی کتاب شرح ہدایہ فتح القدیر کتاب الطلاق میں لکھتے ہیں۔

طلاق ممنوع ہے لیکن اگر کوئی ضرورت آپڑے تو جائز ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

اما ما روی عن الحسن کان قیل فی کثرۃ تزوجہ وطلاقہ فقال اجبت الغنی قال اللہ ان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ کان اللہ واسعا حکیما فھو را ی ان کان علی ظاہرہ

یعنی امام حسن علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ
ان سے ان کی شادی اور طلاق کے متعلق جب گفتگو
ہوئی تو کہا میں استغنا چاہتا ہوں خدا نے فرمایا
ہے کہ اگر وہ دونوں بذریعہ طلاق ایک دوسرے
سے جدا ہو جائیں تو خدا ان کو اپنے خزانہ سے غنی
کر دے گا اللہ بڑا وسعت دینے والا اور حکیم ہے

یہ تو امام حسن علیہ السلام کی رائے ہے اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے اللہ اللہ کیا جرأت و جسارت اگر اسے سفید جھوٹ اور دروغ بر دروغ کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہے جب کثرت عقد و طلاق کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر اس بارے میں گفتگو اور اس امر میں سوال اور جواب کا امکان ہی نہیں اس میں یہ بھی نہیں کہ یہ گفتگو کس سے ہوئی بالکل ایک بے سند بات لکھ دی ہے۔

علامہ محمد معین بن محمد امین سندھی حنفی جو ان علمائے اہل سنت میں سے ہیں جو ائمہ اثنا عشر اہل بیت علیہم السلام اور جناب معصومہ کونین سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت پر عقیدہ رکھتے ہیں ابن ہمام کی یہ تعبیر نہ صرف یہ کہ ناپسند فرماتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ ابن ہمام کے اس طرز بیان نے میرا دل جلا دیا جو اس نے امام حسن علیہ السلام کے متعلق یہ کہا کہ ان کے کثرت نکاح و طلاق کا فعل نص کے مقابلہ میں ان کی رائے پر مبنی ہے دوسری وجہ ان کے خیال کی تائید میں نہ تھی علامہ محمد معین لکھتے ہیں ابن ہمام

کو اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ امام حسن علیہ السلام جو کچھ کرتے تھے ان کے اچھے مقاصد تھے پھر موصوف نے امام علیہ السلام کے کثرت نکاح و طلاق کی توجیہ پیش کی ہے۔ ہم موصوف کے اس جواب میں ہم ان کے خلوص و عقیدت کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ انہوں نے روایات کثرت نکاح و طلاق کی شہرت پر قناعت کر لی ان روایات کے متن اور ان کی اسناد کی طرف ملتفت نہیں ہوئے مزعومہ افراط نکاح و طلاق کو تسلیم کر کے یہ جواب دیا گیا ہے۔

اکثر حضرات شیعہ ہول ریاستی مفروضہ کثرت نکاح و طلاق کی روایات پر تنقید کی طرف ملتفت نہیں ہوئے ان روایات کی شہرت کی وجہ سے انہیں تسلیم کر کے جوش ولائے آل محمد میں مخلصانہ جوابات میں سعی فرماتے ہیں چنانچہ ہمارے استاذ الاستاذ حضرت علامہ غلام حسنین کنتوری اعلی اللہ مقامہ نے اپنے کتابچہ طلاقت حسینیہ (مطبوعہ گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور) میں یہی روش اختیار فرمائی ہے ان موضوعہ روایات کی تنقید کی طرف التفات نہیں فرمائی بلکہ انہیں تسلیم کر کے جواب کی کوشش کی ہے حالانکہ اصل روایات کی ہی کوئی بنیاد نہیں۔ روایات کثرۃ عقد و طلاق اموی اور عباسی اس پروپیگنڈے کی پیداوار ہیں جو انہوں نے سیاسی اغراض و مقاصد کے پیش نظر اختیار کیا۔ نیز جب ہم اموی اور عباسی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس زمانے کے ارباب سیاست و اقتدار نکاح و طلاق کے سیلاب بہا دیتے ہیں جو محض نفسانی خواہشات اور شہوانی جذبات

عین شباب پر تھے۔ بلکہ ان حالات کا اثر اسلامی فقہ پر بھی پڑا تشدد سے طلاق کے جواز کی سند بھی فقہا کے مکتب فکر سے حاصل ہوئی طلاق بدعت کا دروازہ کھل گیا۔ طلاق بازی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک مکروہ باب ہے چونکہ کثرت طلاق کی روایات معصوم کی ذات سے منسوب کر کے اپنے مکروہ افعال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ معترضین کو ساکت کرنے کے لئے امام حسن علیہ السلام کی کثرت طلاق کی روایات پیش کی جانے لگیں یہ ہے اس پروپاگنڈے کے پس پردہ اسباب ورنہ امام معصوم سے اس قسم کے امور کا امکان نہیں چونکہ معصومینؑ کے افعال قرآن حکیم کی عملی و فعلی تفسیر ہیں۔

قرآن حکیم نے قانون زوجیت (LAW OF SEX) کی لم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

خَلَقْنَا لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلْنَا بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً.

ہم نے تمہارے ہی نفسوں سے تمہارے لئے
تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان سے تسکین و اطمینان
حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان ہم نے مودت
اور رحمت کا رشتہ رکھا۔

مودت کا تقاضا ہے کہ ناگزیر حالات کے سوا انہیں اپنے سے کبھی علیحدہ نہ کیا جائے اور رحمت چاہتی ہے کہ ان کی کمزور پوزیشن پر رحمت کا اظہار

کیا جائے اور ان کو تکلیف دینے اور اذیت پہنچانے کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے حدیث میں ارشاد ہوا۔

ھی لعبتک فلا تؤذیھا

وہ تیرا کھلونا ہے سامان تفریح ہے اسے اذیت نہ پہنچا

گھر کی راعیہ بیوی کو معاشرت کی اصل اصول خادمہ کو بے جرم و قصور محض تنوع کے پیش نظر طلاق دے دینا، گھر سے نکال باہر کرنا مودت و رحمت کے منافی ہے۔ سخت اذیت کا موجب ہے اور فساد معاشرت اور تدبیر منزل کی تباہی کا پیش خیمہ تو قرآن کے مفسر عملی و فعلی مفسر، اصلاح عالم کے کفیل اور مصلح اعظم سرکار رسالت محمد مصطفٰی کے جانشین کی طرف ایسا امر منسوب کرنا ستم ظریفی افترا و کذب ہے اور قطعاً ناممکن الوقوع ہے۔

افسانہ افراط عقد و طلاق پر انحصار نہیں کیا کہ اموی اور عباسی ارباب سیاست نے بہت سے ایسے افسانے وضع کئے کہ الامان والحفیظ معاذاللہ یہ لوگ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے تھے کہ خود اہل بیت کے افراد ایک دوسرے سے مطمئن نہ تھے عیاذاً باللہ ایک دوسرے کی تنقید ان کا شعار تھا اور معاذاللہ رائے کے اختلاف پر حرف گیری کرنا ان کا رویہ تھا۔

جس طرح مولائے کائنات کی زبان سے امام حسن علیہ السلام کے لئے مطلاق کا لفظ گھڑا گیا اسی طرح بہت ایسے واقعات امام حسن علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے جن سے ان کا جناب امیر علیہ السلام کے بعض اعمال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا ظاہر ہوتا ہے۔

مثلاً طارق بن شہاب احمسی کوفی متوفی ۸۳ھ کی روایت شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین میں نقل کی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اس کا اخراج کیا ہے کہ قتل حضرت عثمان کے بعد امام حسن علیہ السلام بچشم نم کچھ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ عورت کی طرح مت رؤو جو کہنا ہے کہو۔

> امام حسن علیہ السلام نے کہا کہ جب حضرت عثمان محصور ہو گئے تھے میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ مکہ چلے جایئے آپ نے میری نافرمانی کی پھر جب وہ قتل ہو گئے تو میں نے آپ کو حکم دیا کہ گھر میں بیٹھے رہیئے لوگ خود آپ کے پاس آئیں گے آپ نے میری نافرمانی کی۔

اس روایت کا واضع نہایت بھونڈا اور بدسلیقہ ہے اسے اپنے اس کذب وافترا کو نبھانے کے لئے مناسب اور موزوں الفاظ بھی نہ ملے۔ بھلا عقل عام سے پرکھیئے کوئی ایسا بیٹا ہے جو اپنے باپ سے کہے گا کہ میں نے آپ کو حکم دیا آپ نے میری نافرمانی کی اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو کم از کم اس کے الفاظ میں اس قدر رکاکت اور ابتذال نہ ہوتا کیا بیٹے کی طرف سے باپ کو امر ہوتا ہے اگر باپ اس کی مخالفت کرے تو اس مخالفت کو نافرمانی اور معصیت کہا جاتا ہے۔ یہ عالم باپ بیٹے کی حالت ہے تو جو بیٹا اپنے باپ کو باپ ہی نہیں بلکہ امام مفترض الطاعت سمجھتا ہو اس کی طرف اتنے گستاخانہ الفاظ

اور رویہ کو منسوب کرنا ایسا سفید جھوٹ ہے جس کی مثال آپ کو ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکے گی۔

درایت کا شدید تقاضا ہے اور اس تقاضا سے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ نہ تو امیرالمومنین نے امام حسن پر طلاق کے متعلق تنقید کی اور مطلاق کہا کیونکہ کثرت طلاق کی کوئی حقیقت اور اصلیت ہی نہیں اور نہ ہی قتل حضرت عثمان کے واقعہ میں جناب امام حسن نے امیرالمومنین سے تنقیدی انداز میں وہ گستاخانہ رویہ اختیار کیا جس کی یہ وضعی روایت افسانہ گوئی کر رہی ہے۔ یہ دونوں تنقید اور تبصرے ایسے ہی بہت سے اور الزام واتہام ان اخبار کو وضع کرنے والوں کے نامہ اعمال کا ایسا نوشتہ ہیں جس کے نتائج کا انہیں سر کار احدیت کے فیصلہ پر پتہ چلے گا۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی۔ بیویوں سے برتاؤ کا عنوان قائم فرماتے ہیں اور اس کے ضمن میں ابن عساکر کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جب تک کوئی عورت آپ کے حبالہ عقد میں رہتی تھی اس سے بڑی محبت اور بڑی قدر افزائی فرماتے تھے جب ناگزیر اسباب کی بنا پر کسی عورت سے قطع تعلق کرتے تھے تو آپ کے حسن سلوک اور محبت کی یاد اس کے دل میں رہتی تھی ایک دفعہ ایک فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی اور ان کی دلدہی کے لئے دس دس ہزار نقد اور ایک ایک مشکیزہ شہد بھیجا اور غلام کو ہدایت کر دی کہ اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہیں اسے یاد رکھنا چنانچہ فزاری عورت کو جب یہ خطیر رقم ملی تو اس نے

شکریہ کے ساتھ قبول کر لی اور بارک اللہ فیہ وجزاہ خیراً کہا لیکن جب اسدی عورت کو ملی تو یہ تحفہ دیکھکر اس کے دل پر چوٹ لگی اور بے اختیار یہ حسرت بھرا فراقیہ مصرعِ زبان سے نکل گیا۔

متاعٌ قلیلٌ من حبیبٍ مفارقٍ

جدا ہونے والے دوست کے مقابلے میں یہ متاع حقیر ہے

غلام نے آکر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اسدی عورت سے رجعت کر لی۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ صفحہ ۱۷ و صفحہ ۱۸) (ابن عساکر جلد ۴ صفحہ ۲۱۶)

اس روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی عورت سرکار صلح دامن حضرت امام حسن علیہ السلام کے حبالۂ عقد میں رہتی تھی اس سے محبت فرماتے تھے جب ناگزیر اسباب پر کسی عورت سے قطع تعلق فرماتے تھے تو آپ کے حسن سلوک اور محبت کی یاد اس کے دل میں رہتی تھی اس عبارت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ناگزیر اسباب کیا تھے۔ اس بیان سے دونوں طرف سے حالات خوشگوار معلوم ہوتے ہیں امام حسن علیہ السلام کی طرف سے محبت بھی ہے قدر افزائی بھی ہے، حسن سلوک بھی ہے اور دوسری طرف سے ان چیزوں کی شکر گزاری میں یاد کی تازگی بھی ہے پھر وہ ناگزیر اسباب کیا تھے جن پر ان حالات میں امام حسن علیہ السلام قطع تعلق فرمانا پڑتا تھا۔ بہر کیف یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام

حسن بلا وجہ کسی عورت کو طلاق نہیں دیتے ناگزیر اسباب اس کی وجہ ہوتی تھی۔

ہم نے جس قدر روایات لکھی ہیں ان میں صرف چار عورتوں کو طلاق دینے کا تذکرہ ہے جن میں سے ایک کی طرف رجوع فرمانے کا بھی ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے صرف تین عورتوں کو طلاق دی ہے۔ اور ان ازواج کے نام اور ان کی ابنیت کا ذکر نہیں ہے ایک عورت تمیمی ہے ایک جعفی۔ ایک فزاری ہے۔ ایک اسدی نام نہیں نشان نہیں صرف قبائلی خصوصیت کا ذکر ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اگر ان تین طلاقوں کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان کو تین ہزار کی ادائیگی کی گئی اب ہم ہے سے کر ۰۰ے سو تک کو کس قدر رقم ادا کی گئی ہو گی۔ یہ صورت حالات کثرت طلاق کے افسانہ ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے اور اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو کیا معمولی سی بات تھی، جس کی بنیادوں پر معاندین امام حسن علیہ السلام نے کثرت طلاق کا محل تعمیر کر لیا۔ حقیقت یہ ہو گی کہ اگر بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے امام حسن علیہ السلام کو دو تین عورتوں کو طلاق دینی پڑی۔ منزل زندگی کی استواری اور معاشرتی ضروریات اور بقائے نسل کے لئے چند عقد کرلئے ہونگے تو اس پر شاطر پروپاگنڈا کرنے والوں نے ۷۰، ۹۰، ۱۹۰، ۲۵۰

اور سات سو تک خیالی شادیاں تصنیف کر لیں اور پھر طلاق کا بھی ناقابل اعتبار عدد گھڑ لیا۔

ہو سکتا ہے کہ جس طرح سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء نے اپنی ازواج کو طلاق قبول کرنے یا سادگی سے زندگی بسر کرنے کا اختیار دیا تھا اسی طرح امام حسن علیہ السلام نے اپنی بعض بیویوں کے سامنے کسی موقعہ پہ یہ تجویز پیش کی ہو اسے ابو جعفر محمد بن حبیب نے امام علیہ السلام کا عام کردار بیان کر دیا اور کہا کہ امام حسن جب کسی عورت کو طلاق دینا چاہتے تھے تو اس کے پاس آکر بیٹھتے اور کہتے کہ کیا تم کو خوشی ہو گی کہ تمہیں مال دے کر تم سے جدائی حاصل کر لی جائے رسول کے اس رویہ کا جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے قرآن مجید شاہد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ
تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ
أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝
وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ
مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(سورہ الاحزاب آیت ۲۸ و ۲۹ پ ۲۱ ع ۲۰)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی
اور اس کی آرائش کی خواہاں ہو تو ادھر آؤ میں تمہیں

کچھ ساز و سامان دے دوں اور عنوان شائستہ
سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا و رسول اور آخرت
کے گھر کی خواہاں ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک
عورتوں کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب مہیا کر رکھا ہے

ممکن ہے امام حسن علیہ السلام اس سنت رسول پر جو مبنی بر تجویز الٰہی ہے یہ اختیار دے دیا ہے کہ جو طالب دنیا ہیں انہیں ہم کچھ دنیاوی مال و دولت دیکر قطع تعلق کر لیتے ہیں اور جو اللہ رسول، یوم آخرت اور اور امام کی خواہاں ہیں تو ان کے لئے عند اللہ اجر عظیم ہے۔

قبیلہ بنی شیبان کی ایک عورت کو امام حسن علیہ السلام نے اس لئے طلاق دی کہ اس کے خارجیوں سے رجحانات تھے اور اس نے امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی تھی امام حسن علیہ السلام نے اسے یہ کہہ کر طلاق دے دی:۔

"میں جہنم کے شعلے کو اپنے قریب نہیں رکھ سکتا۔"

ایسا ہی واقعہ امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی پیش آیا حضرت کی ایک بیوی نے مولائے کائنات علی مرتضیٰ کی شان میں گستاخی کی حضرت نے یہ کہہ کر اسے طلاق دے دی۔

میں جہنم کے شعلے کو اپنے جسم کے قریب نہیں رکھ سکتا۔

(فروع کافی کتاب الطلاق ۲۸۰/۲)

یہ ہی وہ ناگزیر اسباب ہیں جن میں امام عادل و معصوم کسی عورت کو طلاق دیا کرتے ہیں اور ان کا یہ طلاق دینا مبنی بعدل و انصاف ہوتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ ان کے سامنے امام حسن علیہ السلام کی مثال تھی اور اسی واقعہ کی تاسی میں یہ طلاق دی اور حضرت نے اس موقعہ پر وہی الفاظ استعمال کئے جو امام حسن علیہ السلام کی زبان اقدس پر آئے تھے امام حسن علیہ السلام کی ایک بیوی کا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنا اور ایسا ہی امام محمد باقر علیہ السلام کی بیوی کا گستاخی کرنا اموی زمانے کے ماحول کا اثر تھا۔ اور یہ گستاخی کرنے والیاں یقیناً اسی گروہ کی فرد تھیں جن کے ایما پر جناب امیر علیہ السلام پر مسلمانوں کی ساری مملکت میں سب و شتم ہو رہا تھا ایسے معاند گروہ کی افراد بیویوں کو عقد میں رکھنا شان امامت کے بھی شایان نہیں تھا اور خاندان رسالت کی ممتاز غیرت کے بھی منافی تھا اور ان مارہائے آستین کا گھر میں رکھنا جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔

امام حسن علیہ السلام کی ایک طلاق کی نوعیت اوراق تاریخ میں اس طرح موجود ہے کہ حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر حضرت امام حسن کے عقد میں تھیں۔ منذر بن زبیر اس سے محبت کرتا تھا اس کے متعلق منذر نے کچھ باتیں امام علیہ السلام کو بتلائیں جس کی بنا پر آپ نے اسے طلاق دے دی۔ (بحار ۱۰/۱۴۱)

اموی حکومت امام حسن علیہ السلام کی بیویوں کے بعض متعلقین کو لالچ

دے رہی تھی اگر وہ امام حسن علیہ السلام کو زہر دے دیں تو انہیں کثیر دیا جائے گا اور یزید کے عقد میں دے دیا جائیگا۔ جب کوئی دنیادار بیوی دولت کے لالچ میں امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے کا ارادہ کرتی یا زہر دے دیتی تو حضرت اسے طلاق دے دیتے اس موقعہ پر اموی ایجنٹ ڈھنڈورا پیٹتے کہ حسن طلاق بہت دیتے ہیں جب دوسرا عقد کرتے تو یہی لوگ شہرت دیتے کہ امام حسن علیہ السلام شادیاں بہت کرتے ہیں جن کی نظر حالات پر تھی ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے معاویہ صاحب اپنے روپے کی طاقت سے لڑتے تھے

مغنی، رازی ۴۳۹/۲

فخر المحققین حضرت علامہ علی حیدر اعلی اللہ مقامہ اپنی شہرہ آفاق تالیف تاریخ الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کثرت سے نکاح کرتے اور چند دنوں کے بعد ان عورتوں کو طلاق دے دیا کرتے تھے حضرت پر یہ اعتراض مختلف اغراض سے کیا جاتا ہے مگر جو لوگ تاریخ و سیر کی سیر کرتے ہیں وہ اچھی طرح سے واقف ہیں کہ ۴۱ھ میں آنحضرت علیہ السلام نے حکومت سے دست برداری اختیار فرمائی اور صلح نامہ میں یہ شرط بھی قرار پائی کہ معاویہ کے بعد امام حسن علیہ السلام عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیں امیر شام معاویہ نے اس وقت حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے یہ شرط بھی مان لی اور اس پر دستخط کر دیئے مگر اس کی بڑی فکر بھی تھی کہ

حکومت کسی طرح میرے خاندان میں منتقل ہوجائے اور وہ اپنے بعد اپنے بیٹے
یزید کو بادشاہ بنائے اس وجہ سے وہ برابر کوشش کرتا رہا۔ کہ حضرت امام حسن کی
بیویوں کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دیکر آپ کا کام تمام کردے تاکہ یزید کو بادشاہ
بنانے میں آسانی ہو۔ اور عرب کی طمع مشہور ہے۔ جب عمر ابن سعد جیسا شخص
حکومت رے کی طمع میں امام حسین علیہ السلام کا خون ظاہر بظاہر بہانے پر رضامند
ہوگیا تو ایک ایک لاکھ درہم کے وعدوں پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیویوں
کا سازش میں شریک ہوجانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہوسکتا۔ غرض امیر معاویہ
حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوانے کی کوشش
کرتا رہتا تھا جب یہ راز فاش ہوجاتا تھا تو حضرت بیویوں سے بچنے کے لئے مجبور
ہوتے تھے کہ ان سب کو طلاق دے دیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔
کچھ دنوں بعد وہ بیویاں بھی معاویہ کی سازش میں شریک ہوجاتیں تو حضرت
ان کو بھی طلاق دیکر دوسری عورتیں نکاح میں لے آتے غرض یہ سلسلہ جاری رہا
آخر حضرت کی بیوی نے حضرت کا کام تمام کردیا۔ پس حضرت کا عورتوں کو طلاق
دینا اس وجہ سے تھا کہ زہر خورانی کا حملہ نہ ہو مگر حضرت کب تک کامیاب ہوتے
آخر وہی ہوا جو معاویہ چاہتا تھا (تاریخ ائمہ ص ۲۳۵ و ص ۲۳۶) ہمیں اپنے قابل
احترام فاضل دوست کے اس بیان سے بھی کلی طور پر اتفاق نہیں ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے کثرت طلاق کے افسانہ کی روایات کی تنقید پر التفات
نہیں فرمائی اس فرضی افسانہ کو کسی قدر تسلیم کرکے تاویل میں مصروف ہوگئے ہیں
انکے بیان سے صرف اسقدر اتفاق ہے کہ ممکن ہے ایک دو عورتوں کی طلاق کا یہ بھی

سبب ہو۔

الحمدللہ اس افسانہ پر جرح و تعدیل اور تنقید و تبصرہ میں توفیقات الٰہی سے موفق اور تائید الٰہی سے مؤید ہوں سخت نا انصافی ہوگی اگر اس سلسلہ میں محقق دوران علامہ مجتبیٰ احسن صاحب کا مونہوری کا شکریہ ادا نہ کروں میں نے اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات سے بھی استفادہ کیا فجزاہ اللہ احسن الجزا ان بیانات کو پڑھکر بہت سی غلط فہمیوں کا جو امام حسن علیہ السلام کے متعلق پیدا کی گئی ہیں ازالہ ہو جائے گا۔

وما توفیقی الا باللہ فہو ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے مختلف سیاسی ادوار

عہد سرکار رسالت محمد مصطفیٰ روحنا لہ الفدا

دور رسالت میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر صرف سات برس تک پہنچی گویا حضور کا یہ زمانہ دورِ طفولیت سے بچپن کا زمانہ ہے جس میں امام حسن علیہ السلام آغوشِ ختم رسالت میں پرورش پا رہے تھے چونکہ رسالت ختم ہو چکی تھی اس کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں تھا اس لئے دین الہٰی کو ضرورت تھی کہ اس کے خاتم ایک ایسے سلسلۂ ذھبیہ ہدایت کو چھوڑ جائیں جن میں قدرت کا اٹل اور عالمگیر قانونِ توارث صفات اس شان سے موجود ہو کہ وہ بعد ختم رسالت دین اسلام کی تمام تر ذمہ داریوں کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں ملت بیضا کے سامنے رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ پیش کر سکیں اور تعلیم الٰہی جو قرآنی الفاظ میں موجود تھی اسے عملی جامہ پہنا کر قرآن حکیم کی عملی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ ایسے انسان ہوں جن کی فطرت میں ایسے رجحانات

طبعیہ (NATURAL TENDENCIES) اللہ کی طرف سے ودیعت رکھی گئی ہوں جو کار نبوت و رسالت کو بعد ختم رسالت انجام دے سکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کار رسالت تزکیہ و تعلیم ہے۔ انسانی نفوس کا تزکیہ، انسانی معاشرت کا تزکیہ انسانی تمدن کا تزکیہ، مادی تزکیہ۔ ذہنی تزکیہ۔ فکری تزکیہ، جسمانی تزکیہ روحانی تزکیہ اس امر کے لئے ایسے نفوس زکیہ کی ضرورت تھی کہ جو معصوم ہوں اور ان کی فطرت میں عصمت کا رجحان طبعی ودیعت کردیا گیا ہو۔ تزکیہ کے بعد کار رسالت تعلیم کتاب و حکمت تھا۔ اس امر کے لئے ایسے نفوس کی ضرورت تھی جنکی فطرت میں "علم لدنی" جیسا رجحان طبعی موجود ہو اللہ تعالیٰ نے سرکار رسالت کی غرض بعثت کو اور ان امور کو جنہیں حضور کو انجام دینا تھا قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

وہ وہی خدا ہے جس نے امیوں میں رسول کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرے، انہیں پاک و پاکیزہ کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے

کار رسالت کا تین امور میں حصر ہے۔

۱۔ آیات الہیہ کی تلاوت

۲۔ تزکیہ، پاک و پاکیزہ کرنا۔

۳۔ تعلیم کتاب و حکمت

پہلا امر تلاوت ہے۔ آیات کی تلاوت کے معنی ہے الفاظ کو بجنسہٖ پہنچانا۔ تلاوت ہے جس کے معنی ہیں الفاظ و عبارات کو بغیر کسی تغیر و تبدل کے اس شان سے پہنچانا کہ اعراب میں حرکات و سکنات میں کوئی فرق نہ آئے زیر و زبر بدلنے نہ پائیں، اس کے لئے ایک ایسے حافظہ کی ضرورت ہے جس میں ذرا سا بھی خلل موجود نہ ہو جو حافظہ نسیان سے بلند و برتر ہو جس کی شان ہو

اے رسول ہم عنقریب تجھ پر قرآن کی قرأت کریں گے تو اسے بھولے نہیں ایسا حافظہ جو اللہ کی طرف سے عطا ہو اور جس میں نسیان سے مبرّا ہونے کا اللہ ضامن ہو ایسا حافظہ رسول اللہ کے تمام منصوص و معصوم جانشینوں میں موجود تھا۔

امام حسن علیہ السلام بچہ تھے دربار رسالت میں ترویج احکام وحی کے وقت موجود ہوتے جو کچھ سنتے بغیر کسی تغیر و تبدل کے بے کم و کاست اپنی مادر عصمت کبرٰی سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو سنا دیتے۔

۲۔ تزکیہ نفس: اس خدمت کو وہی انجام دے سکتا ہے جو پاک و پاکیزہ

ہو طاہر و مطاہر ہو یعنی معصوم ہو اس کے لئے عصمت کے رجحان طبعی کی ضرورت ہے ایسا شخص ہونا چاہیئے جو ہوا و ہوس سے بری ہو اپنی ضروریات کو بنی نوع انسان کی ضروریات پر قربان کر سکے اس میں ایثار و مواسات بدرجۂ اتم موجود ہو چنانچہ بچپن میں امام حسن علیہ السلام کے ایثار کا شاہکار سورۂ دہر میں موجود ہے جس میں عالم طفولیت میں تین روزے رکھے اور فاقہ سے رہ کر مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا جس پر ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ کی سند عطا ہوئی اور بقیہ عمر میں اس وقت تک کھانا نہ کھانا جب تک یہ معلوم نہ کر لیا جائے کہ محلہ بھر میں کوئی مسکین، کوئی یتیم، کوئی بیوہ تو فاقہ سے نہیں ہے اور کھانا کھاتے وقت اگر کوئی سائل آجائے تو اپنے سامنے سے کھانا اٹھوا کر سائل کو عطا فرمانا اور خود فاقہ سے رہنا ایثار کی بہترین مثال ہے اور آخری ایثار وہ عظیم الشان ایثار تھا جس میں قیام امن کے لئے بنی نوع انسان کی خونریزی کو ختم کرنے کے لئے تاج و تخت کو ٹھکرا کر صلح کرنا ہے۔

۳۔ تعلیم کتاب و حکمت، کتاب بھی وہ کتاب جو ہر چیز کی تفصیل ہے، کل اشیا کا تبیان، کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو حالانکہ اس میں ۶۶۶۶ آیتیں یعنی ۶۶۶۶ جملہ موجود ہیں۔ گنتی کے ان چند جملوں میں دین و دنیا کے تمام معلومات کو جمع کر دینا یہ قرآن حکیم کی شان اعجاز ہے دریا کو کوزے میں بند کر دینا

بڑا اعجاز ہے بہر حال ایسی کتاب کا معلم کوئی علم کو اکتساب کرنے والا نہیں ہو سکتا وہی ہوگا جس میں علم لدنی ہو۔ وہی علم کا رجحان طبعی موجود ہو وہی ہو سکتا ہے جس کی شان علم ہو علمک مالم تکن تعلم۔

اے رسول ہم نے تجھے ہر اس چیز کا علم دیا جو تو نہیں جانتا تھا

یا پھر اس کا معلم وہ ہوگا، جو اسی مدینہ علم کا باب ہو اور منبر کے زینہ سے دنیا والوں کو اس طرح خطاب کر سکے۔

سلونی قبل ان تفقدونی انی اعلم طرق
السموٰۃ کما اعلم طرق الارض۔

پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے میں آسمان کے
رستوں کو بھی اسی طرح جانتا ہوں جس طرح زمین
کے رستوں کو جانتا ہوں۔

یا پھر وہ ہو سکتا ہے جو جاہان ارباب اقتدار علما بھی یہ تسلیم کریں کہ حسنؑ کو بچہ تصور نہ کرو یہ اس کم سنی میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔

یا اس سلسلہ کے اور دس انسان ایسے ہو سکتے ہیں جنہوں نے کسی مکتب میں کسی کالج میں کسی یونیورسٹی میں تعلیم نہ پانے کے باوجود دنیا کو بتایا کہ وہ علم الاولین والاخرین رکھنے والے بلکہ اسکے معلم ہیں۔

بعد ختم رسالت کار رسالت کو وہ افراد انجام دے سکتے ہیں جن کے رجحانات طبیعۃ عصمت وعلم لدنی ہوں اور جو استحکام قوت حافظہ اور طلاقت لسانی کی دولت سے مالا مال ہوں ایسے شخصوں کو خالق فطرت کے

سوا کوئی پہچان سکتا ہے جس نے یہ خصوصیات یہ امتیازات ان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں اس لئے اس کا تقرر نص الٰہی سے ہوگا جمہور کی رائے عامہ سے وہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، وہ اللہ کا نمائندہ ہوگا اور جسے جمہور منتخب کریں وہ جمہور کا نمائندہ یا شخصی حکومت رکھنے والا ملکوں کو فتح کر سکتا ہے مال غنیمت کے انبار لگا سکتا ہے۔ فتوحات ملکی کے سبب سے اجنبی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو سکتا ہے مگر کار رسالت کو انجام نہیں دے سکتا، کار رسالت کو وہی انجام دے گا جو انسانوں کی بجائے اللہ کا نمائندہ ہو جس کا تقرر اس عہدہ جلیلہ پر بندوں کی بجائے اللہ نے کیا ہو۔ وہ قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر بھی کرے گا اور اس تفسیر سے دین و دنیا کے افادات کا، دنیوی فوائد اور اخروی منافع کا کفیل ہوگا اب رسول اللہ کا فرض تھا کہ اپنے اور اللہ کے نمائندوں کو کار رسالت کے لئے تیار فرمائیں ان کے رجحانات طبعیہ کو نشو وارتقا دے کر درجۂ کمال پر پہنچائیں ان میں علم کو اس طرح داخل کر دیں جس طرح پرندہ اپنے بچہ کو بھرتا اور چوگا دیتا ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب نے اپنے زمانے میں ایسے تین انسانوں کو تربیت دے کر اس مقام پر پہنچایا کہ وہ آئندہ اسی روش کو اختیار کر کے اپنے جانشین کو یکے بعد دیگرے تربیت دے سکیں اس سلسلہ میں رسول اللہ نے بنفس نفیس امام حسنؑ کو تربیت دی اور جس جس طریق سے ان کا تعارف کرایا اسے ہم اس کتاب کے پہلے ابواب میں لکھ چکے المختصر دور رسالت امام حسن علیہ السلام کا دور تربیت و دور تعارف تھا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی عہد رسالت کی زندگی

کو مؤلف سیر الصحابہ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

آنحضرت صلعم کو حضرت امام حسن کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمت انسانوں کے حصّہ میں آئی ہوگی آپ نے بڑی ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی کبھی آغوش شفقت میں لئے ہوئے نکلتے تھے کبھی دوش مبارک پہ سوار کئے ہوئے برآمد ہو جاتے ان کی ادنے ادنے تکالیف پر بے قرار ہو جاتے بغیر حسنؓ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا روزانہ فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے حسنؓ حسینؓ بھی آپ سے بے حد مانوس تھے کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھ جاتے کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے کبھی ریش مبارک سے کھیلتے۔ . . . . جان نثار نانا نہایت محبت و پیار سے . . . . . برداشت کرتے، حسن آٹھ برس کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔

(سیر الصحابہ جلد ۶ صـ۲)

دورِ حکومت حضرات ابی بکر

جناب امام حسن پر زندگی کی سات یا آٹھ بہاریں ہی گزری تھیں کہ ابر رحمت کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سرکار رسالت کی وفات حسرت آیات خاندان رسالت کے لئے ایک نہایت روح فرسا حادثہ تھا۔ سرکار ختمی مرتبت کا اس دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ حسن علیہ السلام کی دنیا بدل گئی۔ سارے کا سارا ماحول تبدیل ہو گیا۔ نانا کی زندگی میں صحابہ کرام کے ایک جمگھٹے حسنؑ کے گرد جمع رہتے تھے جبکہ وہ اپنے نانا کی گود میں ہوتے تھے اب یہ تمام سماں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ انقلاب اور عظیم انقلاب تھا۔ سیاسی اقتدار کا ہاتھ سے نکل جانا کہ گھر کی ڈیوڑھی پر ایک سناٹا چھا گیا سات آٹھ برس کی عمر جب اس انقلاب سے متاثر ہو کر جب ماں کی آغوش رحمت کی طرف بڑھتے تو دیکھتے کہ عبادت سرکار احدیت کے سوا ہر وقت رونے سے کام ہے کبھی دیکھتے روضہ رسول میں کھڑی ہیں کبھائے مبارک اور زبان صداقت ترجمان میں جنبش پاتے تو کان لگا کر سنتے کہہ رہی ہیں۔

صبّت علی مصائبٌ لو انها

صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر ایسی مصیبتیں آپڑی ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ تاریک راتیں ہو جاتے۔

کچھ دن تو سیدہ طاہرہ گھر یہ روتی رہیں جب دیکھا کہ میرے رونے سے اہل محلہ کو تکلیف ہوتی ہے تو جنت البقیع کے قبرستان میں چلی جاتیں اور وہیں باپ کے غم والم میں گریہ وزاری کرتی تھیں آخر اسی مصائب وشدائید میں گریاں ونالاں دنیا سے رخصت ہوگئیں اور پدر عالیمقام سے جا ملیں۔ امام حسن علیہ السلام کے لئے یہ مرکز محبت بھی ختم ہوگیا۔

نانا کی وفات کے بعد امام حسن علیہ السلام جب یادل شکستہ بابا کے پاس آتے تو دیکھتے کہ سیاسی اقتدار سے محروم ہو کر انہوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا ہے گوشہ تنہائی میں بیٹھے قرآن کے متفرق اجزا کو جمع کرتے رہتے ہیں اگر کوئی اس عزلت وگوشہ نشینی کا سبب دریافت کرتا ہے تو فرماتے ہیں جب تک کہ قرآن کو اس کی اصلی ترتیب میں شان نزول کے مطابق جمع نہ کرلوں میں اپنے دوش پر چادر نہیں اوڑھوں گا، اس صورت حال سے علی مرتضیٰ امام حسن علیہ السّلام کو یہ خاموش سبق دے رہے تھے کہ دنیا میں کتنے انقلاب آئیں، حالات خواہ ہمارے لئے کتنے ہی ناسازگار ہو جائیں حفاظت اسلام، نشر واشاعت قرآن ہمارا فریضہ ہے ہمیں اسے ترک نہیں کرنا ہے۔ سیاسی اقتدار کو اگر ہم سے الگ کر لیا جائے ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے اس فرض کو ہم کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے حسن علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ لوگ باپ کے پاس آتے ہیں اور انہیں جوش دلاتے ہیں کہ ہم امداد کے لئے حاضر ہیں رسول اللہ کے بعد حکومت آپ کا حق ہے ان میں عم رسول عباس بھی ہیں جو بیعت کے لئے آمادہ ہیں

اور فتح مکہ کے بعد اسلام کے خلاف کوششوں میں ناکام ہونے والا ابو سفیان بھی جس نے شکست کھا کر گردن جھکا دی تھی۔ گردن جھک جانا قلبی کیفیات کو نہیں بدل سکتا وہ کہہ رہا تھا اٹھو علی اٹھو میں آپ کی امداد میں حجاز کے میدانوں کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں گا آپ اسے ڈانٹ کر جواب دیتے ہیں،

"خدا کی قسم تو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کا دشمن رہا ہے"

الغرض یہ علی کا طرز عمل ہے جس کا ایک ایک لمحہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے ذکی الطبع با فراست بیٹے کے لئے سبق ہے علی علیہ السلام نے اپنے عمل سے تبلایا۔ چاہے ہمارے حقوق ہاتھ سے نکل جائیں، چاہے ہم جائداد سے محروم ہو جائیں چاہے ہمیں تخت وسلطنت کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہونا پڑے چاہے ہمارے ذاتی مفاد کو کتنا ہی نقصان پہنچے مگر ہم کو ہمیشہ اسلام کے مفاد کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

کبھی کبھی ارباب اقتدار سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا اس سلسلہ میں واقعات تو بہت ہیں مگر ہم صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ جاء الحسن ابن علی الی ابی بکر وھو علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال انزل عن مجلس ابی قال صدقت انہ مجلس ابیک واجلسہ فملی نحرکہ (تاریخ الخلفا ص۵۹)

حضرت ابوبکر منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر بیٹھے تھے کہ امام حسن علیہ السلام تشریف لے آئے
آپ نے فرمایا میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ انہوں
نے کہا سچ ہے یہ تمہارے باپ ہی کی جگہ ہے اور امام
کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

۲۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر عصر کی نماز پڑھکر نکلے حضرت
علی بھی ساتھ تھے راستے میں حضرت حسن کھیل رہے
تھے۔ حضرت ابوبکر نے اٹھا کر کندھے پر بٹھالیا اور
فرمانے لگے قسم ہے کہ یہ نبی سے مشابہ ہیں علی کے
مشابہ نہیں حضرت علی یہ سنکر ہنسنے لگے۔

بخاری کتاب المناقب الحسن والحسین) سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۲

دور حکومت حضرت عمر

یہ زمانہ مسلمانوں کی تاریخ میں بہت اہم زمانہ ہے، ملکی فتوحات کا
دور ہے اس زمانے کی تاریخ کے مورخ لکھتے ہیں کہ صدیقی اور فاروقی
دور میں حضرت حسن اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتے
تھے۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۳۳)

یہ زمانہ روم وایران کے فتوحات کا زمانہ ہے اس میں اسلامی خزانہ

کی بنیاد رکھی گئی۔ غیر ممالک سے دولت سمٹ سمٹ کر آنے لگی۔ غنیمت کے انبار دل کے انبار مسلمانوں میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ تقسیم دولت میں مساوات کی بجائے مسلمانوں میں طبقات بندی کی بنیاد رکھی گئی۔ مہاجر و انصار کی تمیز، بدر میں شریک ہوتے نہ ہونے والوں کا امتیاز کیا اس زمانے میں امام حسن علیہ السلام کو بھی کیا کچھ ملا صرف بلاذری کی روایت کو تسلیم کر لینے پر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام حسن کو بھی کچھ ملنا شروع ہو گیا تھا چنانچہ فتوح البلدان عطا عمر ابن الخطاب کے زیر عنوان لکھا ہے کہ حضرت عمر نے امام حسن علیہ السلام کے لئے بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر کیا۔

(سیر الصحابہ جلد ۶ ص۳)

لیکن دوسرے مؤرخ اس سلسلہ میں خاموش ہیں بہر کیف اس زمانہ میں امیر المومنین اور دونوں شہزادے خاموش اور گوشہ نشین رہیں ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ بدر کا ہیرو، احد کی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے والا، فاتح خندق وحنین فتح خیبر سے مسلمانوں کو ایسے وسائل بہم پہنچانے والا جس سے وہ منظم اور متمدن سلطنتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ رسول اللہ کا معجزۂ شجاعت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ایک ایسے زمانے میں جبکہ مسلمان شمشیر بکف روم اور ایران کے میدانوں میں مصروف پیکار ہیں علی ابن ابی طالب جس کی شجاعت کا لوہا عرب مان چکا تھا صفوف جنگ میں کہیں نظر نہیں آتے وہ علی جو زمانہ رسالت کی دفاعی جنگوں میں اپنی شجاعت کا کلمہ لا فتیٰ الا علی کے الفاظ

میں پڑھوا چکے تھے جن کی تلوار کا سکہ لا سیف الا ذوالفقار کے الفاظ میں بیٹھ چکا تھا اور جو اپنے زمانۂ اقتدار میں جمل، صفین اور نہروان میں بیری کے عالم میں تلوار کے جوہر دکھلانے والے تھے وہ ان فتوحات ملکی کے زمانہ میں گوشہ نشین کیوں رہیں ؟ اس کے متعلق چند احتمال ہی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ یا تو انہیں ان فتوحات کی پالیسی سے اتفاق نہیں تھا۔

۲۔ یا وہ ان لڑائیوں کو اسلامی جہاد نہیں سمجھتے تھے۔

۳۔ یا ارباب اقتدار انہیں آگے لانا نہیں چاہتے تھے۔

۴۔ یا یہ کہ وہ تعلیم کتاب و حکمت کو اس زمانے میں ضروری سمجھتے تھے۔ جس میں وہ مصروف تھے۔

بہر کیف، جو کچھ بھی ہو وہ اپنے فرائض میں مصروف تھے امت پر تلاوت آیات قرآنیہ بھی کر رہے تھے اور تزکیہ بھی اور تعلیم کتاب و حکمت بھی۔ اس زمانہ میں تزکیۂ تمدن و معاشرت کے لئے انہیں جد و جہد کی زیادہ ضرورت تھی، چونکہ ملکی فتوحات کی وجہ سے اجنبی تہذیب و تمدن کے اثرات مسلمانوں کی مملکت میں داخل ہو چکے تھے اس لئے اسلامی تہذیب و تمدن کو ان کی زد سے بچانا اسلام کے محافظین کا اہم فریضہ تھا جناب امیرالمومنین امت کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے اور اس تربیت میں حسنینؑ کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ حسن علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ ان کے شفیق باپ حکیم الٰہی نے حزب اقتدار کی قیادت سے محروم ہو کر صالح حزب اختلاف کی قیادت اختیار کر لی تھی اور

ملک وملّت و مذہب کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم عمل تھے اختلاف رائے کے باوجود جب کسی علمی مسئلہ میں، کسی مہم کے متعلق مشورہ میں، کسی مقدمہ کے فیصلہ میں ان کی ضرورت پڑ جاتی یا ان سے امداد کی خواہش کی جاتی تو وہ فوراً بلا عذر امداد دینے کے لئے تیار ہو جاتے ان کے اس تعاون پر ارباب اقتدار کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرنا پڑتا۔

کہ اللہ وہ وقت نہ لائے کہ میں کسی مشکل میں پڑوں
اور علی میری مشکل کے حل کرنے میں موجود نہ ہوں
کبھی کسی حکمران کو یہ کہنا پڑتا۔
اگر علی نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

اس دور میں امیر المومنین نے اپنے ولی سلطنت کو اپنے طرز عمل سے یہ بتلایا کہ تعمیر ملک وملت میں استحکام مذہب وملت میں تم نے اپنے ذاتی جذبات کو دخل انداز نہ ہونے دینا، اس زمانے کی ایک تشویش ناک صورت یہ تھی کہ ابو سفیان جس نے اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور فتح مکہ کے دن جس نے طوعاً و کرہاً اسلام قبول کیا تھا اور جس نے حضرت ابو بکر کے بادشاہ ہو جانے پر جناب امیر کو بڑھکا کر اسلام کو خانہ جنگی سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی جو اپنے خاندان کے حصول اقتدار کے لئے کوشاں تھا اس نے اپنی اولاد کو ان ملکی فتوحات کی تحریک میں شامل کر دیا اور اس طرح اس کا خاندان فتوحات ملکی کے دروازہ سے ایوان سلطنت وحکومت میں داخل ہو گیا تھا۔ حضرت عمر کے زمانہ حکومت میں جب شام فتح ہوا تو

حضرت عمر نے اس کے فرزند اکبر کو شام جیسے اہم حصۂ مملکت کا گورنر بنایا اور اس کی وفات کے بعد جب شام کی گورنری خالی ہوئی تو ابو سفیان کی استدعا پر اس کے چھوٹے بیٹے معاویہ ابن ابو سفیان کو ایک نہایت معقول رقم کے ساتھ شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ جناب امیر کی دوربینانہ فراست اس انقلاب کو دیکھ رہی تھی اب ضرورت تھی کہ اس خطرناک صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ولیعہد امام حسن علیہ السلام اور چھوٹے شہزادے امام حسین علیہ السلام کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا جائے۔ حصول سلطنت کے لئے نہیں بلکہ حفاظت اسلام و شریعت اسلام کے لئے آمادہ کیا جائے اس میں رسول اللہ کی اس پیشین گوئی کے پیش نظر حسنؑ اور حسینؑ امام ہیں خواہ جنگ ترک کر کے بیٹھ جائیں یا جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں دونوں صورتوں سے نپٹنے کے لئے ان کی تربیت کی جائے۔

دورِ حکومت حضرت عثمان

اب وہ وقت آیا کہ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا مسلمان ایران اور روم کی منظم و متمدن سلطنتوں کو شکست دے چکے تھے حضرت عمر کے بعد عنان حکومت کس کے سپرد کی جائے وفات رسول کے بعد جو پروگرام مرتب ہوا تھا اس میں تیسرا نمبر حضرت ابو عبیدہ جراح کا تھا۔ جو حضرت عمر کے دور حکومت میں جب طاعون عمواس کی وبا پھیلی

قوان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب آئندہ سربراہ سلطنت کا تقرر ایک پیچیدہ مشکل تھی۔ ۱۔ اجماع سے جو حکومت قائم ہوئی تھی وہ آزمائی جا چکی تھی حضرت عمر نے اسے ناپسند کیا تھا جیسا کہ بخاری میں ہے اور اسے فلتۃً لیک ناگہانی حادثہ کہا گیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے لئے شخصی نص کو حصول سلطنت کا ذریعہ قرار دیا تھا اگر حضرت ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو اغلب امکان تھا کہ اسی شخصی نص کے اصول کو قیام ہوتا۔ اب حضرت عمر نے اس پیچیدہ سوال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے سیاسی شعور سے کام لے کر حصول سلطنت کے لئے ایک نیا سیاسی اصول وضع فرمایا۔ سلطنتوں کے بدلنے سے سربراہ حکومت کے تقرر کے آئین میں بھی تبدیلی ہوتی رہی۔

(۱) پہلے اجماع

(۲) پھر شخصی نص — اب ایک

نیا اصول وضع ہوا۔

(۳) شوریٰ

بہر کیف اس سیاسی اصول پر جو امید وار انتخاب تجویز ہوئے اس میں امام حسن علیہ السلام کے والد بزرگوار کا نام نامی بھی تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی سیاسی بصیرت اسے محسوس کر چکی تھی کہ پبلک میں حضرت علی ابن عم رسول کی شخصیت بھی امت کے لئے محل التفات ہو چکی ہے اس لئے انہیں شوریٰ کمیٹی میں حضرت علیؑ کو بھی نامزد کرنا پڑا۔

حضرت عمر نے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا کر حکومت کو اسی میں منحصر کر دیا۔ اور خود رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے کمیٹی کی کارروائی میں دو نام جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے وہ حضرت علی مرتضیٰ اور واحنالاالفدا اور حضرت عثمان تھے۔ اس کمیٹی کے صدر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف تھے جنہیں حضرت عثمان سے قرابت کا فخر بھی حاصل تھا انہوں نے طرفداری کے الزام سے بچنے کے لئے جناب امیر علیہ السلام کو مشروط طور پر حکومت کی پیش کش کی شرائط یہ تھیں۔

اس بات کا اقرار کہ میں قرآن، سنت رسول اور سیرت شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر پر عمل کروں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے تیسری شرط کو قبول نہ فرما کر ایک باشان شوکت سلطنت کے حصول کے موقعہ کو کمال بلند ہمتی اور استغنا سے اپنے ہاتھ سے دے دیا۔ یہ ایک بلند نظریہ اور شریعت اسلامیہ کے ایک اہم اصول کی ترجمانی تھی وہ اصول یہ تھا کہ احکام اسلام کی سیرت کو اس حد تک قابل قبول تسلیم کیا جائے جس حد تک وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ اس طرز عمل میں بھی ولیعہد امام حسنؑ اور چھوٹے شاہزادہ امام حسینؑ کے لئے ایک سبق تھا۔

قصہ کوتاہ حضرت عثمان نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں ہمیں مکتب خیال اہل سنت کے ریکارڈ سے ایک روایت ملتی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں طبرستان

پر فوج کشی ہوئی چونکہ حضرت امام حسنؑ پورے جوان ہو چکے تھے اس لئے اس فوج کشی میں امام حسنؑ بھی مجاہدانہ شریک ہوئے یہ فوج کشی سعید بن عاص کی ماتحتی میں ہوئی۔ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۴ مطبوعہ یورپ) (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۳)

اگرچہ اس سلسلہ کی تفصیلات نہ ملنے کی وجہ سے یہ واقعہ غیر یقینی سا رہتا ہے۔ شیعہ ریکارڈ اس سلسلہ میں خاموش ہے اس روایت کے وضع کرنے میں جو سیاسی علل و وجوہ ہیں وہ ظاہر ہیں۔ غالباً سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس اعتراض کا حسن و خوبی سے ازالہ کیا جائے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے زمانے کی فوج کشیوں میں نہ حضرت علی نے حصّہ لیا اور نہ ان کے شاہزادوں حسن و حسین نے حصّہ لیا۔ جب ہم اس روایت کو محک درایت پر پرکھتے ہیں تو یہ پوری نہیں اترتی۔ اگر امام حسن علیہ السلام اس جنگ میں حصّہ لیتے تو اس کی کچھ تفصیل تو تاریخی ریکارڈ میں موجود ہوتی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان ملکی فتوحات میں جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور حسنین علیہم السلام کی عدم موجودگی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس دور میں اولاد ابوسفیان کو جو شام میں اپنے قدم پورے طور پر جما چکی تھی حضرت عثمان کے زمانہ حکومت میں اپنی طاقت کو بڑھانے کا موقع ملا۔ اس دور میں بنوامیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اپنے خاندان بنی امیہ سے حضرت کی محبت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ بنی امیہ

کو دوسروں سے افضل سمجھتے تھے۔ ان کی پاسداری اور حمایت و محبت ان کے ضمیر میں داخل تھی بہت پہلے وہ اس معاملہ میں مشہور تھے حضرت عمر نے بہت پہلے پیشین گوئی کر دی تھی۔

لو ولیھا عثمان لحمل بنی ابی معیط علی

رقاب الناس ولو فعلھا لقتلوہ

اگر عثمان کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور آ گئی تو یہ ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے اگر ایسا کریں گے تو لوگ انہیں قتل کر دیں گے۔

(کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صـ۱۶)

ہمارے فاضل دوست جناب علامہ سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔

خلیفہ کی مخالفت میں جو جماعتیں اور تحریکیں مدینہ میں اٹھتی تھیں باوجودیکہ ہاشمی خاندان کمزور ہو رہا تھا خود امام بھی سخت ترین پریشانیوں میں مبتلا تھے نئے گروپ اکثر و بیشتر امیر المومنین و حسن مجتبیٰ کے حامی تھے مگر جناب امیر کے حکم کے اور اپنے تدبر کی بنا پر شہزادہ امت (حضرت امام حسنؑ) لوگوں کو سمجھانے بجھانے حالات کو اعتدال پر لانے

کے لئے جدو جہد فرماتے لیکن عوام پچھلے بارہ تیرہ
سالوں میں دنیا جہان میں آزادی کے ساتھ پھر کر
اور اپنی حکومت میں خاموش رہ کر جذبات کو پروان
پڑھا چکے تھے اور مدینے کے حالات بالکل ادر تھے
نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں نے حملہ کر دیا اس وقت مدینہ
میں صرف امام حسن علیہ السلام کی شخصیت ابھری ہوئی
نظر آتی ہے آپ باغیوں کے جتھوں میں مصلح خطیب
تھے دار الخلافت کے گرد محاصرہ شکن رضا کار اور
محصورین کی جان بچانے والے مسیحا لیکن بیرونی حالات
میں جب بھی سکون ہوتا فوراً داخلی طور پر کچھ ایسا ہوتا
کہ ساری کوششیں رائیگاں ہو جاتیں جسے اسی رسہ کشی
میں امام حسن زخمی ہوئے مگر خونی لباس ہونے کے بعد
زخموں سمیت پیاسوں کو پانی پہنچایا اور زندگی کا
راستہ دکھایا یہاں تک کہ محاصرین چھت سے مکان
میں داخل ہو کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے مگر
امام حسن علیہ السلام کی جدو جہد کو سخت متعصب مؤرخ
نے بھی سراہا (حسن نمبر اخبار شیعہ صہ ۶۴ و صہ ۶۵)

جناب امیر علیہ السلام نے حضرت حسن (علیہ السلام) کو حضرت عثمان کی
حفاظت کے لئے بھیج دیا چنانچہ انہوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں

نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا۔ اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ صفحہ ۳)

حضرت علی علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ محاصرہ کرنے والوں نے پانی بند کر دیا تو آپ نے حسنؑ و حسینؑ اپنے دونوں فرزندوں کو کچھ مشکوں کے ساتھ روانہ کیا اور ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر پانی قصر حکومت کے اندر پہنچا دیا۔

ان واقعات سے جناب امام حسنؑ کو یہ سبق ہے

۱۔ ہم امن و امان کے محافظ ہیں ہم کو کبھی شورش انگیزیوں میں حصہ لینا نہیں چاہیئے بلکہ ہمیں جہاں تک ممکن ہو سکے ایسی صورتیں پیدا کرنا چاہیئے کہ امن عامہ کو صدمہ نہ پہنچے۔

۲۔ ہمیں مفاد عامہ کے تحفظ میں اپنی ذاتی رنجشوں اور شخصی فائدوں کا کوئی لحاظ نہیں کرنا چاہیئے

۳۔ یہ کہ مصیبت کے وقت ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیئے اور جہاں تک اپنے سے ہو سکے امداد کرنا چاہیئے۔

دورِ حکومت حضرت امیر المومنین علیؑ

یہ تمدن کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ حالات کے تغیر و تبدل سے جمہور کے رجحانات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اب حالات نے پلٹا کھایا ہنگامی انقلاب سے مسلمان بیدار ہوئے ملک میں سخت بے چینی تھی۔ ان شدید حالات میں کوئی شخص حکومت کی ذمہ داریاں لینے کو تیار نہیں تھا۔ ان حالات میں سلطنت کی پیشکش کو قبول کرنا جان جوکھوں کا کام تھا اور شدید ترین خطرات کو مول لینا تھا ایسے نازک حالات میں جمہور کی نگاہیں مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کے چہرۂ انور پر جم گئیں اور حضور پر ٹوٹ پڑے یہاں تک حضور کے کپڑے پھٹ گئے خود امام حسن علیہ السلام مجمع کی زد میں آگئے۔ مگر جناب امیر حصول حکومت کے اس موقعہ کو بھی ٹال رہے تھے۔ باوجودیکہ اس سے قبل ہر موقعہ پر اپنے حقوق کے لئے احتجاج فرماتے رہے اور فلاح و بہبود مخلوق کے پیش نظر حصول سلطنت کے لئے کوشش فرماتے رہے مگر اس وقت وہ جمہور کی التجا کو مسترد فرما رہے تھے کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت عمال سلطنت اور اراکین حکومت کی غیر ذمہ دارانہ روش سے مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں سلطنت دنیاوی اقتدار کے سانچے میں ڈھل چکی تھی۔ کسریٰ و قیصر کے تمدن کی تمدن کی جھلک پیدا ہو چکی تھی۔ حب جاہ و حصول اقتدار کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس وقت کے مسلمان اسلامی مساوات اور اسلام کی سادہ

زندگی سے منہ موڑ چکے تھے جناب امیر علیہ السلام کو اس وقت کا پورا پورا عرفان تھا کہ سلطنت کی پیشکش کو قبول کرنے کی صورت میں دو متضاد طریق کار میرے سامنے ہونگے ان میں سے ایک اختیار کرنا پڑے گا

۱. یا تو مجھے زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز پر عمل کرنا ہوگا اور ہوا کے رخ پر چلنا ہوگا۔ جسے میرے اس منصب کی ذمہ داریاں جو مجھے اللہ کی جانب سے تفویض ہوئی ہے اور میرا انسانی فریضہ مجھے اجازت نہیں دیتا۔

۲. یا پھر میں اس بگڑے ہوئے زمانہ کے مقابلہ پر ڈٹ جاؤں اور اس زمانہ کی تند و تیز ہواؤں کا اس دلیرانہ شان سے جو میرے لئے شایاں شان ہو مقابلہ کروں اگر میں اس پیشکش کو قبول کروں تو مجھے ایسا ہی کرنا ہوگا اس صورت میں بگڑے ہوئے حالات مملکت میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور ملک و مملکت میں خلفشار پیدا ہو جائے گا۔ پس اس صورت میں میرا دورِ حکومت ناکام دور سمجھا جائے گا۔

اس صورت حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضور نے جمہور کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور حکومت کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن اس انکار کے جواب میں جب یہ کہا گیا۔ "دنیا آپ سے ہدایت و اصلاح کی خواہاں ہے پھر آپ گریز کیوں کرتے ہیں؟" اس جملہ نے ان ذمہ داریوں کا جو بحیثیت ہادی آپ پر عاید ہوتی تھیں۔ احساس

پیدا کر دیا اور آپ نے لوگوں کی پیشکش کو بصد مجبوری چند شرائط سے قبول کیا۔

حضور بیعت لے رہے تھے اور برابر فرما رہے تھے
"جان لو کہ میں حدود شرع سے تجاوز نہیں کروں گا
اور نہ کسی کی طرف داری مجھ سے ہو سکے گی۔ تم میں
سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دوں گا۔ سب کو
ایک نظر مرحمت و عطوفت سے دیکھوں گا اور
اپنے احکام کتاب و سنت رسول پر جاری کروں گا
بیت المال سے ایک درہم بھی اپنے لئے نہیں لوں گا

سب سے پہلے آپ نے خطبہ پڑھا جس کا پہلا جملہ تھا
الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی
مکانہ

(روضۃ الاحباب)

خدا کے اس احسان پر کہ آج حق اپنی جگہ پر پلٹ آیا
میں اس کی حمد و ثنا بجا لاتا ہوں۔

بیعت کے دوسرے دن حکم دیا کہ بیت المال کا دروازہ کھول دو اور اس کا کل مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

بیعت کے بعد اپنے ایک خطبہ میں اپنی حکومت کی زرین پالیسی کو جو سیاست ربانیہ کی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی فرمایا۔

لوگو! تمہارا میری بیعت کرنا کوئی ہنگامی امر نہ تھا
تم نے میری بیعت بلا سوچے سمجھے نہیں کی میں نے
تمہیں کافی غور و فکر کا موقعہ دیا، اس کے باوجود
تمہارے بیعت کرنے اور میرے بیعت لینے میں
فرق ہے میں تمہیں اپنی رعایا محض اللہ کے لئے
بنانا چاہتا ہوں (حصول اقتدار کے لئے نہیں بادشاہ
بننے کے لئے نہیں) تم میری رعایا اپنے نفسوں کے
لئے بننا چاہتے ہو (گورنریوں اور جاگیروں کے لئے)
پس خدا کے لئے اپنے نفسوں کے خلاف میری مدد
کر دیعنی مقاصد الہیہ کے لئے اپنی خواہشات نفسانیہ
کے خلاف میری مدد کرو۔ میں اس وقت تک
چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک حق دار کو اس
کا حق نہ دلا دوں اور ظالم کو ٹھکانے نہ لگا دوں۔

(نہج البلاغہ)

اس کے بعد کیا ہوا! علامہ سید مرتضیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی
لکھتے ہیں!۔

تھوڑے دنوں بعد ان ہیجان اور بے قابو مسلمانوں نے دوسرا
رخ اختیار کیا جنگ جمل کا میدان ہموار ہونے لگا علمبرداران امن نے
خونی منظر دکھانے کی خاطر تیاریاں شروع کر دیں۔ ابھی تک امام وقت اور

خلیفۂ اسلام کی طرف سے نہ اعلان جنگ ہوا تھا نہ فوجی بھرتی۔ بلکہ حضرت کی لگاتار کوشش یہی تھی کہ صلح اور امن باقی رہے مسلمان حقیقتوں سے دور نہ ہونے پائیں لیکن پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ صوبے کے گورنر اور مسجدوں کے خطیب یا تو یہ کوشش کر رہے تھے کہ لوگ علی کے خلاف تلوار اٹھائیں یا کسی فریق کا ساتھ نہ دیکر امیرالمومنین کے دفاعی نظام کو معطل کر دیں۔

حضرت نے اس مہم کے خلاف امام حسنؑ کو بھیجا جناب عمار یاسر کے ساتھ کوفہ آئے اور ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنا چاہا چنانچہ جامع کوفہ میں ابوموسی کی دھواں دھار مخالفانہ تقریر کے بعد امام حسنؑ نے اس کا جواب دیا اور لوگوں کو اپنے ساتھ کر لیا اخبار الطوال کی روایت سے نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار کیا۔

سیر الصحابہ جلد ۳ صـ۵ (روضتہ الاحباب جلد ۲ صـ۲۷۲)

جنگ کے موقعہ پر جناب عائشہ کے پاس جاکر معاملات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ مگر ام المومنین نے فرزند رسول کی بات نہ مانی۔ تو جنگ میں علمداری کے فرائض انجام دے کر داد شجاعت دی اور باپ کا دل خوش کر کے خدمت دین کے ساتھ ایک بڑی مفسد جماعت کو خاموش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب شام سے دوسرا خونی طوفان اٹھا تو اس میں بھی امام حسنؑ نے سرفروشانہ خدمات کے ساتھ فوجی کمان کے فرض کو انجام دیا اور جنگ صفین میں فوج کے علمبردار رہے تحکیم کے معاہدہ پر دستخط بھی کئے جنگ

نہروان میں بھی خوارج سے جنگ فرمائی۔

اس زمانہ میں جنگی مصروفیتوں کے علاوہ، فیصلہ، مقدمات نگرانی بیت المال اور مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار رہے گویا اس عہد میں امام حسن علیہ السلام کو کھل کر کام کرنے کا موقعہ دیا گیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہنے والا ہمیشہ کامیاب، مدبر، حافظ دین، قاضی شریعت اور ذمہ دار عادل حاکم ہی ثابت ہوا جس کے تدبر اور فیصلوں پر جناب امیرالمومنین صاد کرتے اور داد دیتے رہے دشمن کے عہد حکومت میں آپ کے کسی فیصلہ کی غلطی یا کمزوری کا تذکرہ تک نہ ہوا (حسن نمبر اخبار شیعہ ص ۹۵)

شہادت جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ ارواحنا لہ الفداء

دور حاضر کا مشہور مورخ مصر کا سابق وزیر تعلیم اہل سنت کا متعصب مولف ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی مشہور تالیف الفتنۃ الکبریٰ میں لکھتا ہے۔

"وکان العرب فی ذلک الیوم قد عادت الی جاھلیتھا الجھلاء وضلالتھا العمیاء نسیت دینھا اتسمع او کادت تنساہ"

(الفتنۃ الکبریٰ جلد ۲ ص۵۶)

(جب علی علیہ السلام عنان حکومت ہاتھ میں لے رہے تھے) اس وقت عرب اپنی قدیم جاہلیت کی زندگی اور گمراہی کی تاریکیوں کی طرف پلٹ چکے تھے انہوں نے دین (اسلام) کو بالکل بھلا دیا تھا یا قریب بھول گئے تھے۔"

ان حالات میں بنی امیہ کا شام کے صوبہ پر تسلّط ہوا اور معاویہ کے ساتھ عمرو عاص سا شاطر بھی مل گیا جو سیاسی چالبازیوں میں معاویہ سے کم نہ تھا چنانچہ طٰہٰ حسین موصوف لکھتے ہیں:۔

"عمرو بن العاص الذی لو یکن اکل دھاء
ولا اولی مکرًا ولا اھون کیدًا من
معاویۃ: الفتنۃ الکبریٰ جلد ۲ ص۹۶

چنانچہ اسی عمرو عاص کی جنگ صفین میں ایک چال سے فتنہ خوارج پیدا ہوا جناب امیر علیہ السلام نے جنگ نہروان میں شکست دی نہروان کے شکست خوردہ افراد میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم نے امیر المومنین کے دشمنوں سے ملکر آپ کے قتل کی سازش ترتیب دی چنانچہ ابن ملجم اس غرض کے لئے کوفہ میں وارد ہوا وہاں ایک حسین و جمیل عورت قطامہ کے عشق میں مبتلا ہوگیا قطامہ کا باپ اور اس کا بھائی افواج جناب امیر کے ہاتھ سے جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔

عبدالرحمن ابن ملجم نے جب اس سے شادی کی درخواست کی تو وہ اس شرط پر رضامند ہوئی کہ ابن ملجم جناب امیر علیہ السلام کو قتل کرے ابن ملجم نے اسے منظور کیا اور وہ اپنے ارادہ میں اور بھی پختہ ہوگیا اور اس کے ساتھ وردان شبیب اور دوسرے شرپسند بھی شریک ہوگئے۔

یہ منصوبہ قتل ۱۹ ماہ مبارک رمضان کے لئے تیار کیا گیا جناب امیر علیہ السلام صبح صادق سے قبل ہی مسجد میں جانے کے لئے آمادہ تھے آپ

بار بار صحن میں نکل کر آسمان کو دیکھتے تھے سحری کے وقت جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جناب امام حسنؑ سے فرمایا کہ میں نے اس رات آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا:

فقلت یا رسول اللہ ما لقیت من امتک
فقال ادع اللہ علیہم فقلت اللّٰھم اللّٰھم
ابدلنی بھم خیراً لی منھم وابدلھم
بی شراً لھم منی (صواعق محرقہ لابن حجر
مکی فی ذکر وفات علی کرم اللہ وجہہ)

پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی امت نے
میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ حضور نے فرمایا ان
کے خلاف اللہ سے دعا کرو پس میں نے کہا خدایا
مجھے ان کے بدلے میں بہتر لوگ عطا کر اور ان لوگوں
کو میری بجائے شر پسند حاکم دے۔

یقیناً امیر المومنین علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی جنابؑ دار الآخرت میں نیکوکاروں کے امیر بنائے گئے اور بلاد اسلامیہ پر ایسے حاکم مقرر ہوئے جنہوں نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا ان میں یزید کا نام سرفہرست ہے۔ اس کے بعد حضرت مسجد میں تشریف لائے اذان دی جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدے کی حالت میں ابن ملجم نے سر پر تلوار ماری جس سے سر مبارک مغز تک شگافتہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا فزت برب الکعبہ

کعبہ کے رب کی قسم میں اپنے مطلب میں کامیاب ہوگیا. مطلب یہ تھا کہ میں نماز میں ہمیشہ اللہ سے ملنے کی کوشش کرتا رہا اور قریب سے قریب تر ہوتا گیا مگر لوگوں کے خیال میں پھر بھی دور ہی سمجھا جاتا رہا. لیکن اس مقصد میں بخدا آج میں قطعی طور پر کامیاب ہوگیا اب میں اس طرح مل گیا کہ اس کی بارگاہ خاص سے کسی آن بھی الگ نہیں سمجھا جاؤں گا.

اس کے بعد لوگ حضرت کو گھر لائے ابن ملجم بھی گرفتار ہو کر آیا، حضرت نے حکم دیا اس کی حفاظت کرو. اچھا کھانے کو اور نرم بچھونا سونے کو دینا اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا دلی ہوں خواہ معاف کردوں خواہ قصاص لے لوں اگر مر گیا تو اسے بھی مار دینا مگر حد سے نہ گزرنا.

(طبری جلد ۵ ص۸۶)

بہر حال اکیس کی شب کو جب زخم اپنا پورا کام کر چکا تھا، آپ نے امام حسن علیہ السلام کو قریب بلایا اور انہیں اسرار امامت و نیابت سے آگاہ فرمایا پس امام حسن اور حسین علیہما السلام کو اکٹھا بلا کر چند وصیتیں فرمائیں اس کے بعد محمد بن حنیفہ کو بلا کر چند وصیتیں فرمائیں اور فرمایا کہ حسنین علیہما السلام کی اطاعت کرو کیونکہ دونوں فرزندان رسول ہیں، نیز حسنین علیہما السلام کو ابن حنفیہ کے بارے میں بھی وصیت فرمائی. صبح ہوتے ہی جناب امیر علیہ السلام راہی ملک بقا ہوئے چراغ ہدایت و امامت خاموش ہوگیا. حسنین اور عبداللہ ابن جعفر نے غسل دیا تجہیز و تکفین کے بعد امام حسن علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی کوفہ سے کچھ دور نجف اشرف کے

مقام پر نعش مطہر دفن کر دی گئی حضرت کی وصیت کے مطابق نشان قبر چھپا دیا گیا۔

جب امام حسن علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار کے جسدِ مبارک کو نجف اشرف کی زمین پاک میں سپرد خاک فرمایا تو مراجعت فرمائے کوفہ ہوئے۔ کوفہ پہنچکر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھنا چاہا آنسوؤں کے سیلاب اور گریہ و بکا کے رو میں کچھ نہ کہہ سکے پس کچھ عرصہ منبر پر تشریف فرما رہے پھر خطبہ شروع فرمایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریائے فصاحت و بلاغت موجزن ہے حمد و ثنائے خدا کے بعد فرمایا:

تمام حمد اس خدا کے لئے بزرگ و برتر کے لئے ہے جس نے خلافت کو ہم اہل بیت کے لئے بہترین مقام گردانا اور ہم اہل بیت خدا کے نزدیک معزز و مکرم قرار دیئے گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی مصیبت تمام مشرق و مغرب پر اثر انداز ہوئی۔ فرمایا ہم حزب اللہ ہیں ہم عترت رسول اللہ ہیں ہم اللہ کے رسول کے سب سے زیادہ نزدیکی ہیں۔ ہم اہل بیت رسالت ہیں کہ جو گناہوں سے بدیوں سے معصوم و مطہر ہیں ہم وہ عظیم الشان چیزیں ہیں جنہیں رسول اللہ نے اپنی بجائے امت کے لئے چھوڑا اور فرمایا:- اِنّی

تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِيْ اَهْلَبَيْتِيْ۔ ہم ہی ہیں جنہیں رسول اللہ نے کتاب خدا کا جوڑ قرار دیا۔ ہمیں قرآن کا علم و تنزیل وتاویل عطا فرمایا ہم قرآن کے متعلق علم الیقین سے بات کرتے ہیں۔ ظن اور گمان سے آیات کی ترجمانی نہیں کرتے پس ہماری اطاعت کرو کیونکہ خدا کی طرف سے تم پر واجب ہے ہماری اطاعت کو رسول اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہی قرار دیا۔

اور فرمایا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور اولوا الامر کی جو تم میں ہے۔

پھر فرمایا:۔

آج رات ایسے خدا پرست انسان نے دنیا سے رحلت فرمائی ہے کہ جو لوگ پہلے گزر گئے ان میں سے بھی کسی نے عمل خیر میں اس پر سبقت نہیں کی اور بندگان خدا کسی سعادت میں بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے پس انہوں نے رسول اللہ کے ہمرکاب جہاد کیا اور

وہ رسول اللہ پر جان فدا کرنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہے رسول اللہ انہیں علم دیکر جس طرف بھی بھیجتے تھے تو جبرئیل ان کی داہنی طرف اور میکائیل ان کی بائیں طرف ہوتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے دست مبارک پر فتح دیتا تھا وہ اس رات رحلت فرما کے عالم بقا ہوئے جس رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور اسی رات یوشع بن نون وصی حضرت موسیٰ علیہما السلام بھی خدا کی قسم امیرالمومنین نے اپنے بعد درہم و دینار اور سونا چاندی نہیں چھوڑا صرف سات سو درہم جس سے وہ اپنے اہل و عیال کے لئے خادم حاصل کرنا چاہتے تھے پس پھر حضرت کے گریہ وزاری گلوگیر ہوئی اور لوگوں نے بھی زور شور سے رونا شروع کیا۔

پھر فرمایا:۔

میں فرزند بشیر و نذیر ہوں۔ میں خدا کی طرف دعوت دینے والا ہوں میں ہی فرزند سراج منیر ہوں میں اس اہل بیت سے ہوں جن کی مودت کو حق تعالےٰ نے اپنی کتاب میں واجب قرار دیا ہے اور فرمایا

ہے قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ (شوریٰ آیت ۲۳ پ ۲۵ ع ۴)

اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجرت رسالت نہیں مانگتا مگر صرف اپنے قریبیوں یعنی اہل بیت اطہار کی محبت، جو شخص نیکی نہیں حاصل کرے گا ہم اس کے لئے اس کی خوبی میں اضافہ کردیں گے۔ اس آیت میں جنکی محبت کا ذکر کیا وہ ہم ہیں پس اس کے بعد آپ منبر پر بیٹھ گئے۔

اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس اٹھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

اے لوگو! یہ تمہارے پیغمبر کے فرزند ہیں اور تمہارے امام کے وصی ہیں ان کی بیعت کرو پس لوگوں نے دعوت پر لبیک کہا اور کہا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں بہت محبوب ہیں ہم پر ان کا حق واجب ہے پس سب نے بیعت کی۔

ابن ملجم

امام حسن علیہ السلام نے حکم دیا کہ ابن ملجم کو ان کے سامنے لایا جائے چنانچہ جب ابن ملجم حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا اے ابن ملجم تجھے کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا کہ تو امیرالمومنین علیہ السلام کو شہید کرے اور دین میں ایک عظیم الشان رخنہ ڈالے اس نے کہا میں نے خدا سے عہد کیا تھا اور ذمہ لیا کہ آپ کے باپ کو شہید کروں میں نے اپنے عہد کو پورا کیا اب آپ مجھے امان دیں کہ میں شام و روم کی طرف چلا جاؤں اور معاویہ کو قتل کروں اور آپ کو اس کے شر سے محفوظ کروں پھر میں آپ ہی کے پاس پلٹ آؤں گا۔ پھر خواہ آپ مجھے مار ڈالیں یا بخش دیں۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے میں اس وقت تک سرد پانی نہیں پیوں گا جب تک کہ تجھے جہنم میں نہ پہنچا لوں پھر آپ نے امیرالمومنین کی وصیت کے مطابق ایک ہی ضرب سے جہنم رسید کیا۔

وصایا امیرالمومنینؑ بہ امام حسنؑ

شیخ مفید اور شیخ طوسی نے امام حسن علیہ السلام سے روایت کی ہے فرمایا کہ جب میرے والد بزرگوار کا ہنگام وفات قریب آیا تو مجھے اس طرح سے وصیت فرمائی۔

یہ وصیت ہے برادر رسول، ابن عم رسول اور مصاحب رسول علی ابن ابی طالب کی اپنے بیٹے امام حسن کو ہے سب سے پہلے میں وحدانیت خدا کی گواہی دیتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنے علم کے لئے چنا اور انہیں پسندیدگی میں انتخاب کیا اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ مُردوں کو ضرور اٹھائے گا۔ اور ان سے ان کے اعمال کی پرسش فرمائے گا۔ اے بیٹا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ تو میرا وصی ہونے کے لحاظ کافی ہے جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں۔ اور امت تجھ سے مخالفت کرے تو خانہ نشین ہو جانا، دنیا کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار نہ دینا اور اس کے پیچھے تگ و دو نہ فرمانا۔ نماز کو اس کے اول اور افضل وقت میں ادا کرنا۔ اور زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ کو پہنچانا، اور مشتبہ امور میں خاموش رہنا۔ غصہ اور رضا کے وقت عدل اور میانہ روی کو اختیار کرنا اپنے ہمسایوں سے نیک سلوک کرنا اور مہمان کو عزیز و محترم سمجھنا۔

مصیبت زدہ انسانوں پر رحم کرنا اور اپنے اعزا واقربا سے صلہ رحم اختیار کرنا مسکینوں کو محبوب رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا۔ تواضع اور عجز فروتنی کو اختیار کرنا کہ یہ افضل عبادات ہے اور آرزوؤں اور تمناؤں کو کم کرنا۔ موت کو یاد رکھنا اور دنیا سے اعراض کرنا۔ زہد کے طریق کو اختیار کرنا کیوں کہ انسان قرین مرگ ہے اور ہدف بلا ورنج وعنان ہے۔ اے بیٹا۔ میں تجھے خدائے جبار کے خوف وخشیت کی وصیت کرتا ہوں۔ اسے ظاہر حالات میں بھی اور پوشیدہ حالات میں بھی اختیار کرنا۔ اور بغیر سوچے سمجھے بات کہنے اور کچھ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ ہاں امور آخرت کی سرانجام دہی میں تعجیل اختیار کرنا اور امور دنیوی میں تاخیر۔ اور تہمت کے مقامات سے بچنا اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرنا جن کے متعلق لوگ بدگمان ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے ضرر پہنچتا ہے۔ اسے بیٹا! امور الٰہی میں سرگرم عمل رہنا فحش اور ہرزہ گوئی سے اپنی زبان کو بند رکھنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اختیار کئے رہنا اور اپنے دینی بھائیوں سے

برادرانہ سلوک کرنا اور نیک انسان کو اس کی نیکی کی وجہ سے دوست رکھنا اور بدکاروں کی اصلاح کرنا تاکہ وہ دین کو نقصان نہ پہنچائیں فاسقوں سے دل میں دشمنی رکھنا اور اپنے کردار کو ان کے کردار سے علیحدہ رکھنا تاکہ تو ان کی مانند نہ ہو جائے۔ پلوں اور گزرگاہوں پر مت بیٹھنا بے وقوفوں اور جاہلوں کے ساتھ جھگڑا نہ کرنا، اور اپنی معیشت میں میانہ روی اختیار کرنا۔ اور عبادت میں بھی اقتصاد کو ملحوظ رکھنا اور ایسی عبادات پر ہمیشگی اختیار کرنا۔ جن کی تو طاقت رکھتا ہو۔ خاموشی اختیار کرنا تاکہ تو زبان کے مفاسد سے محفوظ رہے اور آخرت کے سفر کے لئے زاد راہ پہلے سے بھیج دینا۔ امور خیر اور نیکیوں کو یاد رکھنا تاکہ تو دانا ہو جائے اور امور و حالات میں خدا کو یاد رکھنا اپنے خاندان کے چھوٹوں پر رحم کرنا اور بوڑھوں کی تعظیم و توقیر کرتے رہنا۔ اور کبھی کھانا نہ کھانا جب تک کہ خود کھانے سے پہلے کسی قدر تصدق نہ کر لے روزہ رکھنا کیونکہ وہ جسم کی زکوٰۃ اور آتش جہنم کی سپر ہے۔ اپنے نفس سے جہاد کرنا اور اپنے بُرے ہم نشین

سے پرہیز کرنا اور دشمن سے اجتناب کرنا اور تمہارے لئے ایسی مجالس میں شمولیت ضروری ہے جن میں ذکر خدا ہو۔ اور دعا ہست کرنا یہ میری وصیتیں ہیں اور میں نے تجھے نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی اب میری مفارقت اور جدائی کا وقت ہے میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے نیکی کرنا کیونکہ وہ تیرا بھائی اور میرا بیٹا ہے اور تو یہ جانتا ہے کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں باقی رہے حسینؑ پس وہ تیری ماں کے بیٹے اور تیرے اعیانی بھائی ہیں، اس کے بارے میں تجھے وصیّت کی احتیاج نہیں ہے۔ اور اللہ تم پر میری طرف سے محافظ و نگہبان ہے میں اسی سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہارے حالات کو اصلاح و فلاح و بہبود میں رکھے اور ظالموں اور سرکشوں سے تمہیں محفوظ رکھے یہ تمہارے لئے لازم ہے کہ تم صبر و شکیبائی اختیار کرو اور خدا کا امر نازل ہو اور تمہارے لئے فرصت و مسرت کا موقع آئے عزم و استقلال پر ثابت قدم رہو قوت و قدرت نہیں خدائے علی عظیم کی طرف سے ہی ہے۔

پس اے حسنؑ جب میں اس دنیا کو خیرباد کہوں
تو مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور تیرے جد پاک
محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو بچا ہوا کافور
بہشت سے ہے اس سے حنوط کرنا یہ وہی کافور
ہے جو تیرے جد کے لئے جبرئیل امین لائے تھے
اور جب مجھے تابوت میں رکھنا تو تابوت کے
اگلے حصّہ کو نہ اٹھانا بلکہ پچھلے حصّہ کو اٹھانا اور جس
طرف تابوت چلے اس کی متابعت کرنا جہاں وہ
ٹھہر جائے وہی میری قبر کا مقام ہے وہاں میرے
جنازے کو زمین پر رکھ دینا اور اے حسنؑ تم ہی
مجھ پر نماز جنازہ پڑھنا۔ سات تکبیر کہنا اور جان لو کہ
سات تکبیر میرے سوا اور تیرے بھائی حسینؑ کے بیٹے
اس امت کے مہدی قائم آل محمدؑ کے سوا اور کسی پر جائز
نہیں ہیں یہ وہی مہدی ہیں جو خلق کی خرابیوں کو درست
کریں گے جب تم جنازہ سے فارغ ہو جاؤ تو جنازہ کو
اس مقام سے اٹھا لینا۔ اس جگہ کی مٹی کو کھودنا۔ قبر کھدی
ہوئی لحد بنی ہوئی اور لکڑی کا تختہ ملیگا کہ میرے جد نوحؑ
نے بنایا ہے۔ پس مجھے اس تختہ پر رکھ دینا۔ اور سات
بڑی اینٹیں تو اس جگہ پائے گا۔ ان اینٹوں کو مجھ پر

پچُن دینا پھر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک اینٹ کو اُٹھا کر میری قبر میں نظر کرنا تو میری جسم کو اس قبر میں نہیں پائے گا کیونکہ میں تیرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق ہو جاؤں گا کیونکہ اگر پیغمبر مشرق میں سپرد خاک ہوا ہو اور اس کا وصی مغرب میں مدفون ہوا اللہ تعالیٰ روح و جسد پیغمبر کو اس کے وصی کے روح و جسد سے ملائے گا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے جسد کو اس کی اپنی قبر میں لوٹائے گا پھر میری قبر کو مٹی سے پر کر دینا اور اس جگہ کو لوگوں سے چھپا دینا تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ میں کہاں دفن ہوا ہوں۔ یہ بھی امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میری قبر چار مقام پر کھو دنا ایک مسجد کوفہ میں دوسرے رحبہ میں تیسرے نجف میں اور چوتھے جعدہ بنت ہبیرہ کے گھر میں تاکہ کسی کو میری قبر کا پتہ نہ چلے یہ اس لئے تھا تاکہ خوارج و بنی امیہ کو قبر کا پتہ نہ چلے اور وہ قبر مطہر سے جسد اطہر کو نکالنے کا ارادہ نہ کریں۔

(منتہی الآمال ص ۱۳۱ و ص ۱۳۲)

دورِ خلافت سرکار امنؑ
امام حسن علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے بنی امیہ کا راستہ کسی قدر صاف ہوگیا۔ لیکن خاندان رسالت آل عمران یعنی اولاد ابی طالب تقدس روحانیت علم و اخلاق میں بنی امیہ سے کہیں افضل تھے اور رسول اللہ کی قرابت قریبہ کا شرف ان ہی کو حاصل تھا۔ اس لئے روحانی سیادت کا اس خاندان سے بنی امیہ میں منتقل ہوجانا اب بھی مشکل تھا۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے بعد ان ہی کی اپنی نص کے مطابق اور ارباب حل و عقد کے اجماع سے ان کے فرزند اکبر حضرت امام حسن علیہ الصلوۃ والسلام خلیفہ رسولؐ اور امام خلق تسلیم کر لئے گئے۔

مؤلف سیر الصحابہ لکھتے ہیں:۔

حضرت علیؑ کی وفات کے بعد امیر معاویہ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ

باقی سارے ملک کی نظریں حضرت حسنؑ کی طرف تھیں چنانچہ والد بزرگوار کی تدفین سے فراغت کے بعد آپ جامع مسجد میں تشریف لائے مسلمانوں نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے آپ نے ان سے بیعت لی اور بیعت کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔

آپ کی پہلی تقریر

لوگو! تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنا عَلَم عطا فرما کر لڑائیوں میں بھیجتے تھے وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہ لوٹا، میکائیل اور جبرئیل چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے اس نے سات سو درہم کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا ہے یہ درہم بھی ایک خادم کے لئے جمع کئے تھے۔ (ابن سعد جز ۳ ق اول ذکر علی۔

(حاکم نے مستدرک میں بھی اس کو خفیف تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے

(سیر الصحابہ جلد ۶ صہ

ہم اس خطبہ کو اپنے طرق روایات سے پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ اس میں "جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے" یہ جملہ موجود نہیں یہ ہمارے

سوادِ اعظم کے مورخوں کی اختراع ہے چونکہ جناب امیر علیہ السلام اپنے دور حکومت میں بیت المال سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے بلکہ بادشاہ ہونے کے باوجود یہ خاندان محنت مزدوری سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا تھا اور خیرات مبرات میں حصّہ لیتا تھا۔

دورِ جدید کے مورخوں جناب پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم اور پروفیسر محمد شجاع الدین نے لکھا ہے:۔

> شہادت امیرالمومنین اور ان کی تدفین کے بعد اہل کوفہ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور انہوں نے حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر ان کی ذاتی خوبیوں کی بنا پر بیعت کی سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری نے بیعت کی اور اس کے بعد تمام حاضرین نے باری باری یہ سعادت حاصل کی۔

مکتب فکر اہل سنت کی ترجمانی:۔

پہلے چار خلیفوں کو دارالخلافت مدینہ کی اکثریت کے فیصلے اور بیعت نے خلیفہ بنایا۔ حضرت حسنؑ کی تخت نشینی کے وقت مدینہ کے بجائے کوفہ دارالخلافت تھا لہٰذا یہ حق اہل کوفہ کا تھا کہ وہ شخصی خوبیوں کی بنا پر جسے چاہیں خلیفۂ رسول منتخب کر لیں حضرت حسنؑ کا تخت خلافت پر متمکن ہونا خلافت راشدہ کے اصولوں کے عین مطابق تھا اس لئے آپ کو پانچواں خلیفۂ راشد متصور کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن کے انتخاب خلافت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ میں باپ کے بعد بیٹا بھی تخت خلافت کی زینت بن سکتا ہے بشرطیکہ اسے بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خلیفہ نہ بنایا جائے بلکہ اس میں جوہر ذاتی بھی ہوں علاوہ ازیں باپ اسے اپنی زندگی میں خود ولی عہد نامزد کر کے رعایا سے جبراً اس فیصلہ کی تائید نہ کرائے بلکہ رعایا خود بخود اس کی شخصی خوبیوں سے متاثر ہو کر خود اسے اپنا حاکم مان لے۔

(تاریخ اسلام ص ۳۹۳)

مکتب فکر شیعہ کی ترجمانی:۔ شیعہ کے ہاں خلافت کے معنی سلطنت نہیں ہیں جو شخص کار رسالت کو صفات رسالت عصمت و علم لدنی سے با حسن وجوہ انجام دے اسے خلیفۃ اللہ بھی کہتے ہیں اور خلیفۃ الرسول بھی خواہ وہ تخت سلطنت پر ہو یا نہ ہو اس کا تقرر الٰہی نص سے ہوتا ہے خواہ وہ نص بزبان رسول معلوم ہو یا بزبان خلیفۃ الرسول معصوم اور وہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے مخلوق خدا کی رہنمائی کی وجہ سے اسے امام کہتے ہیں جسے اللہ اور رسول نص سے مقرر کریں۔ وہ خلیفۃ الرسول یا امام ہے جسے لوگ مقرر کریں اسے شیعہ اصطلاح میں خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں پہلے تین خلفا میں سے ہر ایک شیعہ نکتہ نگاہ سے خلیفۃ المسلمین تھے۔ خلافت راشدہ کی اصطلاح سلاطین کے لئے شیعی فکر نہیں ہے پہلے تین خلفا میں سے پہلے خلیفہ کا انتخاب جیسا بھی وہ ہو اسلامیان مدینہ نے کیا دوسرے خلیفہ کا انتخاب نہیں ہوا بلکہ انہیں

پہلے خلیفہ نے اپنی شخصی نص سے خلیفہ بنایا تیسرے خلیفہ کا تقرر چھ آدمیوں کی کمیٹی کے ذریعہ سے ہوا البتہ حضرت علی نص الٰہی اللہ نص رسول سے بھی خلیفہ تھے دارائے عصمت و علم لدنی بھی تھے اور ارباب حل و عقد مدینہ نے بھی انہیں انتخاب کیا اس لئے جناب امیر ہر نکتہ فکر سے خلیفہ تھے اسی طرح جناب امام حسن علیہ السلام جناب امیر علیہ السلام کی نص سے بھی بلکہ نص رسالت سے بھی خلیفہ تھے اور دارالخلافت کوفہ کے ارباب حل وعقد نے بھی انہیں خلیفہ چنا اس لئے وہ خلیفۃ اللہ بھی تھے خلیفۃ الرسول بھی اور خلیفۃ المسلمین بھی تھے اور معصوم و صاحب علم لدنی اور ہدایت خلق کے لحاظ سے امام بھی تھے

بیعت کے وقت اقرار: بیعت کے دوران میں حضرت حسنؑ لوگوں سے اقرار کراتے تھے کہ وہ آپ کے مطیع فرمان رہیں گے جس سے آپ کی صلح ہو گی اسے دوست سمجھیں گے جس سے آپ کی جنگ ہو گی اس سے وہ بھی نبرد آزما ہوں گے ۔ (تاریخ اسلام مؤلفہ پروفیسر عبدالقادر صـ ۳۹۳)

حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ ایران ، عراق ، خراسان ، حجاز اور یمن وغیرہ میں خلیفہ تسلیم کر لئے گئے ان چالیس ہزار آدمیوں نے جنہوں نے حضرت علی سے معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے پر آپ کی نصرت میں رہنے کی بیعت کی تھی امام حسن علیہ السلام سے بھی بیعت کر لی ۔

(تاریخ الائمہ صـ ۲۶۲)

جناب امیرؑ اور امیر معاویہ میں

معاویہ کا جارحانہ اقدام :۔

بہت قدیم اختلاف چلا آ رہا تھا امیر معاویہ ان کی حیات میں ہی عالم اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن جناب امیرؑ کی زندگی میں یہ خواب منت کش تعبیر نہ ہوا آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہ کا یہ جذبہ دفعتہً نہایت شدت کے ساتھ ابھر آیا امیر معاویہ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؑ صلح پسند ہیں اور جنگ وجدال کو وہ دل سے ناپسند کرتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔ کہ حضرت حسنؑ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی اور اس قیمت پر وہ خلافت (یعنی سلطنت) لینے پر آمادہ نہ تھے

امیر معاویہ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا اس لئے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ہی انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ اور پہلے عبد اللہ بن عامر بن کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا اور انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے (سیر الصحابہ جلد ۶ صـ)

آغازِ جنگ :۔

معاویہ خود چھ ہزار فوج لے کر مقام مسکن میں اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے امام حسنؑ نے یہ سنکر خود تو بڑا حصہ فوج کا لیکر کوفہ سے ساباط مدائن میں آ گئے اور بارہ ہزار فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کر دی۔ اسی دوران میں معاویہ نے مخفی طور پر یہ فریب کیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیجا جہاں امام حسنؑ

علیہ السلام مقیم تھے، اور یہ مشہور کرایا کہ حضرت کے سپہ سالار قیس بن سعد نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور اس طرح دوسرے شخص کو قیس کے لشکر میں بھیج کر مشہور کرایا کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی۔ پس جب دونوں جگہ یہ خبر پھیل گئی تو امام حسن علیہ السلام کی فوج میں بغاوت ہو گئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلےٰ تک گھسیٹ لیا دوش پر سے ردا بھی اتار لی، بعض گمراہوں نے معاویہ سے سازش کر کے اور رشوتیں لیکر ارادہ کیا کہ آپ کو گرفتار کر کے معاویہ کے حوالہ کر دیں۔ اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ طور پر خط و کتابت کر کے معاویہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آیئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں گے حضرت کمال صدمہ سے اپنے مدائن کے گورنر سعد کی طرف روانہ ہوتے راستے میں ایک خارجی نے موقعہ پاکر ران پر ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک پہنچا آپ نے زخمی حالت میں مدائن کے قصر میں جا کر ٹھہرے سعد نے علاج کرایا اور کچھ مدت میں اچھے ہو گئے ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی گئی اسی روز آپ نے اپنی طرف سے عمال (گورنر) مقرر کر کے روانہ فرمائے چنانچہ عبداللہ عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا جب معاویہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے دو جاسوس روانہ کئے قبیلہ حمیر کا ایک جاسوس کوفہ کی طرف روانہ کیا اور قبیلہ قیس کا ایک جاسوس بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ یہ جاسوس لوگوں کو گمراہ کر کے امام حسن علیہ السلام

سے منحرف کریں۔ چنانچہ یہ دونوں جاسوس گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے اس پر امام حسن علیہ السلام نے بطور تنبیہہ معاویہ کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں تحریر فرمایا تیرا یہ معاندانہ رویہ نہایت خطرناک ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو آمادہ جنگ ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کے لئے میں بھی تیار ہوں کافی خط و کتابت اور سوال و جواب کے بعد معاویہ نے ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ جس کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی عراق پر چڑھائی کی اور چند جاسوس ایسے لوگوں کی طرف بھیجے جو جناب امام حسنؑ کے ہمراہ تھے اور صرف خوفِ تیغِ امیرالمومنین علیہ السلام سے اطاعت کرتے تھے مثلاً عمرو بن حریث، اشعث بن قیس اور شیث بن ربعی وغیرہم اور ان میں سے ہر ایک کو یہی لکھا کہ تو امام حسن علیہ السلام کو قتل کر دے تو میں اپنی بیٹی کا عقد تجھ سے کر دوں گا۔ بارہ ہزار درہم نقد بھی انعام دوں گا۔ اور فوج کے کسی اعلیٰ عہدہ پر بھی مامور کر دوں گا۔

اس چال سے اکثر لوگوں کو امام حسن علیہ السلام سے منحرف کر لیا اور سازش کر کے باطنی طور پر انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر امام حسن علیہ السلام کے ہی ساتھ تھے اس صورت حالات پر امام حسن علیہ السلام نے احتیاط اختیار فرمائی چنانچہ زرہ پہن کر نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے، ایک دفعہ حالت نماز میں آپ پر تیر سے حملہ کیا گیا لیکن زرہ کی وجہ آپ محفوظ رہے۔

(منتہی الآمال، جلد اص ۱۹۳ و ص ۱۹۴ م (بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۰۷)

چنانچہ معاویہ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے تھے انہوں نے اس سازش میں شرکت کی دعوت کو قبول کیا اور معاویہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسے اطلاع بھی دے دی کہ وہ ہر حال میں امام حسنؑ کی مخالفت میں شریک ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب معاویہ کی فوج کشی کی خبر سنی تو اپنے ہمراہیوں کو جمع کیا اور دعوت جہاد دی لیکن کسی ایک آدمی نے بھی اس دعوت پر لبیک نہیں کہی۔

یہ صورت حالات دیکھ کر عدی بن حاتم اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:۔

> سبحان اللہ تم کس قدر برے لوگ ہو اے فرزند رسول تمہیں دعوت جہاد دے رہے ہیں اور تمہاری رگ حمیت میں تڑپ پیدا نہیں ہوتی تمہارے مردِ میدان کہاں گئے تم لوگ نہ غضب خدا سے ڈرتے ہو اور نہ تمہیں ننگ و عار کی کچھ پرواہ ہے"

اس پر زور سرزنش پر چند آدمیوں نے اٹھ کر اعانت کا وعدہ کیا۔ حضرت نے نخیلہ کو اپنا فوجی اڈہ قرار دیا اور معاونت کی حامی بھرنے والوں کو وہاں جانے کا حکم دیا۔ مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کو اپنا جانشین بنا کر کوفہ میں چھوڑا اور خود بھی نخیلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو مجمع بہت کم تھا جن کو فیوں

کو نخیلہ پہنچنے کا حکم دیا تھا اور جنہوں نے معاونت کا وعدہ کیا تھا وہ وہاں نہیں پہنچے اس پر آپ نے ان کوفیوں کی عہد شکنی اور بے وفائی پر اظہار افسوس کیا ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان کی بیوفائی اور مکر و فریب کا ذکر کیا۔ جو لوگ موجود تھے ان میں سے حکم کندی کو معاویہ کے حملہ کو روکنے کے لئے چار ہزار لشکریوں کے ساتھ انبار کی طرف روانہ فرمایا، جب معاویہ کو اس کی خبر ملی تو اس نے حکم کو پانچ لاکھ درہم بطور رشوت بھیج دیئے اور شام کے صوبوں میں سے ایک صوبہ کی گورنری کا بھی لالچ دیا۔ چنانچہ دولت پر نظر پڑتے ہی اور گورنری کے وعدہ کا خیال آتے ہی دین فروشی پر کمر بستہ ہو گیا اور سو ہمراہیوں کے ساتھ معاویہ سے جا ملا جب یہ خبر حضرت امام حسن علیہ السلام کو پہنچی تو آپ نے اپنے عساکر کو جمع کر کے ان لوگوں کی عہد شکنی بے وفائی دین فروشی اور دنیا پرستی پر اظہار غم فرمایا اور ایک خطبۂ عالیہ میں ان لوگوں کو تنبیہہ فرمائی پھر بنی مراد کے ایک شخص کو چار ہزار لشکر دیکر انبار روانہ کیا اور روانگی سے پہلے اسے تنبیہہ کی کہ عہد و پیمان پر قائم رہے گا اور غداری اختیار نہیں کرے گا اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اب دوسرے آدمی کو بھیج رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ جس آدمی کو بھیجوں گا نتیجہ وہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قبیلہ مراد کا یہ نامراد۔ جونہی انبار پہنچا اور معاویہ کو اطلاع ہوئی اس نے رشوت کی پیشکش کی اور حکومت کی طمع دلائی یہ بھی معاویہ سے جا ملا۔

حضرت امام علیہ السلام نخیلہ سے روانہ ہو کر دیر عبدالرحمن میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں سے عبیداللہ ابن عباس قیس بن سعود اور سعید بن قیس کے ہمراہ ۱۲ ہزار کا لشکر معاویہ کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا اور فرمایا کہ عبیداللہ کو اگر کوئی عارضہ پیش آجائے تو قیس بن سعد سالار لشکر ہوگا اور قیس کو کوئی ایسی صورت پیش آئے تو سعید بن قیس امیر عساکر منصور ہوگا۔ فوج کو یہ ہدایات دیکر خود ساباط مدائن کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچکر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:۔

خطبہ:۔ جس میں حمد و ثنائے الہٰی کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

بحمداللہ کہ میں خلق خدا کا ہر ایک سے زیادہ خیر خواہ ہوں مجھے کسی مسلم سے بغض نہیں ہے اور نہ میں کسی کی برائی یا کسی سے فریب چاہتا ہوں آگاہ ہوجاؤ کہ اتفاق باہمی جس کو تم لوگ ناپسند کرتے ہو بہتر ہے اس تفرقے سے جس کو تم مرغوب رکھتے ہو آگاہ رہو کہ میں تمہارے لئے تمہاری ہی فلاح و بہبود چاہتا ہوں میرے امر کی مخالفت نہ کرو اور میری رائے کو ٹھکراؤ نہیں خدا ہم سب کی مغفرت کرے اور اس امر کی ہدایت فرمائے

جس میں اس کی رضا ہو۔"

پس اتنا کہنا تھا کہ جو خوارج و منافقین آپ کے ساتھ تھے انہوں نے چلانا شروع کر دیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امام علیہ السلام معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں، پس پھر کیا تھا "یہ شخص کافر ہو گیا ہے۔" کے نعرے لگنے لگے، عیاذاً باللہ پھر یہ لوگ امام حسن علیہ السلام پر حملہ آور ہو گئے حضرت کے خیمہ کو لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک کھینچ لیا۔ ایک شخص عبدالرحمن ازدی نے آپ کی چادر تک اتار لی آپ ایک مقام پر تلوار لیکر بغیر ردا کے زمین پر بیٹھ گئے پھر ربیعہ ہمدان کے قبیلے کے چند آدمیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں ایک شخص جراح بن سنان اسدی نے حضرت پر حملہ کر دیا، اور یہ الفاظ کہے (نعوذ باللہ من ذالک) یا حسن أشرك ابوك واشركت انت "اے حسن (معاذ اللہ) تیرا باپ مشرک تھا پھر تو بھی مشرک ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے ساتھ زیادہ خوارج ہی تھے یہ لوگ ظاہر طور پر امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھے اور باطناً معاویہ کے ساتھی تھے۔ چنانچہ جناب امیر اور امام حسن کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا انہی لوگوں کا خاص شعار تھا۔ جب آنحضرت زخمی ہو کر زمین پر گرے تو لوگوں نے ایک چارپائی پر لٹا کر سعید بن سعود ثقفی والی مدائن کے پاس پہنچا دیا حضور نے کچھ دن علاج کے لئے وہاں قیام فرمایا۔

بحار الانوار اور دمعۃ الساکبہ میں شیخ مفید علیہ الرحمتہ سے منقول ہے

کر کئی ایک رؤسائے قبائل نے خفیہ طور پر معاویہ کو خطوط لکھے کہ ہم تیری اطاعت کے لئے آمادہ و تیار ہیں اور اسے اس طرف آنے کی دعوت دی۔

اس طرف معاویہ علاقہ مسکن کے ایک گاؤں جو ینبہ میں جا ٹھہرا اس کے مقابلے کے لئے عبیداللہ ابن عباس کا لشکر پہنچ چکا تھا۔ معاویہ نے عبیداللہ کو پیغام بھیجا کہ امام حسن علیہ السلام مجھ سے صلح کر رہے ہیں اگر تو صلح سے پہلے میرے ساتھ مل جائے تو میں دس لاکھ درہم تجھے انعام دوں گا۔ پانچ لاکھ نقد دوں گا اور پانچ لاکھ کوفہ میں داخلہ کے وقت دوں گا ورنہ چار و ناچار تجھے میرے ماتحت ہونا پڑے گا۔ اس وقت میرے نزدیک تیرا کوئی وقار نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبیداللہ اس دھوکے میں آکر معاویہ کے ساتھ جا ملا۔ بروایت خرائج قیس بن سعد کو معاویہ نے ہر چند اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر کارگر نہ ہوئی۔ پھر معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو خط لکھا کہ میرے ساتھ قطع رحمی نہ کیجئے "لوگ آپکے ساتھ غدر کر رہے ہیں جس طرح کہ وہ آپ کے والد کے ساتھ کر چکے ہیں لہٰذا بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ صلح کر لیں۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے معاویہ کا یہ خط سنایا اس پر سب کہنے لگے کہ کیا ہوا اگر دو آدمیوں نے آپ سے غدر کیا۔ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ غدر کرو گے

لیکن اتمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر تمہاری بات پر اعتماد کرتا ہوں۔
پھر نخیلہ میں آپ نے دس روز قیام فرمایا۔ صرف چار ہزار آدمی آپکے
پاس حاضر ہوئے اس موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

"تعجب ہے ایسی قوم پر جس کے پاس حیا ہے نہ دین ہے اگر میں معاویہ سے صلح کر دوں تو تمہیں کبھی خوشی نصیب نہیں ہو گی اور بنی امیہ تمہیں ایسے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے کہ تم تمنّا کرو گے کہ کاش ان کی بجائے ہم کسی حبشی لشکر کے ماتحت ہوتے اگر میرے پاس کچھ مخلص مددگار ہوتے تو میں کبھی بھی معاویہ سے صلح نہ کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سلطنت بنی امیہ پر حرام ہے پس تم پر تف ہو اے دنیا پرستو!

لیکن اس کے باوجود اکثر اہل کوفہ نے معاویہ کو خطوط لکھے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اس پر بروایت شیخ مفید علیہ الرحمۃ معاویہ نے پھر امام حسن علیہ السلام کو خط لکھا اور دعوت صلح دی اور اہل کوفہ کے خطوط بھی حضرت کو بھیج دیئے۔ (الدمعۃ الساکبہ)

○

امام حسن علیہ السلام سے غداری کے اسباب

۱۔ امیر شام معاویہ ملک کے بڑے بڑے رئیسوں اور بارسوخ لوگوں کو اپنی دامادی میں لینے کا لالچ دے رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ اگر امام حسن کی مخالفت میں تم میرا ساتھ دو تو میں اپنی بیٹی کا رشتہ تم سے کردوں گا مثلاً اس نے اشعث بن قیس اور عمرو بن حریث کو بھی طمع دے کر اپنے ساتھ ملایا تھا۔

۲۔ امام حسن علیہ السلام کے فوجی افسروں، لشکر کے بڑے بڑے عہدہ داروں، کمانڈنگ آفیسروں اور سپہ سالاروں کو لالچ دے رہا تھا کہ اگر تم امام حسن علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دو اور مجھ سے آملو تو میں تمہیں عامل، والی، اور گورنر بناؤں گا اور تمہارا تقرر ذمہ دار عہدوں پر کردوں گا۔

۳۔ معاویہ امام حسن علیہ السلام کے حامیوں کو دولت کثیر بھیج رہا تھا اور آئندہ کثیر المنفعت انعام و کرام کے وعدے کر رہا تھا

۴۔ وہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھیوں کو بددل کر رہا تھا اور فریب دے رہا تھا کہ امام حسن ہم سے صلح کر رہے ہیں اور اگر تم اس صلح سے پہلے ہی ہم سے آملو تو تمہارے لئے مفید و منفعت بخش ہوگا ورنہ صلح کے بعد ہمارے نزدیک تمہاری کوئی قدر و منزلت نہیں

ہو گی جیسا کہ اس نے اسی پروپاگنڈے سے عبید اللہ ابن عباس کو پھنسا لیا بلکہ بشر بن ارطات نے تو یہ بات عام مشہور کر دی تھی کہ امام حسن علیہ السلام نے تو ہم سے صلح کر لی ہے پھر تم کیوں لڑتے ہو اور مفت میں جان کھوتے ہو۔

۵۔ منافقین و خوارج بہت بڑی تعداد میں امام حسن علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے جو نئی سے نئی مشکلات پیدا کر کے امام حسن علیہ السلام کے درپے آزار تھے۔

الغرض حضرت امام حسن علیہ السلام کا لشکر موجودہ صورت میں چار گروہوں پر مشتمل تھا۔

۱۔ معاویہ کا ففتھ کالم یعنی وہ لوگ جو معاویہ کے خیرخواہ اور اس کی حکومت کے استقلال کے خواہاں تھے اور امام حسن علیہ السلام کی فوج میں تشتت و افتراق، تفرقہ و انتشار پیدا کرنے کے لئے لشکر میں شامل ہوئے تھے اور امام حسن علیہ السلام کی فوج کو گمراہ کر رہے تھے۔

۲۔ خوارج و منافقین جو معاذ اللہ امام حسن علیہ السلام بلکہ ان کے والد علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشرک و کافر سمجھتے تھے، اگرچہ معاویہ نے ان کا تقرر نہیں کیا تھا، مگر مقصد مشترک نے انہیں معاویہ سے ملحق کر دیا تھا اور ان کا امام حسن علیہ السلام سے قلبی بغض و عناد معاویہ کی کامیابی کے لئے ایک مستقل سبب ہو گیا تھا۔

۳. طماع و حریص لوگ جو زر و دولت کی طمع گورنریوں کی حرص حکومت کے کلیدی عہدوں کے لالچ میں امیرِ شام معاویہ کی چالوں کا شکار ہو چکے تھے۔

۴. خاندان رسالت کے مخلص بلکہ سراپا اخلاص شیعہ جو دل و جان سے امام حسن کی کامیابی کے خواہاں تھے جیسے قیس بن سعد اور حجر بن عدی مگر یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے۔ چنانچہ ان کی قلت تعداد کا پتہ اس روایت سے چلتا ہے جو علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے مفضل بن عمر و سے نقل کی ہے۔ مصائب و شدائد کی انتہائی شدت نے رسول اللہ کے محبوب نواسہ کو مرجع روحانیت اور خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ کبرائے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ملتفت کیا۔ اور امام حسن علیہ السلام نانا سے اس طرح فریاد کر رہے تھے۔

نانا! میں نے امت کی خیر خواہی کے پیش نظر تیری امت کو اس طرح آگاہ کیا۔ اے لوگو غفلت کی نیند سے جاگو۔ ظلمات کی تاریکیوں سے نکلو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا۔ اور روح کو بیدار کیا اور عظمت کو اپنی ردا قرار دیا اگر تم میں ایک صاف دل نیک طینت جماعت میرے ساتھ ہو جائے جس میں نفاق کی ملاوٹ نہ ہو تو میں بڑھ بڑھ کر جہاد کرونگا اور جوانب و اطراف کو تلواروں اور نیزوں سے

بھرپور کر دوں گا، گھوڑوں کی کثرت سے زمین کو تنگ
کر دوں گا۔ کچھ تو جواب دو خدا کے بندو! خدا تم پر رحم
کرے گویا کہ خاموشی کی لگام ان کے منہ میں تھی اور
میری آواز صدا الصحرا رہی۔ اس پر صرف بیس آدمی اٹھے
اور انہوں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ ہمارے نفس
اور ہماری تلواریں حاضر ہیں ہم آپ کے مطیع ہیں
اور ہمارے سر تسلیم آپ کے سامنے خم ہیں، پھر میں نے دائیں
اور بائیں دیکھا ان کے علاوہ کسی نے بھی لبیک نہ کہی
پس میں نے فیصلہ کر لیا کہ میرے لئے میرے نانا کا اسوۂ
حسنہ مشعل راہ ہے جس طرح انہوں نے ایک مدت
تک اللہ کی خفیہ عبادت کی حالانکہ ان کے پاس ۳۹
مسلمان تھے، جب خدا نے چالیس کی تعداد کو پورا
کر دیا تو علانیہ امر الٰہی کی تبلیغ کی اور کار رسالت کو
انجام دیا۔ نانا اگر میرے پاس مخلص مومنوں کی یہی
تعداد ہو جاتی تو میں ایسا ہی جہاد کرتا جیسا کہ جہاد
کرنے کا حق ہے۔

صلح حسن علیہ السلام

صلح کے ظاہری اسباب:۔ امام حسن علیہ السلام کے لیئے حالات ایسے رونما ہو چکے تھے کہ آپ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ورنہ اگر ایسے حالات بروئے کار نہ آتے تو آنحضرت صلح کرنے کے لئے تیار نہ تھے اب ہم اُن اسباب کو پیش کرتے ہیں جنکی وجہ سے امام حسن علیہ السلام نے صلح کی۔

۱۔ قلت انصار: ہم مفضل بن عمرو کی روایت بحار الانوار سے نقل کر چکے ہیں کہ آپ کے دعوت جہاد پر صرف بیس آدمیوں نے لبیک کہا اور باقی کے لبوں پر مہر سکوت لگی ہوئی تھی۔ اور ان بیس آدمیوں نے بھی جو نصرت کا وعدہ کیا وہ آنحضرت کی پہلی دعوت پر نہیں بلکہ حضور کے انتہائی ترغیب و تحریص و ترہیب سے متاثر ہو کر آمادگی کا اظہار کیا یہ حقیقت جناب سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کے اس خطبہ سے بھی واضح ہوتی ہے جسے آپ نے اس زمانے میں ارشاد فرمایا: جسے علامہ

مجلسی علیہ الرحمتہ نے اعلام دیلمی سے بحار الانوار میں نقل کیا ہے اس خطبہ میں جنابؑ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اب معاویہ مجھے ایسے امر کی دعوت دیتا ہے کہ جس
میں نہ عزت ہے اور نہ انصاف ہے اگر تمہیں زندگی
عزیز ہے تو معاویہ کی بات کو مان لیا جائے لیکن یاد
رکھو کہ یہ زندگی ذلت کی زندگی ہوگی اگر موت کے
سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے رستے
میں جان دینے سے نہ گھبراؤ۔ جہاد کے لئے تیار ہو
جاؤ تو میں اس کے لئے آمادہ ہوں

اس پر تمام حاضرین بیک زبان پکار اٹھے کہ ہمیں ذلت کی زندگی منظور ہے اس امر کی مزید وضاحت اس خط سے بھی ہوتی ہے جو جناب امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو لکھا ہے۔

اے معاویہ! خلافت میرا اور میرے اہل بیت کا
حق ہے تجھ پر اور تیری اہل بیت پر حرام ہے جیسا
کہ میں نے اپنے جد پاک سے سنا ہے اگر میرے
پاس چند ایسے آدمی ہوتے جو جہاد فی السبیل اللہ میں
صابر اور میری امت کے عارف ہوتے تو میں کبھی
تیرے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔

بحار الانوار

یہ بھی ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

"میرے جد پاکؐ کے پاس جب انصار کی کمی تھی تو انھوں نے خاموشی سے مکہ کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح میرے والد بزرگوار نے اور میں نے خاموشی اختیار کی جبکہ لوگوں نے اغیار کی بیعت کر کے ہمیں چھوڑ دیا۔" (بحار الانوار)

۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج میں منافقین بھی موجود تھے اور خوارج بھی ان کے علاوہ زر و دولت، جاگیر اور عہدہ ہائے جلیلہ کے فریب خوردہ انسان بھی موجود تھے اور ان کے عزائم مذمومہ سے امام حسن علیہ السلام اس قدر خائف تھے کہ نماز کے لئے بھی زرہ پہن کر تشریف لاتے تھے جیسا کہ ان امور کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان حالات میں اگر امام حسن علیہ السلام صلح نہ فرماتے تو سوائے قتل و گرفتاری کے اور کیا ہو سکتا تھا صلح نہ کرنے کی صورت میں بہت خطرات عظیم کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا مخلصوں کی جو جماعت ان کے ساتھ تھی سب ختم ہو جاتی۔

۱۔ صلح نہ کرنے کی صورت میں گورنر شام معاویہ کے رویہ استبداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا اور اس میں اس کی غلط کاریوں پر کسی کو اعتراض کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔

۲۔ خود قتل کر ڈالا کر مشہور کر دیا جاتا کہ امام حسن علیہ السلام کو ان کے شیعوں

نے قتل کر دیا اور یہ صورت حالات ایسی خطرناک تھی کہ قیامت تک اس کا دفعیہ مشکل تھا ایسی صورت واقعہ قتل پہ سے پردے پڑ جاتے اور حق و باطل میں تمیز نہ رہتی۔

۳۔ اس صورت میں یہ کہکر کہ ہم شیعان علیؑ کو قتل امام کے قصاص میں قتل کر رہے ہیں انہیں قتل کرنا شروع کر دیا جاتا اس طریق سے شیعہ ختم ہو جاتے اس طرح شیعوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا بھی موقعہ نہ ملتا چنانچہ امام حسن علیہ السلام نے زید بن وہب کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:-

وہ صلح کہ جس سے جان و مال واہل کی حفاظت ہو اس سے بہتر ہے کہ یہ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل بیت کو ضائع کر دیں۔ اگر میں جنگ کو جاری رکھوں تو یہ لوگ مجھے گرفتار کر کے حوالے کر دیں گے حالانکہ خدا کی قسم مجھے عزت کی موت ذلت کی زندگی سے محبوب تر ہے۔

شیعان علیؑ کی حفاظت جان کے لئے یہ روش اختیار کی گئی اسی لئے شرائط صلح میں شیعان علیؑ کا تحفظ بھی شامل تھا چنانچہ جب صحابی رسول حجر بن عدی نے اس صلح کے وجوہات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا:

اے حجر ہر شخص کی رائے تیری ہی طرح نہیں ہے میں

نے یہ سب کچھ تمہاری بقا کے لئے کیا ہے

(بحار الانوار)

۴۔ امام حسن علیہ السلام کو اس صلح میں امت اسلامیہ کی فلاح و بہبود ملحوظ تھی چنانچہ حضور نے خود ارشاد فرمایا۔

گو معاویہ مجھ سے حق چھیننا چاہتا ہے مگر میں نے امت کی اصلاح اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لئے صلح ہی کو مناسب سمجھا اور میں نے امن عامہ کو خونریزی پر ترجیح دی ہے۔ (بحار الانوار)

سلیمان بن صرد خزاعی نے جب اس صلح کے اسباب دریافت کئے تو اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا۔

اگر میری کوششیں دنیاوی اغراض، ذاتی خواہشات اور سلطنت ظاہری کے لئے ہوتیں تو یہ معاویہ نہ مجھ سے زیادہ دانا ہے اور نہ زیادہ چالاک ہے بلکہ جو مصالح و مفاسد میرے پیش نظر ہیں ان کو تم نہیں دیکھتے میں نے امت اسلامیہ کو خونریزی سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا ہے چنانچہ امن عامہ کی بحالی کو بھی شرائط صلح میں داخل کر دیا ہے۔

شرائطِ صلح

معاویہ کا اپنا اور نیز ان کے باپ کا تجربہ بتلا چکا تھا کہ بنی ہاشم کے خلاف تلوار اٹھانے کے نتائج کیا ہوتے ہیں اس لئے اس نے امام حسن علیہ السلام کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اس پیغام میں ایسی سیاسی چال مضمر تھی کہ اگر امام حسن علیہ السلام صلح نہ فرماتے تو حبِّ جاہ سے متہم ہوتے اور خونریزی کا الزام ان ہی کی ذات قدسی صفات پر عائد ہوتا شرائط صلح بھی کچھ برے نہ تھے بلکہ کسی حد تک مقصد کے مطابق تھے اس لئے امام حسن علیہ السلام نے صلح کر لی اس صلح نامہ کے مکمل شرائط کو علامہ ابن حجر مکی جیسے اہل سنت نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں جو انہوں نے شیعوں کے خلاف لکھی ہے اور ان کی عصبیت خود اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے لکھا ہے اگر ان شرائط کے علاوہ کوئی اور شرائط بھی ہوتے تو وہ ضرور لکھتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی مصالح کے ماتحت کچھ شرائط بعد میں اضافہ کئے گئے ہیں۔

۱. یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسول اور صحیح راستے پر چلنے والے خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل کرے گا۔

۲. یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ (باصطلاح اہل سنت) کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳. یہ کہ شام وعراق وحجاز ویمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی

۴. حضرت علیؓ کے اصحاب و شیعہ۔ جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔

۵ یہ کہ معاویہ حسنؑ بن علیؓ اور ان کے بھائی حسینؑ اور خاندان رسول میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ نہ خفیہ طریقہ پر نہ اعلانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا۔ ڈرایا۔ اور دہشت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاولی کو عمل میں آیا۔

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۸۱ مطبوعہ مصر)

اگر غور کیا جائے تو اس صلح کے ذریعہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے وہ مقصد حاصل کر لیا تھا جس کے لئے ان کی اپنے فریق مخالف سے منازعت تھی، اہل بیت علیہم السلام کی خاندانی روایات سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ حضرات ذاتی اغراض یا شخصی عناد کی وجہ سے کسی سے تصادم روا نہیں رکھتے تھے ان کی اگر کسی سے مخالفت تھی یا کسی سے لڑائی جھگڑا تھا تو اصول شریعت و مذہب کے لئے ہوتا تھا امام حسنؑ نے اس صلح نامہ کی پہلی شرط سے معاویہ کو پابند کر دیا تھا کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے۔ اس سے آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ اصول شریعت اور رہیں اور آئین حکومت اور ہے یہ وہ چیز ہے کہ جس کے لئے آل محمدؐ ہمیشہ کوشاں رہے کہ مبادا کبھی ایسا نہ ہو کہ مسلمان حکمرانوں کا طرز عمل عین شریعت سمجھ لیا جائے۔ دوسرے آپ نے اس صلح نامہ سے ثابت کر دیا بلکہ اپنے مخالف سے بھی تسلیم

کرالیا کہ اب تک معاویہ جس نہج پر شام میں حکومت کر رہا تھا وہ کتاب وسنت کے خلاف تھا اس سے ہر شخص واقف ہے کہ صلح نامہ کی بنیادی باتیں وہی ہوتی ہیں جو دونوں فریقوں میں محل نزاع و بنائے مخاصمت ہوں اگر حکومت شام کا سابقہ رویہ کتاب وسنت کے مطابق ہوتا تو اس شرط کی کون سی ضرورت تھی۔

اس کے بعد دوسری ضروری شرط یہ تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو نامزد کرنے کا حق نہیں ہوگا اس طرح آپ نے آئندہ زمانے کے لئے بھی تحفظ کتاب وسنت کا انتظام کر دیا۔ یہ ممکن تھا کہ اس معاہدہ کے بعد امیر شام اپنی بقیہ زندگی میں کتاب وسنت پر عمل پیرا رہتے لیکن بعد میں کوئی ایسا حکمران برسرِ اقتدار آجاتا جو کتاب وسنت کے خلاف عمل کرتا۔ اس لئے امام حسنؑ نے اس صلح سے آئندہ اپنے جانشین بنانے کا حق ہی معاویہ سے سلب کر لیا تھا

تیسری شرط تھی شام وعراق حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی اس شرط سے بھی یہ امر واضح ہو گیا کہ اس سے پہلے اموی حلقہ اقتدار میں لوگوں کو امن وامان حاصل نہیں تھا اگر حاصل ہوتا تو اس شرط کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

چوتھی شرط حضرت علی کے شیعہ جہاں بھی رہیں ان کے جان ومال ننگ وناموس محفوظ رہیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی حلقہ اقتدار میں علی کے شیعوں کا جان ومال ننگ وناموس محفوظ نہ تھی جناب مالک اشتر کو زہر سے شہید کر دیا گیا تھا حضرت محمدؓ بن ابی بکر کو موت کے گھاٹ اتار

کہ اس کی نعش سے خلاف انسانیت سلوک کیا گیا۔ یہ شرط اس لئے رکھی گئی کہ اموی حکمرانوں کو ایسے واقعات کو دہرانے کا موقعہ نہ ملے۔

پانچویں شرط تھی حسنؓ ابن علیؓ، ان کے بھائی حسینؓ ابن علیؓ اور خاندان رسول میں کسی کو بھی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ یہ شرط بتلا رہی ہے کہ اموی سلطنت ایسی ہی کوششوں میں سرگرم عمل تھی اور اس کے سد باب کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی۔

ان شرائط کے پیش ہونے پر اموی حکمرانوں کا خاموشی سے قبول کرنا بتلا رہا ہے کہ ایسا سب کچھ تھا ورنہ وہ کسی ایک شرط پر تو اعتراض کرتے کہ جب ایسا نہیں ہے تو پھر آپ یہ شرط کیوں کر رہے ہیں۔ بعض کتب تاریخ میں اس صلح نامہ میں بعض شرائط کا اضافہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے شرائط صلح کی تفصیلات میں مورخ متفق نہیں ہیں چنانچہ دینوری کے بیان کے مطابق شرائط صلح حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کسی عراقی کو پرانی عداوت کی بنا پر سزا نہ دی جائے اور بلا استثنا سب کو امان دی جائے۔

۲۔ داراب جرد کا خراج حضرت حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۳۔ امام حسین علیہ السلام کو دو لاکھ وظیفہ سالانہ دیا جائے۔

۴۔ وظائف میں بنی ہاشم دوسرے لوگوں پر مقدم رکھے جائیں۔ ان شرائط سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شرائط امام حسن علیہ السلام کی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لئے وضع کی گئیں ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سمجھنے

والے یہ سمجھیں کہ امام حسن علیہ السلام نے داراب کے خراج اور اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے دو لاکھ کے وظیفہ کے عوض اپنی سلطنت کو معاویہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور وہ طبقہ بندی میں اپنے خاندان کی مالی حیثیت کو بڑھانا چاہتے تھے اور انہیں دوسروں سے زیادہ وظائف دلانا چاہتے تھے۔

اگر ان شرائط میں کچھ حقیقت ہوتی تو صواعق محرقہ کا مؤلف انہیں ہرگز نظرانداز نہ کرتا۔ نیز جب انہیں درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ باتیں خاندان رسالت کی روایات کے منافی اور ان کے اپنے شعار کے برعکس ایجاد بندگان بنی امیہ معلوم ہوتی ہیں۔ حسنؑ اس باپ کے بیٹے تھے جنہوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں ایک پیسہ بھی اسلامی بیت المال سے نہ لیا۔ یہودیوں کے باغوں اور کھیتوں میں محنت مزدوری کر کے اپنی ضروریات زندگی کو مہیا کیا اور رعایا میں ہمیشہ مال و دولت مساوات سے تقسیم فرمائی چنانچہ یہ تقسیم بالسویہ ان کی وہ امتیازی صفت تھی جس کا اعتراف ان کے مخالفوں کو بھی اسی طرح ہے جس طرح ان کے دامن سے وابستہ شیعوں کو ہے وہ علیؑ جس نے اپنے حقیقی بھائی جناب عقیل کو بھی عام مسلمانوں سے زیادہ کچھ نہ دیا۔ امام حسنؑ اسی باپ کے بیٹے تھے وہ دنیا کی مال و دولت کے لئے ہرگز سلطنت نہ چھوڑتے بلکہ ان کی دست برداری مصالحت کیشی اور امن پسندی کے لئے تھی۔

ان روایات کے گھڑنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ اگر امام حسنؑ معاویہ کو جائز خلیفہ نہیں سمجھتے تھے تو معاویہ کے عطیے کیوں قبول فرمائیے؟ حالانکہ ان کا

تصرف جائز نہ تھا۔ اگر ان عطیات کو مان لیا جائے تو اوّل تو امام حسنؑ امام برحق تھے اس لئے منصوص واجب الاطاعت سلطان تھے معاویہ کا قبضہ غاصبانہ تھا اسے شرعاً تصرف کا کوئی حق نہ تھا امام حسنؑ اسے جائز مصرف پر خرچ کرنے کے لئے لیتے تھے دوسرے امام حسنؑ و امام حسینؑ اگر معاویہ سے مال وصول فرماتے تھے تو اپنی ذاتی ضروریات یا اپنے عیال کی ضروریات پر اتنا بھی خرچ نہیں کرتے تھے جو کچھ اپنے منہ سے اٹھا سکے گویا کہ جو کچھ معاویہ سے حاصل کرتے تھے وہ فقرا و مساکین پر تقسیم فرما دیتے تھے جیسا بحار الانوار وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے۔

بہر کیف یہ داراب جر کے خراج کی روایت اور یہ دو لاکھ کا افسانہ بنی امیہ کی اختراع ہے اگر یہ ذوات قدسیہ معاویہ سے کچھ حاصل کرتے تھے تو مساکین و فقرا میں تقسیم کرنے کے لئے تھا

طبری کی روایت ہے کہ شرائطِ صلح حسب ذیل تھیں

۱۔ کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ حضرت امام حسن کو دیا جائے۔

۲۔ داراب جر کا خراج آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۳۔ حضرت علی پر اس طرح برسرِ عام سب و شتم نہ کیا جائے۔ کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے کانوں تک پہنچے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ خراج وغیرہ کی روایات بنی امیہ کے زمانہ اقتدار کی اختراعات ہیں اگر آپ کسی طریق سے حکومت سے کچھ حاصل کر بھی لیتے تھے تو وہ مساکین و فقرا کے لئے تھا چنانچہ

سید عبدالقادر مرحوم و پروفیسر شجاع اپنی تاریخ میں قیام مدینہ کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:-

حکومت سے دست برداری کے بعد حضرت حسن علیہ السلام نے مدینہ منورہ کو اقامت کے لئے منتخب کیا آپ نے رمضان ۴۱ھ سے ربیع الاول ۴۱ھ تک کوئی چھ ماہ کے قریب امور خلافت (سلطنت) کو انجام دیا۔ مدینہ میں حضرت حسن کے اوقات عبادت، ریاضت اور تعلیم و تبلیغ میں بسر ہوتے تھے معاہدہ کے مطابق جو سالانہ وظیفہ آپ کو وصول ہوتا اس کا زیادہ حصہ بلکہ تمام کا تمام مسکینوں اور حاجت مندوں میں خرچ کر دیا جاتا تھا آپ کے دروازے ہر مفلوک الحال اور مصیبت زدہ پر کھلے رہتے تھے۔

(تاریخ اسلام صفحہ ۳۹۶ و صفحہ ۳۹۷)

اگر سب و شتم والی بات کے متعلق یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ معاہدہ میں شامل نہیں تھی تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ دور معاویہ میں ایسا ہوتا تھا۔

بعض کتابوں میں یہ شرط بھی ہے کہ معاویہ کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوں گے یہ شرط ایسی ہے جس کے ہونے کا قوی امکان ہے مگر اموی

اقتدار نے واقعات سے اس کی تصدیق نہیں کی اس لئے اب ان کا انکار کیا جاتا ہے۔

کیا امام حسین علیہ السلام اس صلح نامہ کے خلاف تھے؟

روایات صحیحہ سے امام حسین علیہ السلام کی مخالفت ثابت نہیں ہے بلکہ امام حسین علیہ السلام کی تصدیق ثابت ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرح امام حسین علیہ السلام اس صلح سے متفق تھے

۱۔ حضرات حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو جو صلح کے معاملہ میں اختلاف رکھتے تھے جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

آپ حضرات نے عزت کے بدلے ذلت کو خرید لیا کم حقوق حاصل کر کے بہت سے حقوق سے کنارہ کشی کر لی۔ اچھا اب آپ بذات خود آج ہماری بات مان لیجئے چاہے پھر کبھی نہ مانیئے گا۔ وہ یہ ہے کہ آپ امام حسن علیہ السلام کو اس صلح کے راستہ پر جو انہوں نے اختیار کیا ہے چھوڑ دیجئے لیکن آپ اپنے ساتھیوں کو جو کوفہ میں ہیں یا کوفہ سے باہر جمع کیجئے اور ہم دونوں آدمیوں کو مقدمۃ الجیش

کا افسر مقرر کیجئے پس امیر شام کو بھی خبر نہ ہوگی کہ
ہم اچانک تلواریں مارتے ہوئے نظر آئیں گے
امام حسین علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم
عہد کر چکے ہیں اور قول و قرار ہو چکا ہے اب عہد
شکنی ممکن نہیں،

۲۔ علی بن محمد بن بشیر ہمدانی بھی اس جماعت میں شامل ہیں جو صلح پر معترض تھی ان کا بیان ہے کہ میں سفیان بن ابی لیلیٰ کی معیت میں مدینہ پہنچا اور ہم امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے آپ کے پاس اس وقت مسیب بن نجبہ عبداللہ بن دواک تمیمی اور خراج بن مالک خثعمی موجود تھے میں نے کہا السلام علیک یا مذل المومنین، سلام ہو آپ پر اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے آپ نے فرمایا علیک السلام، بیٹھو میں مومنین کی ذلت کا باعث نہیں ہوں، میں نے تو ان کی عزت رکھی اور ان کو خونریزی سے بچالیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اب جنگ کا جوش و ولولہ باقی نہیں ہے اور کمزوری نمایاں ہو چکی ہے میں دیکھ رہا تھا کہ اگر جنگ جاری رکھی گئی تب بھی ایک دن یہی ہونا ہے کہ معاویہ کی بادشاہت قائم ہو جائے۔" اب یہ لوگ امام حسن علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام حسن علیہ السلام کی پوری گفتگو بیان کی۔ آپ نے فرمایا ابو محمد

(امام حسنؑ) نے سچ فرمایا تمہیں لازم ہے کہ تم میں سے ہر شخص خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ جائے اور بیٹھا رہے اس وقت تک کہ جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے (الاخبار الطوال مؤلفہ ابو حلیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ صہ ۲۲۲) (مطبوعہ مصر ۱۳۳۰ھ)

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ معاہدہ کی پابندی نہیں ہو گی آپ سمجھتے تھے کہ یہ معاہدہ موت کی آخری ہچکی اس وقت لے گا جب معاویہ دنیا سے جانے لگے گا اور اپنے بعد جانشین نامزد کر جائے گا وہ وقت ہو گا جب ہماری جانب سے کوئی دوسرا اقدام کیا جائے آئندہ چل کر آپ کو اس انسان کے تدبر کی داد دینا پڑے گی جس نے بیس برس پہلے ۴۱ھ کے آئینہ میں ۶۰ھ کی تصویر اپنی آنکھ سے دیکھ لی، حسینؑ کی پیش بینی آئندہ چلکر حرف بحرف پوری اتری اس معاہدہ کے بعد سلطنت امویہ کو اس قدر استحکام حاصل ہوا کہ ان کے رستہ میں جس قدر روکاوٹیں تھیں سب دور ہو گئیں تو ان کے حوصلہ بڑھ گئے۔ اب ان کے طنطنہ حکومت کا یہ عالم کہ انہیں اپنے محسن اعظم ولی نعمت حضرت عمر ابن الخطاب کی جن کی بدولت انہیں شام کی گورنری نصیب ہوئی شخصیت کا بھی انکار تھا۔ اور ان سے مقابلہ کا دعوے تھا، اس واقعہ کا ثبوت صحیح بخاری کتاب المغازی اور شرح علامہ قسطلانی میں ملتا ہے عکرمہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں اپنی بہن ام المومنین حفصہ کے پاس گیا۔ اس وقت غسل سے فارغ ہو کر اپنے بال درست

کررہی تھیں میں نے ان سے کہا آپ نے لوگوں کی حالت دیکھی ؟ امر خلافت کے لئے کیا کر رہے اور ہمارا ذکر بھی نہیں کیا جاتا شارح بخاری لکھتے ہیں کہ یہ اسوقت کا واقعہ ہے جب معاویہ کے لئے بیعت ہو چکی تھی) حضرت حفصہ نے بھائی سے کہا کہ تم لوگوں سے جاکر ملو، وہ تمہارے منتظر ہوں گے، اور تمہارے نہ ملنے سے تفرقہ کا اندیشہ ہے۔ یہ خبر شاید امیر معاویہ کو بھی پہنچ گئی انہوں نے عبداللہ بن عمر کی موجودگی میں خطبہ پڑھا اور کہا "جو شخص میری خلافت کے بارے میں کچھ کلام کرتا ہو وہ ذرا اپنی صورت تو دکھلائے ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس منصب کے حقدار ہیں۔

یہ تھا حضرت عبداللہ ابن عمر پر طنز جس میں حضرت عمر پر مخفی حملہ تھا۔ حبیب ابن مسلمہ نے بعد میں عبداللہ بن عمر سے کہا کہ آپ نے جواب نہ دیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ میں نے جواب دینا چاہا تھا۔ کہ اس خلافت کا تم سے زیادہ حقدار وہی تھا جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے جنگ کی تھی یعنی حضرت علیؑ مگر تم نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میرے اس جواب سے ہنگامہ پیدا ہو جائے گا اور خونریزی کی نوبت آئے گی اس لئے میں نے صبر سے کام لیا۔ اور خاموشی اختیار کی۔

صلح کے بعد:- اس استحکام سلطنت کے حاصل ہونے کے بعد شرائط صلح سے منحرف ہونے کے لئے پھر کسی احتیاط کی ضرورت نہ تھی چنانچہ امیر معاویہ نے ان شرائط میں سے کسی شرط کو بھی پورا نہیں کیا۔

لم یعف معاویہ بشئ مما عاہد علیہ (تاریخ کامل ابن اثیر) معاویہ نے جو جو شرائط معاہدہ کی تھیں ان میں سے کسی عہد پر بھی وفا نہ کی تاریخ الخلفاء، تاریخ طبری، تاریخ مسعودی، تاریخ اعثم کوفی، روضۃ الصفا، روضۃ المنظر ریاض النضرۃ، کنز العمال، اور تذکرہ خواص الامہ تمام کتابوں میں ہے کہ معاویہ نے ان شرطوں میں سے کسی شرط پر بھی وفا نہیں کی۔

صلح کے بعد معاویہ نے کوفہ میں وارد ہوتے ہی یہ خطبہ پڑھا۔

میں نے تم سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ تم نماز، روزہ اور حج کے فرائض کو ادا کرو۔ کیونکہ ان چیزوں کے تم پہلے سے پابند ہو میں تو صرف تمہارے اوپر حکومت کرنے کے لئے تم سے لڑا ہوں۔ اب حکومت مجھے حاصل ہو چکی ہے خواہ تم اسے نہ چاہو آگاہ ہو کہ میں نے حسنؑ کے ساتھ چند شرائط کی ہیں اب وہ تمام میرے قدموں کے نیچے ہیں کسی ایک سے بھی وفا نہیں کروں گا۔

(الدمعۃ الساکبہ، بحار الانوار)

اس صلح نامہ کے شرائط طے ہونے کے بعد معاویہ اور امام حسنؑ کوفہ کے قریب انبار میں جمع ہوئے اور وہیں اس عہد نامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں مگر معاویہ نے ان شرطوں میں سے کسی کو بھی کبھی پورا نہ کیا۔ یہ عہد نامہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو لکھا گیا اس کے بعد معاویہ نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اس سال کا نام سنۃ الجماعہ رکھا گیا اس

کے بعد معاویہ نے عمرو عاص کی تحریک پر حضرت امام حسنؑ کو خطبہ ارشاد فرمانے پر مجبور کیا چنانچہ آنحضرت نے منبر پر جاکر ارشاد فرمایا:۔

اے لوگو! خدا تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت فرمائی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا معاویہ نے اس امر پر مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اس سے زیادہ مستحق ہوں. لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی وجہ سے اس امر کا ترک کردینا بہتر سمجھا تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نااہل کو دیدی اور اس کے حق کو بے موقعہ رکھدیا میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے یہاں تک فرمانا پائے تھے کہ معاویہ نے کہا بس اے حضرت زیادہ کی ضرورت نہیں

تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۳۲۵

حضرت کے اس خطبے کے بعد معاویہ منبر پر گیا اور خطبہ میں کہا الحمد

الحمد للہ آج تمام امور کا انتظام ہوگیا ہے بہت سے تردد و پریشانی کے بعد حق اپنی جگہ پر آکر ٹھہرا ہے میں نے اس معاملہ کی ابتدا میں جو شرطیں کی ہیں وہ محض باہمی ملاپ اور امت کے ایک زبان ہونے کے لئے تھیں اب خدا بیاں جاتی رہیں ہمارا

کہنا منظور خلائق ہو گیا اس لئے تمام شرطیں جو میں نے کی تھیں رد کردی ہیں اپنے وعدہ کا مجھے اختیار ہے پورا کروں یا نہ کروں اب کسی کو مجال نہیں کہ میری مخالفت کرے سب پر میری اطاعت و فرماں برداری لازم ہے اس کی یہ باتیں سنکر سب لوگ برہم ہوگئے۔ اسے . . . دین اور مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے معاویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو پر پشیمان ہوا۔ اس کی یہ باتیں سنکر لوگوں نے خدمت اقدس امام حسن علیہ السلام میں عرض کیا کہ جب معاویہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا تو آپ بھی اس صلح سے انکار کر دیجئے آپ نے فرمایا مجھے اپنے قول سے پھرنا مناسب نہیں۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور صبر سے کام لو۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام مع امام حسین علیہ السلام و حضرت عبداللہ ابن جعفر اپنے اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں رہنے لگے معاویہ سال میں کچھ مال آپکے پاس بھیج دیتا اور حضرت اسے لے کر غربا و مساکین میں خیرات کر دیتے

(تاریخ الائمہ صفحہ ۳۳۴ و صفحہ ۳۳۵)

مگر معاویہ نے ان شرائط میں سے کسی شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ مسلمانوں

کی تاریخ کا مکمل ریکارڈ شاہد ہے تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے ولم یعف معاویہ بشیئ مما عاہد علیہ۔ معاویہ نے جو شرائط معاہدہ کی تھیں ان میں سے کسی عہد پر بھی وفا نہ کی۔

پہلی شرط یہ تھی کہ معاویہ کتاب خدا و سنت رسول پر عمل کرے گا۔

۱. معاویہ نے زیاد بن سمیہؓ کو اپنے باپ کا فرزند بنا کر اپنا بھائی قرار دیا حالانکہ اسلام میں ناجائز فرزند کو نسب میں شریک نہیں کیا جاتا اس سے مسلمانوں میں بالخصوص صحابہ میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی۔

۲. حتات بن زید بن علقمی تمیمی دارمی اور معاویہ بن ابی سفیان میں رسول اللہ نے عقد مواخاۃ قائم کیا یعنی بھائی بنایا تھا جیسے حضرت حمزہ کو حضرت زید بن حارثہ کا۔ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا حضرت عثمان کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کا حضرت طلحہ کو حضرت زبیر کا اور جناب امیر علیہ السلام کو خود اپنا بھائی قرار دیا تھا۔ شریعت اسلام میں مواخات سے نسبی احکام جاری نہیں ہوتے اور ایک کی دوسرے کو میراث نہیں ملتی۔ حتات معاویہ کے پاس دمشق آئے ہوئے تھے ان کا وہیں انتقال ہو گیا تو معاویہ نے ان کے میراث پر قبضہ کر لیا اور یہ کہا کہ یہ میرا بھائی تھا اس پر مسلمانوں میں شور ہوا یہاں تک کہ فرزدق نے اس بارے میں اشعار بھی کہے۔

ابوک وعمی یا معاوی اورثا

تراث فیحتاز التراث اقاربہ

فما بال میراث الحتات اکلته
و میراث ضبحر جامد لک ذائبه
ولو کان هذا الامر فی جاهلیته
علمت من المرء القلیل خلائبه
ولو کان فی دین سوی ذا ننتم لنا حقنا او دغص بالما کمشاربه

اے معاویہ میرے باپ اور تمہارے چچا نے میراث
چھوڑی تو اصول یہی رہا کہ میراث قرابتداروں کو
دی جائے پھر کیا بات ہے کہ حتات کی میراث
تو تم نے نوش جان فرما لی اور ابو سفیان کی میراث
بھی تمہاری ہی ملکیت قرار پائی پس یہ معاملہ اگر
دورِ جاہلیت کی رسم میں داخل ہے تو ہمیں اس کا
علم ہونا چاہیئے اور اگر اس کے علاوہ کسی اور دین
میں ہے جس کی تم نے ایجاد کی ہے تو ہمیں بھی ہمارا
حق ملنا چاہیئے نہیں تو یہ تمہیں ہضم نہیں ہو سکتا۔

اسد الغابہ جلد ا صـ۳۷۹

تاریخ نہیں بتاتی کہ معاویہ نے اس مال کو کبھی واپس کیا ہو یا حتات
کے ورثہ کو اس کا معاوضہ دیا گیا ہو۔

۳۔ معاویہ نے زکوٰۃ فطرہ کے متعلق کہا ہماری رائے میں زکوٰۃ فطرہ
شام کے گیہوں دو مد ہیں حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا یہ معاویہ

کی مقرر کردہ مقدار ہے ہم نہ اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی اسے قبول کرتے ہیں ہم عہد رسول اللہ میں ہر چھوٹے بڑے اور غلام و آزاد کی طرف سے زکوٰۃ فطرہ ایک صاع گندم ایک صاع پنیر یا جو یا کھجور یا زبیب اس طرح نکالتے رہے حتّٰی کہ جب معاویہ حج کے لئے آیا تو اس نے کہا ہماری رائے میں دو مد گندم شام زکوٰۃ فطرہ ہے، ابو سعید خدری کا قول تھا کہ میں جب تک زندہ ہوں کبھی معاویہ کے اس کہنے کے مطابق عمل نہ کروں گا ابن زبیر نے معاویہ کی اس رائے کو سنکر کہا

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيمَانِ

یعنی ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت برا ہے

مقدار زکوٰۃ فطرہ تو بس صاع ہی ہے۔

دراسات اللبیب ص۲۲

۴۔ معاویہ کو ایک معمر شخص سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا جو گذشتہ زمانے کے حالات بیان کرے، لوگوں نے کہا حضرموت میں ایک شخص ہے جس کی تین سو برس کی عمر ہے، معاویہ نے اس کے پاس آدمی بھیج کر اسے بلوایا جب وہ آیا تو پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے کہا امد بن ابد معاویہ نے اس سے حضرت عبد المطلب و امیہ کے حالات پوچھے پھر کہا تم نے محمد کو بھی دیکھا ہے؟۔

اسے ایک مسلمان کی زبان سے حضرت کا نام نامی اس طرح سنکر

حیرت ہوئی اور اس نے کہا وَمَنْ مُحَمَّدٌ یعنی محمد کون؟
معاویہ نے کہا وہی رسول اللہؐ
اس نے کہا پھر تم نے پہلے ہی ان کا نام اس شان کے ساتھ کیوں نہ لیا جس کا خدا نے انہیں مستحق قرار دیا ہے کیوں نہیں کہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسد الغابہ ابن اثیر جزری)

۵۔ ایک روز معاویہ کے دربار میں ابن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہو رہا تھا تو بنیامین یہودی نے کہا کہ ابن اشرف کے ساتھ غداری کی گئی اور اس کو فریب سے قتل کیا گیا۔ امیر معاویہ سنتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے اس حالت میں محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے معاویہ تمہارے روبرو رسول اللہؐ کی توہین کی جا رہی ہے، دغا کا الزام لگایا جاتا ہے اور تم سن رہے ہو؟ (صارم مسلول ابن تیمیہ) نصائح کافیہ صہ ۹۱)

۶۔ ایک روز ابوذر انصاری غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں آئے سبب دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم ان لوگوں میں کوئی امر بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں پاتے سوائے اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔

امام مالک نے روایت کی ہے کہ جو باتیں ہم پہلے پاتے تھے ان میں سے ایک بات بھی اب ہم نہیں دیکھتے بجز اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں اور زہری بیان کرتے ہیں کہ ہم انس بن مالک کے پاس

دمشق میں گئے تو ہم نے انس کو روتا پایا، سبب پوچھا تو انس نے کہا کہ جو باتیں ہم رسول اللہ کے زمانے میں پاتے تھے اب ان میں سے ایک بات بھی نہیں دیکھتے سب مفقود ہیں مگر یہ نماز رہ گئی ہے سو وہ بھی ضائع کر دی گئی۔ (بخاری جلد ا صـ ۳۹۵ (اغاثۃ اللنعان العلامہ ابن القیم صـ ۱۰۸)

۷۔ عرفہ کے روز حج میں تلبیہ کہنا لبیک اللّٰھمّ لبیک لا شریک لک لبیک۔ (میں حاضر ہوں اے معبود! میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں) ضروری اور لازمی شعائر حج میں سے ہے رسول کریم اور صحابہ کبار برابر کہتے چلے آئے مگر اس نیک کام کو معاویہ صاحب ترک کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے عرفہ کے روز سعید سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سنکر ابن عباس خیمہ سے نکلے اور پکارے لبیک اللّٰھمّ لبیک اور کہا کہ اگرچہ معاویہ کے علی الرغم ہو۔

۸ حضرت علی علیہ السلام نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے کہنے پر زور دیتے تھے اس لئے جب بنو امیہّ کو اختیار حاصل ہوا تو انہوں نے بلند آواز سے بسم اللہ کہنے کی ممانعت پر زور دیا صرف اس کوشش میں کہ حضرت علی کے آثار باقی نہ رہیں۔ تفسیر کبیر جلد ا صـ ۱۰۶

۹۔ مشہور مؤرخ محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ میں ۶۰ھ کے واقعات

کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عمرو بن عاص اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ امیر معاویہ کے پاس دمشق میں باریابی کے لئے آئے یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو بن عاص معاویہ سے کچھ برسرپرخاش تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اسے خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا۔ اس کی وجہ سے تمہاری ہیبت اس کے دل پر قائم ہو جائے گی۔ معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنی ذہانت سے عمرو عاص کی اس سازش کو تاڑ گیا اور دربانوں سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ نابغہ کے لڑکے (عمرو عاص) نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہو گا۔ لہٰذا تم خیال رکھو کہ جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہاں تک کہ ان میں سے ہر شخص کو یقین ہو جائے کہ ان کی جان کی خیر نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجا لایا کہ السلام علیک یا رسول اللہ بس پھر کیا تھا سب نے اس کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہکر سلام کیا (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مصر)

۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ ہے اوائل کے نام سے جس میں انہوں نے تمام وہ باتیں درج کی ہیں جنہیں امیر معاویہ نے ایجاد

کیا اور وہ پہلے خلفا کی سیرت سے علیحدہ تھیں منجملہ اس کے لکھا ہے کہ معاویہ وہ اول شخص ہیں جنہوں نے نبیذ یعنی جو کی شراب پی۔ اور گانا سنا جنہوں نے مٹی کھائی اور مٹی کھانا مباح قرار دیا۔

۱۱۔ امام احمد نے عبداللہ بن بریدہ کے واسطہ سے روایت کی ہے عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم اپنے باپ بریدہ کے ہمراہ معاویہ کے پاس گئے معاویہ نے ہم لوگوں کو فرش پر بٹھایا پھر کھانا آیا ہم سب نے کھایا پھر شراب آئی معاویہ نے خود پی اور میرے باپ کو بھی دی میرے باپ نے کہا جس دن سے رسول اللہ نے اسے حرام کیا ہے ہم نے نہیں پی

(مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۴۷)

۱۲۔ علامہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ جلد ۷ صفحہ ۲۱۱ میں روایت کی ہے عبادہ بن صامت صحابی رسول شام میں تھے ان کی طرف سے اونٹوں کی قطار گزری عبادہ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ زیتون تو نہیں لوگوں نے کہا نہیں بلکہ شراب ہے جو دوسروں کے ہاتھ بیچی جاتی ہے عبادہ نے ایک چھری لیکر ہر مشک چاک کر دی ابو ہریرہ بھی شام میں تھے معاویہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ عبادہ کو روکتے نہیں وہ ہر صبح بازار میں پہنچ جاتے ہیں اور ذمی تاجروں کی دوکانداری غارت کر دیتے ہیں اور ہر شام مسجد میں بیٹھتے ہیں اور سوائے ہمیں برا بھلا کہنے کے اور عیب لگانے کے کوئی دوسرا کام نہیں کرتے ابو ہریرہ نے عبادہ سے کہا تمہیں معاویہ سے کیا سروکار جو کرتے ہیں کرنے دو خداوند عالم

فرماتا ہے

تلك امة قد خلت لها ما كسبت و لكم

ما كسبتم

یہ گروہ ہے جو گزر گیا اس کے لئے ہے جو اس نے

کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا۔

عبادہ نے جواب دیا ابوہریرہ تم ہمارے ساتھ اس وقت نہیں تھے جبکہ ہم نے رسول اللہ کی بیعت کی تھی۔ ہم نے ان باتوں پر بیعت کی تھی کہ رسول اللہ کا حکم سنیں گے۔ ہر حال میں اطاعت کریں گے اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کریں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے خدا کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

۱۳۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے عبدالرحمن بن سہیل انصاری عہد اموی میں شام میں تھے کہ شراب کے مشکیزے ان کی طرف سے گزرے جو معاویہ کے لئے جا رہے تھے وہ اپنا نیزہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہر مشک پھاڑ ڈالی۔ غلاموں نے عبدالرحمن انصاری کو پکڑ لیا جب معاویہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو کہا انہیں چھوڑ دو وہ بوڑھے ہیں ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی لیکن رسول اللہ نے ہمیں منع کیا ہے کہ نہ ہمارے شکموں میں شراب داخل ہو نہ ہمارے مشکیزوں میں میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں

زندہ رہا اور میں نے معاویہ میں وہ باتیں دیکھیں جنہیں میں رسول اللہ سے سن چکا ہوں تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۹۲، استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

دوسری شرط یہ تھی کہ امیر معاویہ کو اپنے بعد کسی کو نامزد کرنے کا حق نہیں ہوگا چنانچہ اس نے اپنے شرابخوار، فاسق و فاجر بیٹے یزید کو نامزد کیا۔

تیسری شرط یہ تھی کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔ زیاد بن سمیہ کے حکومت کے واقعات پڑھیئے وہ پہلے بصرہ کا گورنر ہوا اس نے وہاں نہایت سختی سے حکومت کی مغیرہ کے انتقال کے بعد اسے کوفہ کی گورنری بھی دے دی گئی اس کا زمانہ انتہائی دہشت وہراس کا زمانہ تھا۔ جس پر ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ خاندان رسالت کی طرف میلان رکھتا ہے اسے قتل کروا دیتا تھا اور اکثر لوگوں کی آنکھیں نکلوا لیتا تھا آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیتا تھا۔ زیاد کا اسسٹنٹ سمرہ بن جندب مقرر ہوا تھا اس کے ہاتھوں بصرہ اور کوفہ میں آٹھ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔ ابو سواد کا بیان ہے سمرہ بن جندب نے ایک دن میں میری قوم کے ۴۷ آدمی ایسے قتل کئے جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔

(طبری جلد ۶۔ صفحہ ۱۳۲، کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

چوتھی شرط یہ تھی کہ حضرت علی کے اصحاب اور شیعوں کے جان و مال ننگ و ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے

اس شرط پر قطعاً عمل نہیں ہوا۔

حجر بن عدی اور ان کے ساتھی شام میں بلوا کر قتل کر دیئے گئے

حالانکہ وہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اپنے معاہدہ پر قائم ہیں مگر ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ محب اہل بیت تھے اس لئے ان کے واسطے ظلم میں گنجائش تھی نہ رحم و کرم ان پر نگاہ ڈالنے کی اجازت دیتا تھا۔

حجر بن عدی رسول اللہ کے صحابی ہیں مگر زیادہ زمانہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے ساتھ گزرا

بقول علامہ ابن اثیر آپ "حجر الخیر" کے نام سے مشہور رہے۔

حجر کا بلند درجہ:۔ حضرت حجر کا خدا کے ہاں اس قدر بلند مقام تھا کہ جب اموی سلطنت کے اہلکار آپ کو قید کر کے لئے جا رہے تھے تو ایک مقام پر آپ کو احتلام ہو گیا غسل جنابت کے لئے معاویہ والوں سے پانی مانگا۔ انہوں نے نہیں دیا تو آپ اپنے معبود سے مصروف مناجات ہوئے اللہ سے دعا کی فوراً ابر امڈ آیا اور اتنا برسا کہ آپ نے غسل فرما لیا (اصابہ جلد ا صفحہ ۳۲۹)

فصاحت کلام:۔ اموی پارٹی کے آدمیوں میں سے ایک نے آپ سے کہا کہ سرکار ولایت امیر المومنین علی ابن ابی طالب پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرو (معاذ اللہ) انہوں نے مظاہرۂ فصاحت فرمایا۔ ان امیر الو فد امرنی ان العن علیاً فالعنوہ لعنہ اللہ

یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ علی پر . . . . . کروں پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے۔

عشق علی:۔ زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے جب بلایا اور آپ سے کہا کہ علی کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا ان کی تعریف کرتا ہوں اس نے لوگوں سے کہا انہیں مارو، سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے پھر چھوڑ کر بولا اب کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اگر تو استرے سے میری بوٹی بوٹی بھی کروا ڈالے تب بھی حضرت کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا جو زبان رسالت سے ان کے فضائل و مناقب میں نے سنتے ہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۱۸۹)

جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب معلوم ہوا کہ کل قتل کئے جائیں گے تو شب بھر عبادت خدا میں مصروف رہے دوسرے دن جب قتل ہونے لگے تو اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلی تلوار لگائی تو پھر کہا اب بھی علی سے برأت کرو چھوڑ دیئے جاؤ گے آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا آخر قتل کر دیئے گئے (کامل جلد ۳ صہ ۱۲۲)

ان کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے جو دمشق سے صرف دو فرسخ ادھر ہے یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صہ ۲۶)

حضرت حجر کی دلخراش تعزیت:۔ جب ام المومنین بی بی عائشہ کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے

متعلق زیاد کی مخبری اور ان کی گرفتاری کی خبر ملی تو عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو حسب ذیل پیغام کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیجا اور معاویہ کو ان کے ذریعے سے حسب ذیل مختصر مگر بامعنی پیغام دیا،

اللہ اللہ فی حجر واصحابہ

کہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرنا مگر افسوس ہے کہ عبدالرحمٰن اس وقت پہنچے جب حجر اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو چکے تھے۔ عبدالرحمٰن نے معاویہ سے کہا آپ نے انہیں جیل خانے میں ہی ڈال دیا ہوتا اور وبائے طاعون سے ہلاک ہو نے دیا ہوتا معاویہ نے طنزیہ طور پر جواب دیا کہ تمہارے جیسا کوئی مشورہ دینے والا موجود نہ تھا، عبدالرحمن نے کہا اب بخدا عرب میں نہ تو آپ کے حلم کا کوئی ذکر ہو گا اور نہ ہی آپ کی اصابت رائے قابل تسلیم رہی آپ نے ایسے آدمیوں کو قتل کیا جن کو قید کر کے آپ کے پاس بھیجا گیا اور وہ مسلمان تھے۔

شہادت حجر کے تاثرات:۔

ام المومنین بی بی عائشہ کو جب قتل حضرت حجر کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا،

> اگر معاویہ کو احساس ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرأت و ہمت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کر اکے شام بلوانے اور قتل کرنے کی جرأت

نہ کرتے لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ
آدمی فنا ہو چکے ہیں ۔

جب معاویہ مدینہ رسول میں آیا اور حضرت عائشہ کے پاس سلام کے لئے حاضر ہوا تو سب سے پہلی بات جو ام المومنین نے پیش کی وہ حضرت حجر کا معاملہ تھا اور اس گفتگو میں یہاں تک طول ہوا کہ معاویہ نے کہا تو اچھا پھر چھوڑ دیجیئے مجھے اور حجر کو خدا کے یہاں دیکھا جائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر بازار میں تشریف رکھتے تھے آپ کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو آپ بے چین ہو گئے بیٹھ نہ سکے کھڑے ہو کر چیخیں مار مار کر رونے لگے ۔

حضرت حسن بصری کے متعلق مذکور ہے کہ ان کے سامنے حضرت حجر کے قتل کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے کہا وائے ہو اس پر جس نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔

حضرت ربیع ابن زیاد حارثی جو معاویہ کی طرف سے خراسان کے گورنر تھے انہیں جب حجر بن عدی کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر ربیع کے لئے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح قبض فرمائے ابھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے کہ ان کی روح نے جسم سے جدائی اختیار کی

معاویہ کی پشیمانی :۔ طبری نے لکھا ہے کہ عام طور پر

مشہور ہے کہ جب معاویہ کا وقت وفات قریب پہنچا تو کہا حجر بن عدی کے قتل سے مجھے طویل روز گار کا سامنا ہے۔ طبری جلد ۶ ص ۱۵۶

امام حسین علیہ السلام ان واقعات پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے آپ نے معاویہ صاحب کو خط لکھا اور ایک ایک کر کے امیر شام کی جو خلاف ورزیاں معاہدہ کے متعلق تھیں وہ گنوائیں اور خصوصیت کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہم کے قتل کو آپ نے مؤثر الفاظ میں پیش کیا اور اس پر سخت احتجاج فرمایا۔" (اخبار الطوال ص ۲۲۶)

عمرو بن الحمق الخزاعی ایک بزرگ تھے جن کو سرکار رسالت نے سلام کہلوایا تھا اس لئے بہت بلند مرتبہ انسان سمجھے جاتے تھے ان کی گرفتاری کا حکم ہوا اور آخر میں ان کا سر تن سے جدا کیا گیا اور تاریخ کی تصریح کے مطابق سب سے پہلا سر جو اسلام میں نیزہ کی نوک پر بلند کیا گیا وہ ان کا سر تھا

پانچویں شرط یہ تھی کہ معاویہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ یا کسی کو بھی خاندان رسول میں سے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا نہ خفیہ طور پر نہ اعلانیہ اور کسی کو کسی جگہ ڈرایا دھمکایا اور دہشت میں مبتلا نہ کیا جائے گا اس شرط کی خلاف ورزی کا اظہار کرنا بڑی ذمہ داری مول لینا ہے اور خفیہ ریشہ دوانیوں کا ثبوت بہم پہنچانا ہے بہر حال یہ تو تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے اور یہ بات مؤرخین لکھ دیتے ہیں کہ یہ زہر دمشق سے بھیجا گیا تھا اختلاف بس اتنا ہے کہ یہ یزید نے بطور خود

روانہ کیا تھا یا معاویہ صاحب کے ایما سے تھا۔

خلافت اور معاویہ:۔ معاہدہ جنگ بندی سے امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو خلافت سپرد نہیں کی اور نہ ہی اس کی خلافت کو تسلیم کیا جیسا کہ امام حسن علیہ السلام کے خط سے جو انہوں نے معاویہ کو لکھا ہے ظاہر ہے آپ نے اس خط میں لکھا تھا۔

"اے معاویہ خلافت میرا اور میرے اہل بیت کا حق ہے تجھ پر اور تیرے اہل بیت پر حرام ہے جیسا کہ میں نے اپنے جدّ پاکؐ سے سنا ہے۔

جسے امام حسن علیہ السلام حرام سمجھتے تھے اور بقول رسول حرام سمجھتے تھے اسے وہ کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔

شیعی نکتۂ نگاہ سے تو معاویہ کی خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سنی نکتہ نگاہ سے بھی وہ خلیفہ نہیں تھے جیسا کہ مستند احادیث سے ظاہر ہے یہ احادیث ایسی ہے جن کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقالہ مسئلہ خلافت میں لکھا ہے:۔

اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں، وہ کثرت طرق شہرت متن، قبول طبقات کی بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں، (مسئلۂ خلافت صہ۱)

احادیث نبویہ بطرق اہل تسنن

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ مُلْكٌ

بَعْدَ ذٰلِكَ: اخرجہ اصحاب السنن
خلافت میرے بعد تیس سال ہے اس کے بعد بادشاہ ہیں۔

حدیث ابوہریرہ:
اَلْخِلَافَةُ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْمُلْكُ بِالشَّامِ
خلافت تو مدینہ میں اور بادشاہت شام میں

ایک حدیث میں ہے
ثم یکون ملک عضوض
اس کے بعد درندے بادشاہ ہونگے

(مسئلہ خلافت)

جلال الدین سیوطی ابن ابی شیبہ کے مصنف سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ ہم نے سفینہ سے پوچھا کہ بنی امیہ اپنے آپ کو خلفا میں شمار کرتے ہیں وہ کہنے لگے بنو زرقا جھوٹے ہیں یہ سخت ترین بادشاہوں میں سے تھے جن میں پہلا بادشاہ معاویہ تھا (تاریخ الخلفاء)

فخر الاسلام حسن بزدوی لکھتے ہیں کہ معاویہ خلفا میں نہیں تھے ملوک کے زمرہ میں تھے اس حدیث کی بنا پر آنحضرت نے فرمایا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی پھر ایک درندہ بادشاہ ہوگا۔ ۳۰ برس جناب امیرؑ و حضرت امام حسنؑ پر ختم ہو گئے سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں کہ علما کا یہی قول ہے (اموی دور خلافت ص ۴۰۸ و ص ۴۰۹)

معاویہ کے حکومت پر تسلّط حاصل کر لینے کے بعد سعد بن ابی وقاص ان کے پاس آئے اور سلام کرتے ہوئے کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الْمَلِکُ

اے بادشاہ تم پر سلام ہو معاویہ ہنسے اور کہا ابو اسحق اگر امیر المومنین کہکر سلام کرتے تو تمہارا کیا نقصان تھا۔ سعد نے جواب دیا یہ بات تم خوش ہو کر اور ہنس کر کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم یہ چیز کہ جس کے تم مالک ہو میں اس کا مالک ہوتا کبھی گوارا نہ کرتا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۱۶۳ نصائح کافیہ صہ ۱۵۸)

حضرت ابو ہریرہ نے معاویہ کی خلافت کا انکار کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی تھی۔

خلافت مدینہ میں ہو گی اور بادشاہت شام میں

(ابن کثیر جلد ۶ صہ ۲۲۱)

معاویہ نے صعصعہ بن صوحان عبدی سے دریافت کیا تم لوگوں نے مجھے کیسا خلیفہ دیکھا؟

صعصعہ نے جواب میں کہا ایسا شخص کیسے خلیفہ ہو سکتا ہے جو تشدّد سے لوگوں کا مالک بن بیٹھے اور انہیں غلام بنائے اور غلط باتوں سے فریب و کذب سے حاکم بن جائے خدا کی قسم بدر کے دن نہ تو تم نے تلوار اٹھائی نہ تیر چلایا تم اور تمہارا باپ ابو سفیان مشرکین کے لشکر میں تھے جنہوں نے مجتمع ہو کر رسول اللہ پر حملہ کیا تھا تم طلیق بن طلیق ہو رسول اللہ تم دونوں

باپ بیٹا کو آزاد کیا تھا تم خلافت کے لائق ہی کب ہو سکتے ہو۔

(مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن اثیر جلد ۶ ص۷)

عبداللہ ابن عباس نے ابو موسیٰ اشعری سے ایک طولانی گفتگو میں کہا تھا کہ خدا کی قسم معاویہ میں کوئی خصلت نہیں جو انہیں خلافت سے قریب کرے۔ (مروج الذہب برحاشیہ کامل جلد ۶ ص۷)

حضرت عائشہ کو جب معاویہ کے دعوائے خلافت کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس سے صاف انکار کیا جس پر معاویہ نے کہا عائشہ پر تعجب ہے جو یہ دعوائے کر رہی ہیں کہ میں خلافت کے قابل نہیں اور جس مرتبہ پر میں آج فائز ہوں وہ میرا حق نہیں ہے یہ انہیں کیا ہو گیا ہے خدا انہیں بخشے

(شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۷)

ابو بکرہ زیاد کے مادری بھائی معاویہ کے دربار میں آئے معاویہ نے کہا ابو بکرہ ہم سے کوئی حدیث بیان کرو۔ ابو بکرہ نے کہا میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ خلافت تیس برس تک ہے پھر بادشاہت ہے عبد بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا معاویہ نے یہ حدیث سنکر حکم دیا کہ ہماری گدی میں ہاتھ دیکر ہمیں نکال دیا جائے چنانچہ ہم نکال دیئے گئے۔

(النصائح کافیہ ص ۱۵۹)

مغیرہ معاویہ کے خاص دوست تھے ایک دفعہ یہ مخلص دوست ان کے پاس آئے پھر جب واپس گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا میں خبیث

ترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔

(مروج الذہب جلد ۲ صـ۳۴۲ ابن ابوالحدید جلد ۲ صـ۳۵۲)

معاویہ نے جب بصرہ کے گورنر سمرہ کو حکومت سے معزول کیا تو اس نے کہا خدا ..... کرے معاویہ پر اگر میں خدا کی اتنی اطاعت کرتا جتنی میں نے معاویہ کی اطاعت کی ہے تو وہ کبھی معذب بعذاب نہ کرتا۔

(تاریخ کامل بحوالہ نصائح کافیہ صـ۹)

حسن بصری فرماتے ہیں کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ ان میں سے اگر ایک بات بھی ان میں ہوتی تو وہ ہلاک کرنے والی تھی بے وقوفوں کی مدد لیکر ان کا اس امت پر فوجکشی کرنا یہاں تک کہ انہوں نے امت کے معاملہ یعنی خلافت کو مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر تھیا لیا حالانکہ اس امت میں بقیہ صحابہ اور صاحبان فضیلت موجود تھے اپنے بعد اپنے شرابی بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کرنا جو ریشم پہنتا تھا اور ستار سے شغل کرتا تھا زیاد کو اپنا بھائی بنانا حالانکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ بیٹا شوہر کا ہے اور زناکار کے لئے سنگساری ہے اور حجر کو قتل کرنا حجر اور اصحاب حجر کی حیثیت سے ان کی ہلاکت ہو۔ (طبری جلد ۶ صـ۱۵۷)

تاریخ الفدا اور روضۃ المناظر ابن شحنہ میں ہے کہ اروی بنت حارث بن عبدالمطلب جو بہت بوڑھی ہو گئیں تھیں معاویہ کے پاس آئیں اور معاویہ نے کہا۔

مرحبا اے خالہ کیسی ہو؟ اروی نے کہا اچھی ہوں اے بھانجے!

تونے کفران نعمت کر کے اپنے ابن عم کے ساتھ بدی کی اپنے لئے وہ لقب (خلیفہ) اختیار کیا جس کا تو اہل نہیں ہو سکتا اور ہم سے وہ شئے لے لی جس کا تو حق دار نہیں تھا اے معاویہ اس دین میں بر دسے اتبلا ہم اہل بیت اعظم الناس ہیں،

معتزلہ نے صلح کے بعد معاویہ کی بیعت سے انکار کیا امام حسنؑ اور دونوں سے کنارہ کش رہے اسی وجہ سے انہوں نے اپنا نام معتزلہ رکھا (کتاب اَلتَّنْبِیْهِ وَالرَّدُّ عَلٰی اَهْلِ الْاَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ ص ۲۸)

علامہ عقیلی نے اس صلح پر خوب روشنی ڈالی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی یہ صلح تفویض خلافت نہیں تھی وہ لکھتے ہیں

امام حسنؑ علیہ السلام کا حکومت کو چھوڑ دینا حضرت حسنؑ کی نیکی میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا اس لئے کہ حسن نے حکومت کو چھوڑا مجبور و مضطر ہو کر چھوڑا ہے مسلمانوں کی خونریزی کو ختم کرنے کے لئے چھوڑا اور دو نقصانوں میں سے خفیف نقصان کو اختیار فرمایا اور دو شروں میں سے آسان شر کو قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ جنگ کرنے اور خون بہانے پر مصر ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا پس حسنؑ کی رائے یہی ہوئی کہ حکومت کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے خون کو بچائیں اور اپنے نانا رسول

خدا کے اس قول کو کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے جو مسلمانوں
کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہو گا۔" سچا
ثابت کر دکھائیں۔ پس حسن بلا شبہ اس صلح میں
داخل ثواب ہیں اور اس فعل میں درستی اور نیکی
پر ہیں۔ اور معاویہ اس معاملہ میں خطا کار اور مستحق
عذاب ہیں ان کے لئے اس معاملہ میں کوئی بزرگی
اور کرامت نہیں (نصائح کافیہ صفحہ ۱۵۲)

ہاں امام حسن علیہ السلام نے اپنی اس صلح سے آنحضرت کی اس حدیث کی تصدیق فرمائی تھی

"میرا یہ فرزند مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا
موجب ہو گا۔"

اس حدیث میں لفظ مسلمین وارد ہے جو تواتر کے ساتھ تمام کتب احادیث و تاریخ و رجال میں درج ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، استیعاب جلد ا صفحہ ۱۳۹ و صفحہ ۱۴۰، تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۰ تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۹۳، تاریخ خمیس صفحہ ۳۲۳ شرف المؤبد صفحہ ۶۰، اسعاف الراغبین صفحہ ۲۰۷، اتحاف صفحہ ۱۰، صواعق محرقہ صفحہ ۸۲،

لفظ مسلم کا اطلاق مومن و منافق دونوں کے لئے ہے آنحضرت کے زمانے میں بھی منافق مسلم کہلاتے تھے پس اس حدیث سے گروہ بنی امیہ

کے لئے جو بظاہر اسلام کا چولا پہنے ہوتے تھے مگر حقیقت میں مومن اور سچے مسلمان نہ تھے کوئی بزرگی اور فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور معاویہ اور ان کے گروہ کے برسرِ حق ہونے اور سچے مسلمان کہلانے کی دلیل نہیں بن سکتی اور نہ اس سے امام حسن علیہ السلام کا معاویہ کو قابل خلافت سمجھ لینا ظاہر ہوتا ہے امام حسن علیہ السلام نے تو نہ اسے کبھی خلیفہ رسول سمجھا اور نہ امیرالمومنین سمجھا اور نہ کبھی اس کی اطاعت کا اقرار فرمایا اور نہ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے صلح فرمائی بلکہ یہ دیکھکر کہ معاویہ کی سازشیں کام کر رہی ہیں اور مسلمان نصرت حق سے منہ موڑ رہے ہیں تو مجبوراً آپ نے اپنی بیعت کو ان کی گردن سے اٹھا لیا اور حکومت کو چھوڑ بیٹھے امام حسن علیہ السلام کے خطبوں اور انکی تقریروں کو دیکھو جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس صلح کے متعلق موجود ہیں تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۲۰۶، طبری صہ ۹۲، الامامۃ والسیاسہ تاریخ خمیس، ابوالفدا، تاریخ کامل اور قیس بن سعد کی تقریر جو اہل لشکر سے ہوئی اور اہل لشکر کا جواب قابل ملاحظہ ہیں۔ امام حسنؑ لشکر کی بیوفائی دیکھکر فرماتے ہیں:۔

> "تم نے دین کو دنیا پر مقدم سمجھ لیا ہے اور معاویہ ہمیں ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف اگر تم لوگ حق پر مرنے کے لئے تیار ہو تو ہم ان سے جنگ کے لئے آمادہ ہیں اور اگر ذلت کی زندگی کے خواہاں ہو تو ہم کو اختیار ہے

کہ معاویہ سے صلح کر لیں"۔

جواب میں البقیۃ البقیۃ کی چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو جاتی ہیں ہم تو دنیا کی زندگی کے طالب ہیں اس پر قیس بن سعد لشکر سے کہتے ہیں:۔

"ایہا الناس تم امام گمراہ کی اطاعت کرنا چاہتے ہو
یا اس سے راہ الٰہی میں جہاد کرنا پسند کرتے ہو"

سب نے پکار پکار کر کہا ہم کو تو اس امام گمراہ کی اطاعت منظور ہے۔
پھر اس پر امام حسن کے وہ الفاظ دیکھو جو معاویہ اور عمرو عاص کی موجودگی میں اہل کوفہ سے فرماتے ہیں۔

انی ادری لعلہ فتنۃ لکم و متاع الی حین
یعنی میں خیال کرتا ہوں یہ تمہارے لئے فتنہ ہو
اور صرف چند دن کی بہار یعنی حکومت معاویہ
(طبری کامل، محرم نامہ صاحب حسن نظامی)

ماخوذ از ناموس اسلام خلیفہ سید محمد ہاشم اعلی اللہ مقامہ)

پھر علامہ عقیلی اسی صلح کے متعلق فرماتے ہیں۔

رسول اللہ نے روز حدیبیہ کفار سے اس امر پر صلح فرمائی کہ حضرت مع اپنے اصحاب کے مدینہ کو لوٹ جائیں اور نہ حج کریں نہ عمرہ اور کفار قریش میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ اہل مکہ کو واپس دے دیئے جائیں اور آئندہ سال بھی مکہ میں داخل نہ

ہوں مگر صرف تین دن کے لئے اور وہ بھی صرف مسافروں کی طرح اور پھر باوجود ان سب باتوں کو قبول فرما لینے کے کفار مکہ صلحنامہ میں لفظ محمد رسول اللہ لکھے جائے پر راضی نہ ہوئے اور حضرت نے خود اس لفظ کو اپنے دست مبارک سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھوایا۔" کیا یہ صلح رسول کی طرف سے حق اور کفار کی جانب سے باطل نہ تھی اور ایسا ہی رسول اللہ نے عیینہ اور اقرع (یہودیوں کے دو قبیلوں سے اس امر پر صلح فرمائی کہ باغات مدینہ کے پھلوں کا ایک ثلث حصہ (⅓) ان کو دیا جائے گا اور اگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے ابوسفیان اور اس کے گروہ کی امداد سے ہٹ جائیں۔ سعد نے اشارۃً عرض کیا اگر وحی اس کے خلاف نہ ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور اس تجویز کو نہ چھوڑا پس کیا یہ صلح اور یہ تجویز رسول اللہ کی برحق نہ تھی اور فریق دوم کی طرف سے کذب و بطلان پس اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی صلح ان کی طرف سے حق ہے اور معاویہ کی جانب سے باطل ہے۔ بیشک معاویہ زبردستی غلبہ کرنے والا

اور گنہگار تھا۔ اس نے باوجود سینہ زوری سے حکومت لینے کے جو عہد کیا تھا اس کو توڑ دیا اور کسی ایک شرط پر وفا نہ کی اس قضیہ صلح کا یہ سبب فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ابو جعفر طبری کی تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ سے لکھا گیا ہے کہ تاکہ معلوم ہو کہ امام حسن اس صلح کے لئے کس طرح مجبور ہو گئے تھے اور معاویہ نے اپنے عہدوں کو کس طرح توڑا۔

(نصائح کافیہ صد ۲۵۲)

اس صلح کے بعد نہروانی خوارج نے معاویہ سے جنگ کے لئے خروج کیا معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کے پاس کہلا بھیجا یا تحریر بھیجی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اس گروہ سے جنگ کریں۔ پس اگر امام حسن علیہ السلام معاویہ کو خلیفہ یا مسلمانوں کا جائز حاکم مانتے ہوتے تو کیا معاویہ کے حکم کی تعمیل ان کا فرض نہ ہوتا لیکن انہوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ سختی سے جواب دیا۔

"سبحان اللہ میں نے جب تیرے ساتھ جنگ کرنے
کو جو ہر طرح اور مسلمانوں کی بہبودی کا باعث تھی
ترک کر دیا تو کیوں کر ممکن ہے کہ میں تیرے ساتھ
شامل ہو کر جنگ کروں۔"

(نصائح کافیہ صد ۱۵۷ تاریخ کامل صد ۲۰۹ و ۳ تاریخ طبری)

وقت نے پلٹا کھایا تو مذاہب اربعہ کے فقہا کو جب ظالم بادشاہ کی مثال پیش کرنے کا موقعہ ملا تو وہ معاویہ کو مثال کے طور پر پیش کرنے

لگے پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا ظالم بادشاہ کی طرف سے منصبِ قضا قبول کیا جائے یا نہیں اسوقت کے علما نے طے کیا کہ قبول کرنا جائز ہے اس کے ثبوت میں انہوں نے صحابہ کی نظیر پیش کی کہ انہوں نے معاویہ کے عہد حکومت میں اس منصب کو قبول کیا تھا حالانکہ معاویہ ظالم بادشاہ تھے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ ایسے باغی تھے جن سے قتال واجب تھا۔ امام ابو حنیفہ نے لوگوں سے سوال کیا کہ جانتے ہو کہ اہل شام ہمیں کیوں دشمن رکھتے ہیں لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو اس پر انہوں نے فرمایا۔ اس وجہ سے کہ ہمارا یقین و اعتقاد ہے کہ ہم لوگ اگر حضرت علیؑ کے لشکر میں ہوتے تو معاویہ کے خلاف حضرت علیؑ کی مدد کرتے اور علی کی وجہ سے ان سے جنگ کرتے اسی وجہ سے شام والے ہمیں محبوب نہیں رکھتے۔ (نصائح کافیہ۔ کتاب التمہید فی بیان التوحید)

سید امیر علی اپنی شہرہ آفاق تالیف ہسٹری آف سارا سینز کے صـ۸۱ پر معاویہ کی سیرت کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں:۔

MUWA'S CHARACTER AND THE CIRCUMSTANCES WHICH ENSURED HIS SUCCESS ARE THUS SUMMED UP BY AN ENGLISH WRITER, WHOSE VIEWS ON THIS POIN AT LEAST ARE FREE FROM PRETUDICE.

"ASTUTE, CORRUPTION, AND PITILESS THE FIRSTCALIPH OF OMMAYAS SHRANK FROM NO CRIME NECESSARY TO SECURE HIS POSITION. MURDER WAS HIS ACCUSTOMED MOOD OF REMOVINGA FORMIDABLE OPPONENT THE GRANDSON OF THE PROPHET THE CAUSED TO BEPOISONED, MALIK ASHTER, THE HEROIC LIEUTENANT OF ALI, WAS DESTROYED IN A LIKE WAY. TO SECURE THE SUCCESSION OF HIS SON YAZID MOAWIAH HESITA- TED NOT TO BREAK, THE WORD HE HAD PLEDGED TO HUSSAIN, THE SURVIVENG SON OF ALI, AND YET TIS COOL, CACULATING, ATHEISTIC ARAB RULED OVER THE REGIONS OF ISLAM, AND THE SCEPTRE

REMAINED IN HIS FAMILY FOR THE
SPACE OF NEARLY NINETY YEARS
. . . .

(OSBORN'S ISLAM UNDER THE ARABS)

معاویہ کی سیرت اور ان حالات کو جس میں اس نے کامیابی حاصل کی ایک انگریز صاحب قلم نے جو اس معاملہ میں تعصب سے بری ہے اس طرح بیان کیا ہے :۔

تیز فہمی، بدعنوانی اور بے رحمی خاندان امیہ کے پہلے خلیفہ کا شعار تھا وہ کسی جرم سے جو اس کی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہوتا پہلو تہی نہیں کرتا تھا۔ ایک ناگزیر دشمن کو اپنے رستے سے ہٹانے کے لئے قتل اس کا عادی طریق کار تھا وہ رسول کے نواسے کو زہر دیئے جانے کا سبب ہوا مالک اشتر کو جو حضرت علی کا شجاع لفٹیننٹ تھا اسی طریقہ سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اپنے بیٹے یزید کی جانشینی کی حفاظت کے لئے اس نے امام حسین سے جو رسول اللہ کے زندہ نواسے تھے جو عہد کیا تھا اس کے توڑنے میں وہ ذرا نہیں جھجکا۔ بہرحال یہ سرد مہر، منصوبہ باز اور ہتک آمیز عرب اسلام کی سرزمینوں پر حکمران تھا یہ عصائے حکومت اس

کے خاندان میں تقریباً نوے برس تک رہا سبط اکبر
امام حسن جو اس باپ کے بیٹے تھے جنہوں نے
غیر معصوم کی سیرت کا تتبع نہ کیا اور سلطنت کی
پیش کش کو ٹھکرا دیا وہ ایسے شخص کی خلافت کو
جس کا کردار غیر مسلم مفکرین کے نزدیک بھی ایسا ہو
کب خلیفہ تسلیم کر سکتے تھے۔

گروہ بنی امیہ اور طرفداران معاویہ و یزید یونہی بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے خلافت معاویہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ پس معاویہ کے بعد یزید بھی اس کا جانشین و خلیفہ تھا اس لحاظ سے امام حسین علیہ السلام پر اس کی بیعت فرض تھی۔ کیا ان حالات و واقعات کو دیکھکر جناب امام حسن علیہ السلام کے ان جوابات جو انہوں نے ہر موافق و مخالف کے سوال پر دیئے اور آپ کے خطبات اور آپ کے کلام کو پڑھکر کوئی ذی شعور انصاف پسند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ سبط اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ کی خلافت کو قبول کر لیا تھا اور وہ اسے خلیفہ واجب الاطاعت سمجھتے تھے لا واللہ ابدا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہاں رضامندی کا کیا ذکر صرف اعوان و انصار کے منہ موڑ لینے اور مددگاروں کے نہ ہونے سے مجبور ہو کر امام حسن علیہ السلام صرف حکومت سے دست بردار ہو گئے تھے معاویہ نے اس کو غنیمت سمجھا اگر وہ بھی یزید کی طرح اسی وقت امام حسن کا خاتمہ کر دینا مناسب سمجھتا تو

یقیناً امام حسن علیہ السلام کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو امام حسین کے ساتھ کربلا میں ہوا اور امام حسن علیہ السلام بھی وہی روش اختیار کرتے جو امام حسین علیہ السلام نے اختیار کی تھی مگر معاویہ مادی سیاست میں خاص دسترس رکھتا تھا اس نے یزید کی طرح نہ بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ اپنی خلافت کو منوانے پر زور دیا بلکہ صرف معاہدۂ التوا جنگ پر قناعت کی معاویہ اموی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتا تھا اس لئے اس سے یزید کی طرح حماقت کا ارتکاب نہیں ہوا جب معتضد عباسی کا دور سلطنت آیا تو اس نے معاویہ کے کرتوت اور ان کے متعلق لوگوں کے خیالات اقوال و افکار اور ان کے بارے میں جو ان کے خلاف احادیث وارد ہوئی تھیں کی کافی اشاعت کی اور خاص فرمان جاری کر کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ معاویہ پر . . . کریں یہ واقعہ ۲۸۴ھ کا ہے۔

تاریخ طبری جلد ۱۱ ص ۳۵۵

علامہ غزالی امام حسن علیہ السلام کی خلافت کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں اور خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی جو بغیر استحقاق کے اس کے مالک بن بیٹھے نہایت نفیس اور عمدہ فقرہ وہ ہے جو فقیہہ بصرہ کا ہے یہ بزرگوار چھٹی صدی میں گزرے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ معاویہ بس ایک کھوٹے درہم تھے۔

ابن کثیر دمشقی نے حدیث سے اسناد کرتے ہوئے صاف صاف لفظوں میں معاویہ کی خلافت کی نفی کی ہے " یہ بات گزر چکی کہ پیغمبر خدا کے

بعد خلافت تیس برس تک رہے گی پھر بادشاہت ہوجائے گی۔ ۳۰ برس امام حسن کی خلافت تک پورے ہو گئے، معاویہ کا زمانہ بادشاہت کا ابتدائی دور تھا۔ (ہدایہ ونہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹)

جناب رسالتمآب کی زبان وحی ترجمان نے اموی حکومت کے لئے جو تمثیلیں استعارے تشبیہات اور کنائے استعمال فرمائے ہیں ان کی روشنی میں کوئی بابصیرت انسان ان کی حکومت کو خلافت تسلیم نہیں کرسکتا۔

بنی امیہ کا شجرہ سفیانی و مروانی وہ شجرہ ہے جس کو بروایت حضرت ام المومنین بی بی عائشہ و عبداللہ ابن عباس اپنے کلام پاک میں شجرہ ملعونہ و شجرہ خبیثہ کے نام سے یاد فرمایا ہے (تفسیر کبیر جلد ۵ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۱۹۱ تفسیر معالم التنزیل قمی نیشاپوری جلد ۲ پارہ ۱۵ صفحہ ۴۵۸ و ۴۵۹ روضۃ المناظر برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۰۳ تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۹ تفسیر زمخشری جلد ا صفحہ ۴۶۶ نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۸)

آنحضرتؐ نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ میرے منبر رسالت و حکومت پر چڑھتے اور ناچتے کودتے ہیں یہ خواب دیکھکر آپ بہت غمگین و ملول ہوئے یہی وہ خواب ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح پر کیا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا ۚ

اے رسول ہم نے جو خواب تمہیں دکھلایا ہے اس
کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش قرار دیا ہے اور یہی قرآن
میں شجرہ ملعونہ ہے اور ہم نے اس طرح پر لوگوں کو
ڈرایا اور تنبیہہ کی مگر اس کی سرکشی اور ان کا طغیان
چڑھتا ہی گیا۔

بنی امیہ وہ شجرۂ ملعونہ ہے جس نے آنحضرت کی مسند رسالت اور منبر اسلام کو ظلم و جور سے غصب کیا اول اولاد ابی سفیان نے اس منبر رسول پر بندروں کی طرح پھلانگیں ماریں اور پھر اپنے خاندان کی دوسری شاخ بنی مروان میں اس منبر رسول کو منتقل کر گئے اور ابو سفیان کی وصیت کے مطابق بنی امیہ کے رنگیلے نوجوان شاہزادوں کے لیے خلافت رسول کو چوگان بازی کی گیند بنا گئے امام حسن علیہ السلام نے اپنے ایک ارشاد میں اس خواب کو یاد دلایا ہے (تاریخ ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۹۴) (ناموس اسلام صفحہ ۱۵۷ و صفحہ ۱۵۸)

علامہ دمیری متوفی ۸۰۸ھ امام حسن علیہ السلام کی مدت کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ اس کا نکتہ تھا جو رسول اللہ نے خلافت کے متعلق فرمایا تھا کہ خلافت تیس برس تک رہے گی پھر کٹکھنی بادشاہت ہو جائے گی اور جیسا سرکار رسالت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

(حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۵)

تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری میں ہے کہ جب امام حسن نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو قتال کرنا خلاف مصلحت سمجھ کر معاویہ کو یہ لکھ بھیجا کہ زمام حکومت میں

تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں اور خود کنارہ کش ہوتا ہوں۔

(تاریخ احمدی ص۲۲۴ و ص۲۲۵)

ہمارے ان بیانات سے چند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ شریعت اسلامیہ اس قسم کی خلافت کو خلافت نہیں کہتے، ہاں اگر چند شاہ پرست نکتۂ نگاہ کے لوگ (IMPERIALISTIC) اسے خلافت کہیں تو کہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خوشامد سے دنیاوی مفاد حاصل کئے

۲۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں ارباب فکر و نظر کا معاویہ کی خلافت سے انکار ایسے حقائق ہیں کہ جن کی بنا پر معاویہ خلیفہ تھے یا نہیں ہمیں بحث کرنے کی ضرورت ہی معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ معاویہ کی مخالفت پیغمبر اور شرعی آئین و قوانین میں رد و بدل کی مثالوں سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

امام حسن علیہ السلام نے حکومت معاویہ کے حوالے کرنے کے بعد ان کی خلافت کی نفی کی ہے مسلمانوں میں جس طرح دوسرے ارباب فکر و نظر معاویہ کی خلافت سے انکار کرتے رہے اسی طرح امام حسن علیہ السلام بھی منکر تھے کوفہ میں جب طرفین موجود تھے۔ اہل عراق اور اہل شام کا اجتماع ہوا تھا تو امام حسن علیہ السلام نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

"معاویہ کا خیال ہے کہ میں نے انہیں خلافت کا اہل اور اپنے آپ کو نا اہل سمجھا معاویہ جھوٹے ہیں ہم تمام

لوگوں سے زیادہ سزاوار و اولی ہیں یہ مرتبہ ہمیں
کتاب خدا و کلام رسول اللہ سے حاصل ہے "
دوسری تقریر میں جو صلح کے بعد ہی آپ نے فرمائی تھی اور اس وقت معاویہ بھی موجود تھے فرمایا تھا:۔
"خلیفہ وہ نہیں جو ظلم کے ساتھ حکومت کرے سنتوں کو معطل بنائے دنیا کو اپنا مال اور باپ قرار دے ایسا شخص بادشاہ ہے جس نے ملک ہتھیالیا اور اس سے بہرہ اندوز ہوا (المحاسن والمساوی بیہقی جلد ۲ ص ۶۳ وغیرہ)
خلیفہ کا منصب یہ ہے کہ وہ آئین اسلام کا محافظ و نگہبان ہو اموی حکمرانوں نے قوت پکڑتے ہی دین الٰہی کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اسلام میں بے شمار فتنے بپا کر دیئے۔ چنانچہ حضرت عمر اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ قریش کے دو قبیلے بنو امیہ و بنو مغیرہ ہیں (تفسیر در منثور سیوطی جلد ۴ ص ۸۵ پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے اخرجہ البخاری فی تاریخہ وابن جریر وابن منذر وابن مردویہ عن عمر ابن الخطاب قال فی قولہ تعالیٰ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ الخ ھما الافجران من قریش بنو امیہ وبنو مغیرہ فاما بنو مغیرہ فکیتموھم یوم بدر فاما بنو امیہ فمتعوا الی حین یعنی بخاری نے اپنی

تاریخ میں اور ابن جریر وابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے آیۂ الم ترا الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ نعمت خدا کو کفر میں بدلنے والے قبیلۂ قریش کے دو سب سے بڑے فاجر گروہ ہیں بنی امیہ و بنی مغیرہ اور بنی مغیرہ کو تو تم بدر کے دن ختم کر چکے ہو مگر بنی امیہ ابھی تک باقی ہیں)

مفکر اسلام علامہ اقبال نے بھی اس معاہدہ التوائے جنگ کو تسلیم خلافت نہیں سمجھا بلکہ صرف حکومت کو ٹھکرانے سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں

آن یکے شمع شبستان حرم ۔۔۔ حافظِ جمعیت خیر الامم!
تا نشیند آتش پیکار و کین ۔۔۔ پشت پا زد بر سر تاج و نگین

یعنی معصومہ کونین سیدہ فاطمہ کا ایک بیٹا شمع شبستان حرم ہے جو خیر الامم کی جمعیت کا محافظ ہوا تاکہ لڑائی اور دشمنی کی آگ بجھ جائے اس نے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا۔

شیعی نقطۂ نگاہ سے خلافت ایک روحانی منصب ہے اور اس کی خصوصیات و رجحانات کو صاحب منصب اپنے وجود کے ساتھ لاتا ہے یہ ایسی چیز نہیں جسے کوئی شخص دوسرے کو منتقل کر سکے

معاویہ میں کیا روحانی خصوصیت اور کونسا ایسا رجحان طبعی تھا جس سے اسے خلیفہ رسول تسلیم کیا جاتا۔

بستان المحدثین میں بہ سند نسائی موضوعات امام شوکانی اور مصنوعہ سیوطی میں بہ سند علامہ اسحاق بن اسماعیل حنظلی، تطہیر الجنان اور موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۲۸ پر اور فتح الباری میں بہ سند ابن راہویہ، معراج النبوۃ اور فوائد المجموعہ شوکانی میں ہے کہ معاویہ کے حق میں حدیث فضیلت وارد نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے حق میں فرمایا۔

"لا اشبع اللہ بطنہ: خدا اس کا پیٹ نہ بھرے

اس سے ظاہر ہے کہ جتنی حدیثیں ان کے بارے میں کتب اسلامیہ میں موجود ہیں وہ ان کے زمانہ اقتدار کی پیداوار ہیں۔ اور وہ ایسی حدیثیں ہیں جن میں بشارت و مغفرت معاویہ و یزید تک موجود ہے جنہیں محمود عباسی نے جن کے آباؤ اجداد بنی امیہ کی حکومت کا قلع قمع کیا ہے اپنی اہل بیت اظہار سے معاندانہ انداز لئے ہوئے کتاب خلافت معاویہ و یزید میں پیش کیا ہے اور ہمارے فاضل و محقق دوست سید ثمرت حسین جعفری بی اے ایل ایل۔ بی (علیگ) ایڈوکیٹ حیدر آباد زاد اللہ توفیقاتہ نے اپنی قابل قدر تالیف آئینہ حقائق۔ میں روایت اور درایت کے میڈیکل اوزاروں سے ان دونوں حدیثوں کا پوسٹ مارٹم کر کے ان کی وضعیت کو ثابت کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا امام حسن علیہ السلام معاویہ کی بیعت کی تھی یا نہیں؟

۱۔ عہد نامہ التوائے جنگ میں نہ کہیں بیعت کا ذکر ہے اور نہ ہی معاویہ

کی خلافت و امامت کا تذکرہ ہے۔ حالانکہ عہد نامے کے الفاظ صاف ہیں پہلے آپ اس کے متعلق معاویہ کے الفاظ پر غور فرمائیں اس عہد نامہ کے متعلق وہ کہتے ہیں

ما ضینا بھا ملکا (تاریخ ابن کثیر دمشقی جلد ۶ صفحہ ۲۲۰)

ہمیں صرف حکومت مطلوب تھی۔

اس معاہدہ سے پہلے انہوں نے امام حسن علیہ السلام کو خط لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

لك ان لا استولی علیک بالاساءة ولا تقضی دونك الا امور ولا تعصی فی امر۔

آپ کے ساتھ نہ کوئی بدسلوکی جائے گی اور نہ بغیر آپ کے معاملات طے پائیں گے اور نہ آپ کے کسی حکم کی نافرمانی کی جائے گی (ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۱۳)

صلح کے بعد معاویہ نے منبر کوفہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

میں نے تم سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو اور نہ اس لئے کہ تم زکوٰۃ دو بلکہ اس لئے کہ میں تمہارا بادشاہ ہو جاؤں

نیز معاویہ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے یزید سے اہل بیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

ان الحق حقھم ان میں شک نہیں کہ حق ان اہل بیت

کا حق ہے۔

اس کے بعد بعض مؤرخین کا جن کے سرگروہ ابن ابی قتیبہ دینوری ہیں یہ لکھنا کہ امام حسن نے معاویہ کی امارت پر بیعت کر لی تھی۔ مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہے۔

معاویہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ تمام ممالک اسلامیہ کی حکومت اس کے ہاتھ آجائے اس کے بعد آپ امام حسن علیہ السلام کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ امام حسن علیہ السلام نے بارہا اپنے شیعوں سے ارشاد فرمایا:۔

ما تدرون ما فعلت واللہ للذی فعلت خیر الشیعتی مما طلعت علیہ الشمس۔

تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں نے کیا کیا ہے خدا کی قسم میں نے جو کیا ہے وہ تمہارے لئے روئے زمین کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

آپ نے بشیر ہمدانی سے جو معززین کوفہ سے تھا فرمایا۔

ما اردت بمصالحتی الا عن ادفع عنکم القتل (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۰۳)

صلح سے میرا مقصد قتل کو تم سے دور کرنا تھا۔

صلح کے بعد آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

ایھا الناس ان اللہ ھدا کم باولنا

وحقن دماءکم بآخرنا وقد سالمت

معٰویۃ وان ادری لعلہ فتنۃ ومتاع
الی حین۔

لوگو! خداوند عالم نے ہمارے پہلے (محمد مصطفٰےؐ)
کے ذریعہ سے تمہیں راہ راست دکھلائی اور ہمارے
آخر یعنی میرے ذریعہ تمہارا خون بہنے سے روکا
میں نے معاویہ سے صلح کر لی۔

ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ امام حسن علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ نانا کا دین تباہ و برباد نہ ہو، اور ہمارے شیعہ قتل ہونے سے بچ جائیں۔

ثقۃ الاسلام محمد یعقوب کلینی کی روایت میں موجود ہے۔

ان الحسن اشترط علی معاویۃ ان
لا یسمیہ امیر المومنین

امیر المومنین امام حسن علیہ السلام نے معاویہ پر
یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ اپنے آپ کو امیر المومنین
نہ کہلائیں۔

ابن بابویہ علیہ الرحمۃ نے کتاب العلل ص۸۰ پر جو روایت درج کی ہے

ان الحسن اشترط علی معاویۃ ان لا یقیم
عندہ الشھادۃ۔

امام حسن نے معاویہ سے شرط کی تھی کہ گواہ ان کے

حضور گواہی نہ دیں گے۔

ان دونوں روایتوں سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ معاویہ کی خلافت کا اعتراف ہی نہیں کیا چہ جائیکہ ان کی بیعت کی جاتی صرف حکومت ان کے حوالے کی گئی تھی جسے تسلیم امر کہہ لیجئے یا تسلیم حکم اگر معاویہ ان سے بیعت طلب کرتا تو امام حسن وہی روش اختیار فرماتے جو امام حسین علیہ السلام نے یزید کے مقابلہ میں اختیار فرمائی۔

بیخودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

(غالبؔ)

شہادت سرکارِ صلح و امن حضرت امام حسن علیہ السلام

انگریز مؤرخین کا سرتاج یعنی گبن لکھتا ہے۔

دشمن اسلام ابوسفیان کا بیٹا اور اس ہندہ جگر خوارہ کا فرزند جس نے امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا اور ان کی انگلیوں کو کاٹ کر گلوبند بنایا اور اپنے گلے میں پہنا ایسے والدین کا فرزند مسندِ رسول کا وارث امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین بن بیٹھا اپنی خلافت نیز اپنے بعد خلافت کی گیند کو اپنے ہی خاندان میں ہیر پھیر تے رکھنے کے لیۓ جیسا کہ اس کے باپ ابوسفیان نے حضرت عثمان کو خلافت ملتے وقت

نصیحت کی بجائے معاویہ و یزید اور دوسرے اموی
سلاطین نے حسب ذیل اقدام کئے۔

۱. حق داران خلافت کا خاتمہ کرانا جیسے حضرت علی کا قتل حضرت حسن کی زہر و دغا سے شہادت حضرت حسین کو بھوکا پیاسا بیعت نہ کرنے پر ذبح کرنا۔

۲. دوستداران اہل بیت کو چن چن کر قتل کرنا جیسے حجر بن عدی عمرو بن الحمق الخزاعی، مسلم، ہانی، بہتر شہدائے کربلا، مدینہ کے سترہ سو صحابی مہاجر و انصار رسول کا قتل زیاد کا اہل بیت کی طرف میلان رکھنے والوں کا قتل عام، سمرہ بن جندب کا آٹھ ہزار انسانوں کو قتل کرنا۔

۳. جن کے قتل سے ہنگامہ کا اندیشہ تھا ان کو زہر سے شہید کرا دیا جیسے امام حسن، مالک بن اشتر، محمد بن ابی بکر وغیرہ وغیرہ بلکہ امویوں نے دو منصف مزاج سلاطین معاویہ دوم عمر ابن عبدالعزیز جو ان کے اپنے خاندان کے فرد تھے کو بھی زہر سے مروا دیا۔

۴. ملکی عہدے بنی امیہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کے فرد کو نہ ملنے پائیں۔

۵. دوستداران اہل بیت کی مالی حالت اس قدر کمزور کر دی کہ فکر معاش سے ان کی زندگی دبال ہو گئی۔

۶. بنی امیہ کی مخالفت کا کسی پر ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو اس کا زہر سے خاتمہ

کیا جاتا تھا۔ قید و بند میں سڑا ڈالا جاتا تھا یا زندہ دیوار میں چن دیا جاتا تھا۔

۷۔ اہل بیت کی مدح کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں جیسے حضرت علی کی مدح کے جرم میں حضرت میثم تمار کے ہاتھ پیر کاٹے پھر گدی سے زبان نکلوائی اور آخر میں سولی دے دی۔ حضرت قنبر کا قتل، رشید ہجری کی زبان کاٹی، ہاتھ پاؤں کاٹ کر شہید کیا اور اور کمیل بن زیاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

۸۔ اہل بیت رسالت کو اس قدر بدنام کیا کہ دنیا ان کو دشمنان اسلام سمجھنے لگی اور ان کے خلاف حدیثیں گھڑنے والوں کو وظیفے دیئے اور منابر سے حضرت علی پر چالیس برس تک تبرا کہلوایا۔

۹۔ اس دور کے مسلمانوں کو وظیفہ دیکر اموی حکومت کا ہم نوا بنا لیا گیا لاکھوں مسلمانوں کا ایمان خرید لیا گیا۔

(۱۰) معاویہ و یزید کو آنحضرت کا قریب ترین وارث اور حقیق جانشین و خلیفہ مشہور کرایا گیا۔

۱۱۔ ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج ہر وقت تیار رکھکر دوسرے ممالک کو فتح کرنا اور عرب قبائل کو کچلنا یہ تنخواہ دار سپاہی وہ تھے جو نواسۂ رسول کا خون ناحق بہانے کے لئے کربلا بھیجے گئے تھے (اموی سیاست)

یہ ہیں اموی سیاست کی خصوصیات و امتیازات اگر آپ کسی ایسے واقعہ کی تہ تک پہنچنا چاہیں جس پر ریشہ دوانیوں کے سیاسی پردے

ڈال دیئے گئے ہوں تو ان خصوصیات کی روشنی میں ریسرچ کرنا چاہیئے۔ امام حسن علیہ السلام کی زہر خورانی کا واقعہ مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ تو تاریخ کی مسلم حقیقت ہے کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے اور یہ زہر دمشق سے بھیجا گیا تھا اختلاف بس اتنا ہے کہ یہ یزید نے بطور خود روانہ کیا تھا یا امیر معاویہ کے ایماں سے تھا؟ سب سے پہلے امیر معاویہ کی بعض خصوصیتوں کو جنہیں ان کے مداح بھی نہیں چھپا سکے منظر عام پر لانا چاہیئے۔ اور درایت کے لحاظ سے واقعہ زہر خورانی کی تہ تک پہنچنا چاہیئے۔

صاحب سیر الصحابہ بعض لغزشوں کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

جناب امیر کے مقابلہ میں ان کا صف آرا ہونا اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل استعمال کرنا۔ حضرت حسن سے لڑنا۔ اسلامی خلافت کو موروثی سلطنت میں بدل دینا وغیرہ ان میں سے ہر ایک واقعہ ان کی ایسی کھلی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن نہیں قرار دے سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولیعہدی سے اسلامی خلافت کی روح ختم اور اسلام میں موروثی بادشاہت کی رسم قائم ہو گئی ان واقعات نے عوام کو چھوڑ کر حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہ سے بدظن کر دیا۔

سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۹۲ وصہ ۹۲)

درایت کے لحاظ سے جس انسان کی سیرت کا طرہ امتیاز ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل استعمال کرنا ہو ایسے مفاد پرست انسان کے لئے جو کچھ بھی وہ کر گزرے بعید نہیں۔ یہ تو سیرت کا عام پہلو ہے اور جب کہ یزید

کی ولیعہدی خصوصاً کے لفظ سے ممتاز ہو اس کے حصول کے لئے جائز وناجائز وسائل کا استعمال لازم اور ضروری ہے جب وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی خلافت کی روح ختم کرسکتا تو کسی انسان کی زندگی کو ختم کرنا جو اس کے اس خصوصی مقصد کی راہ میں سد راہ ہو ہر طرح سے ممکن ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا انہوں نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں عمرو بن الحمق الخزاعی، مالک ابن اشتر، محمد بن ابی بکر، رشید ہجری میثم تمار وغیرہم کو محض محبت اہل بیت کا دم بھرنے کے جرم میں قتل کیا گیا اور اس سے مقصد اہل بیت کو کمزور کرنا، بے دست وپا بنانا تھا۔ حالانکہ ان لوگوں سے مخالفت صرف جناب امیر علیہ السلام یا امام حسن و دیگر افراد کی وجہ سے تھی تو ایسا انسان جو نسبت رکھنے والوں کو قتل کرا سکتا تو اگر اصل مرکز پر غلبہ پانے کا امکان ہو تو وہ اصل شخصیت کو جن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا قتل کرانے یا زہر دلانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ یزید کی ولیعہدی کے لئے امیر معاویہ نے کیا کچھ نہیں کیا۔

مغیرہ نے کوفہ سے ایک وفد تیار کرنے کی سکیم مرتب کی کہ وہ معاویہ کی خدمت میں جائے اور یہ التجا پیش کرے کہ وہ یزید کو اپنا ولیعہد قرار دیں پھر بھی ایسے لوگ کم ملتے تھے جو اس وفد میں شریک ہونا پسند کریں اس کے لئے مغیرہ کو اپنی جیب خاص یا خزانہ سرکاری سے تیس ہزار درہم رشوت میں صرف کرنا پڑے، اس طرح کوفیوں کا ایک وفد مرتب کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کی قیادت میں امیر معاویہ کے پاس روانہ کیا۔ وفد

نے جیسا سبق اسے رٹا یا گیا تھا امیر معاویہ سے یزید کی نامزدگی کی درخواست کی معاویہ اس التجا کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے انہوں نے وفد کو مناسب جواب دے کر علیحدگی میں موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا سچ بتاؤ کتنے پر تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین وایمان کو خرید کیا موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم میں (تاریخ کامل ابن اثیر جزری)

اب بتلایئے کہ جو دین وایمان کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہو ایسے شخص سے حصول مقصد کے لئے بڑے سے بڑا اقدام بھی ممکن بلکہ اغلب معلوم ہوتا۔

ولیعہدی یزید کی کامیابی کے بارے میں معاویہ صاحب مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیّہ پر بہت بھروسہ رکھتے تھے مگر ان دونوں کا انتقال ہو گیا اب امیر معاویہ نے بذات خود پوری قوت اور جوش کے ساتھ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ اس مقصد میں ان کا خاندانی طبیب بھی شریک تھا چنانچہ اس کے تذکرہ میں علامہ ابن ابی صیبعہ عیون الانبأ فی طبقات الاطبا میں بضمن حال تمام طبیب معاویہ لکھتے ہیں:۔

ابن آثال دمشق کا نصرانی طبیب۔ معاویہ کی خلوت وجلوت کا جلیس تھا اس کے بنائے ہوئے زہروں سے معاویہ کے زمانہ حکومت میں اکابر مسلمین امرا کی ایک بڑی جماعت کی جانیں تلف ہوئیں۔

یزید کی ولیعہدی میں جس طرح حجاز میں عبداللہ ابن عمرؓ حسنؑ ابن علیؑ

عبداللہ ابن زبیر عبداللہ ابن عباس اور عبدالرحمن ابن ابی بکر سے معاویہ کو مخالفت کا اندیشہ تھا اسی طرح شام میں بھی دو شخصیتیں عبدالرحمن ابن خالد اور سعید بن عثمان اس مقصد میں زبردست رکاٹیں تھیں۔

خالد فاتح شام تھے جن کی کمانڈ میں اولاد ابی سفیان کو فتوحات کے دروازہ سے قصر حکومت میں داخلہ کا موقعہ ملا۔ عبدالرحمن ابن فاتح شام خالد بن ولید کے چشم و چراغ تھے مفتوحہ ممالک سب ہی میں خالد بہ حیثیت فاتح کے ہر دل پر قبضہ کئے ہوئے تھے، ان کے بیٹے عبدالرحمن کے ہوتے ہوئے کیا ممکن تھا کہ اہل شام کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں؟

عیون الابنار میں ابی سہیل سے مروی ہے کہ معاویہ نے جب یزید کی ولیعہدی کا ارادہ کیا تو اہل شام سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور لوگوں نے عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو اس منصب کے لئے قرار دیا معاویہ یہ سنکر کچھ دن خاموش رہے اتفاق سے عبدالرحمن بیمار پڑ گئے معاویہ نے ابن آثال عیسائی طبیب سے ملکر ان ہی دعبدالرحمن کو زہر دلوا دیا۔

ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب امثال میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب معاویہ کو عبدالرحمن سے خوف ہوا کہ خلقت میرے بعد ان کو منتخب کرے گی تو انہوں نے عبدالرحمن کو اپنے طبیب سے زہر دلوا دیا جب عبدالرحمن کی وفات ہوگئی۔ تو معاویہ نے یہ فقرہ کہا جو ضرب المثل ہوگیا . . . . یعنی جو مکر وہاں پیش آئے اسے اسی جگہ ختم کرو سوائے اس کے کوئی کوشش نہیں۔

اس ضرب المثل میں جو اصول ہے اس اصول کے لحاظ سے معاویہ کا زہر خورانی امام حسن علیہ السلام میں شریک ہونا موجب استعجاب نہیں جو شخص اپنے فوجی افسر اعلیٰ اور محسن کے بیٹے کو جس کے ذریعہ سے وہ ایک فوجی سے گورنری کے عہدہ تک ترقی کر گیا زہر دلوانا ثابت ہے تو اسے اپنے معاند خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ امام حسنؑ کو زہر دلوانا درایتاً بعید نہیں۔

ولیعہدی یزید کی جد و جہد میں جب امیر معاویہ مدینہ کے قریب پہنچے تو حسینؑ بن علیؑ سے ملاقات ہوئی حسین علیہ السلام کو دیکھکر امیر معاویہ نے کہا۔

نہ تمہارے لئے خوشی نہ مبارکی تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہو۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائے گا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا چپ رہو ہم ایسے کلام کے اہل نہیں ہیں۔

معاویہ نے کہا اس سے بھی بدتر کلام کے مستحق ہو پھر اس کے بعد ابن زبیر سے ملے تو ان سے بھی یہی کہا کہ تو ایک چھپے ہوئے مکار سوسمار کے مانند ہے جو سر کو اپنے سوراخ میں ڈالکر دم ہلاتا ہے قسم خدا کی عنقریب اس کی دم پکڑ لی جائے گی دور کرو اس کو اور پھر ان کے خچر پر چابک مارا اور ہٹا دیا پھر اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے ملے ان کو کہا کہ یہ بڈھا بھی سٹھیا گیا ہے اور اس کی عقل جاتی رہی ہے پھر حکم دیا کہ ان کی سواری کے خچر پر بھی تازیانہ مارو اور ہٹا دو۔ پھر عبداللہ ابن عمر سے بھی ایسا ہی سلوک کیا۔

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۵۴)

جب حضرت عائشہ نے اس واقعہ کو سنا تو غصہ میں معاویہ کے پاس گئیں اور کہا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم میرے ایک بھائی (محمد بن ابی بکر) کو قتل کر چکے تم نے لاش ان کی آگ میں جلائی آج مدینہ میں اگر میرے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچاتے ہو اور ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہو اور فرزند رسول اور عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن زبیر کو بھی ڈراتے دھمکاتے ہو تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں رسول اللہ نے رحم کھا کر فتح مکہ میں قتل سے آزاد کر دیا تھا تمہیں ایسی حرکتیں ہر گز زیب نہیں دیتیں۔

المختصر حضرت عائشہ نے ولیعہدی یزید کی مخالفت میں بڑا نمایاں حصہ لیا چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ معاویہ مدینہ میں منبر رسول پر بیٹھے یزید کی بیعت لے رہے تھے کہ حضرت عائشہ نے اپنے حجرہ سے پکار کر فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ کیا کر رہے ہو کیا تم سے پہلے شیخین نے بھی اپنے بیٹوں کے لئے کبھی بیعت لی تھی؟

امیر معاویہ نے کہا کہ نہیں۔ اس پر ام المومنین عائشہ نے فرمایا کہ پھر تم کس کی پیروی کرتے ہو؟ معاویہ سنکر شرمندہ ہوئے اور منبر سے اتر گئے

یہ امر صیغہ راز میں ہے اور بالکل پر اسرار ہے کہ اسی کے بعد حضرت ام المومنین عائشہ کی وفات ہو گئی کہنے والوں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور ذمہ داری اس کی امیر معاویہ پر عائد کی ہے۔ جس کو حکیم

سنائی نے بھی اپنی شہرۂ آفاق مثنوی حدیقۃ الحقیقہ میں نظم کیا ہے ان کا آخری شعر ہے ؎

ہر کہ با جفت مصطفےٰ زین سان   میکند مرد را امیر مخوان ؟

حبیب السیر اور مناقب مرتضوی میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے مگر چند وجوہ ایسے ہیں کہ تاریخی قلم اس کی ذمہ داری لینے کے لئے آمادہ نہیں اگر یہ واقعہ سچ ہے تو جو حکمران حصول مقصد کے لئے ام المومنین سے یہ سلوک کر سکتا اور پیش بندی اور احتیاط قبل از وقت کے طور پر فاتح شام خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو ختم کر سکتا ہے اس سے امام حسنؑ کو زہر دلوانے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے جبکہ بقول علامہ ابن حجر عہد نامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی . کہ معاویہ کے بعد پھر سلطنت خاندان نبوت کی طرف عود کرے گی (فتح الباری)

ایک پولیٹیکل ذہنیت کے انسان کے لئے استحقاق سلطنت کا دعوٰے کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنا عین قرین حقیقت ہو سکتا ہے

امیر معاویہ کا امام حسین علیہ السلام سے یہ کہنا

تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے

خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائے گا

جو حسنؑ کے بعد دوسرے حقدار کے لئے حلف اٹھا رہا ہو کہ تمہارا خون ضرور گرایا جائے گا اس کا پہلے حقدار کو زہر سے ختم کر دینا قرین قیاس

ہے بلکہ قرین یقین ہو سکتا ہے۔

معاویہ کے تمام افعال خواہ وہ بعد جنگ صفین ہوں یا قبل جنگِ صفین صرف ایک ہی اصول کے ماتحت سمجھ میں آسکتے ہیں کہ وہ ایک پولٹیکل ذہنیت کے انسان تھے اور اپنے مقاصد کے حصول میں انہوں نے کبھی کسی امر کو مانع و حارج نہیں ہونے دیا اور جس امر اور جس شخص کو اپنی خواہش حکومت میں خارِ راہ سمجھے ناجائز طریقہ سے بھی اس کا کانٹا نکالنے میں دریغ نہیں کیا۔ حضرت امام حسنؑ کو جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا یہ کون عورت تھی۔

جعدہ اشعث کی بیٹی، محمد و قیس پسرانِ اشعث کی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ کی بیٹی حضرت ابو بکر کی حقیقی بھانجی، اس خاندان کی روایات کو پڑھیئے اس پر حضرت امام حسن کو زہر خورانی کے واقعہ کی تحقیقات میں آپ کو کافی مدد ملے گی۔ اشعث جعدہ کا باپ واقعہ تحکیم میں جناب امیر علیہ السلام کی سب سے زیادہ مخالفت کرنیوالا شخص تھا یہی شخص تھا جس نے جناب امیر کی نافرمانی کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ کہا کہ ہم تحکیم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنانے پر راضی ہیں اور جناب امیر علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود اسی ضد پر اڑا رہا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ معاویہ سے ایک بہت بڑی رقم بطور رشوت حاصل کر چکا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۲۰۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ خاندان رشوت کی وجہ سے مخالفت خاندان رسالت پر کمربستہ تھا۔ اور رشوت سے اموی حکومت کا آلۂ کار

تھا۔

کافی میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اس خاندان کی خاندانِ رسالت کے خلاف جد وجہد ان الفاظ میں منقول ہے۔

ان اشعث بن قیس شرک فی دم امیر المومنین وابنته جعدہ سمت الحسنؑ وابنه محمد شرک فی دم الحسینؑ (منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۷۳)

اشعث بن قیس خون جناب امیرؑ میں شریک تھا اس کی بیٹی جعدہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اس کا بیٹا محمدؑ نے خون سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام میں شرکت کی۔

جس شب علی الصباح بدبخت ازلی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے جناب امیر علیہ السلام کے سرِ اقدس پر ضرب لگائی۔ ابن ملجم کی مدد کے لئے اشعث بھی مسجد کوفہ میں موجود تھا اور ابن ملجم اور شبیب وغیرہ کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام کی سازش قتل میں شریک وسہیم اور حصہ دار تھا حضرت حجر بن عدی بھی اس شب کو مسجد کوفہ میں عبادت کر رہے تھے انہوں نے سنا کہ اشعث ابن ملجم کو کہہ رہا تھا النجا النجا بحاجتک فقد فضحک الصباح اپنی حاجت کو جلدی پورا کر جلدی صبح ہونے پر تجھے رسوا کر دیا جائے گا، حضرت حجر اشعث کے مطلب کو سمجھ گئے اور اشعث سے مخاطب ہو کر

کہا قتلت یا اعور اے یک چشم تو نے انہیں خود قتل کر دیا۔ حضرت حجر جناب امیر کو اطلاع دینے کے لئے جلدی سے آگے بڑھے مگر اس وقت تک ابن ملجم اپنا کام کر چکا تھا۔ (منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ جلد ا صس۲ (الدمعۃ الساکبہ ص۲۰۴، مناقب شہر آشوب جلد ۵ ص۸۱ کشف الغمہ ص۱۳۱)

امیر معاویہ کو علم تھا کہ جعدہ امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں ہے اور اس خاندان کی صاحبزادی ہے کہ مال و دولت جن کا دین و ایمان اور حب جاہ و منصب جن کا طرۂ امتیاز ہے تو ان کا جعدہ کو رشوت دیکر زہر پلوانا درایۃً صحیح معلوم ہوتا ہے

بروایت شیخ مفید علیہ الرحمۃ جعدہ کی طرف در پردہ ایک لاکھ درہم بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تو امام حسن علیہ السلام کو زہر کھلا کر ہمیشہ کے لئے رخصت کر دے تو میں تیرا عقد اپنے بیٹے یزید سے کر دوں گا۔ اس طرح تو ملکۂ شام ہو جائے گی

(کشف الغمہ ص۱۷۳ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص۱۷۳) (روضۃ الصفا جلد ۳ ص۵)

معاویہ نے مزید وعدہ کیا کہ تیری زہر خورانی سے اگر امام حسن علیہ السلام نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا تو تجھے پچاس ہزار دینار مزید عطا کروں گا اور سواد کوفہ اور نیہقی سورا سے دس موضع جاگیر بھی تجھے بخش دوں گا

(الدمعۃ الساکبہ ص۲۵۱) (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۴۵)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے معاویہ نے امام حسن کی خاطر ایک زہر قاتل جعدہ کی طرف روانہ کیا اور ایک لاکھ درہم کا وعدہ بھی کیا اب جعدہ کو طمع مال و دولت اور ملکہ شام ہو جانے کی محبت نے اندھا کر دیا امام حسنؑ کو زہر پلا دیا۔ اب معاویہ کا جب مطلب نکل آیا تو ایفائے عہد کیوں کرتے ہ

ان کو ان سے وفا کی تھی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے۔

جعدہ نے حجت خدا کو قتل کر کے جہنم بھی خریدا اور معاویہ کی بیوفائی کے باعث دنیا کی جاہ و حشمت بھی نصیب نہ ہوئی۔ خسر الدنیا والاخرہ ہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ الدمعۃ الساکبہ ص ۲۵۱)

از افادات عالم باعمل مولانا سید گلاب شاہ صاحب مدظلہ العالی۔

استیعاب میں ہے کہ امام حسنؑ کو ان کی بیوی جعدہ نے زہر دیا اس میں معاویہ کی سازش تھی مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ قتادہ کا قول ہے کہ ان کی بیوی جعدہ نے انہیں زہر دیا اس میں امیر معاویہ کی سازش تھی انہوں نے پوشیدہ طور پر کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کسی حیلے سے امام حسن علیہ السلام کو قتل کر دو تو میں تم کو ایک لاکھ درہم دوں گا۔ اور یزید کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں گا، جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے وفات پائی تو معاویہ نے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھیج

دیتے اور کہلا بھیجا کہ میں یزید کی زندگی کا خواہاں ہوں ورنہ تیرا نکاح اس سے کر دیتا
اموی دور خلافت جلد ا ص۳۹۷) (ازافادات علامہ سید محمد باقر
نقوی مدیر اصلاح کھجوہ)

ان حقائق کی موجودگی میں یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ زہر خورانی کا کارنامہ خود یزید کا تھا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کی اطلاع امیر شام معاویہ کو نہ ہو اور ان کے ایماں کے بغیر ایسا کیا گیا ہو۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر خورانی میں امیر شام کی شرکت اور بھی تاریخی قرائن سے ثابت ہے۔

فضل ابن عباس کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس بطریق سفارت معاویہ کے پاس گئے ہوئے تھے وہ ناقل ہیں، میں مسجد میں تھا معاویہ نے زور سے تکبیر کہی قصر خضرا کے آدمی بھی تکبیر کہنے لگے ان کی آواز سنکر فاختہ بنت قرظہ (زوجہ معاویہ) اپنی کھڑکی سے نکلیں اور کہنے لگیں اے امیر اکونسی ایسی خبر تم کو ملی جس سے اس قدر خوش ہوئے معاویہ نے کہا حسنؑ ابن علیؑ کی موت سے خوش ہوا فاختہ بنت قرظہ رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ مسلمانوں کے سردار رسول اللہ کے نواسہ نے انتقال کیا، معاویہ نے کہا خدا کی قسم وہ اسی کے اہل تھے جو کچھ میں نے کیا۔ وہ ہرگز اس کے اہل نہ تھے کہ کوئی ان پر روتے، کچھ دیر کے بعد عبداللہ ابن عباس معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ نے کہا کہ اے ابن عباس مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسن ابن علی نے انتقال کیا ابن عباس کہنے لگے کیا تم نے اسی لئے تکبیر کہی تھی، معاویہ نے کہا ہاں ابن عباس نے کہا واللہ اگر وہ مر گئے تو تم بھی باقی نہ رہو گے ہم لوگ مرنے کے بعد آنحضرت کے پاس پہنچ جائیں گے

اللہ تعالیٰ ہمارے زخم کو بھرے گا۔ اور ہمارے آنسو پونچھ جائیں گے۔ معاویہ کہنے لگا ابن عباس کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے تمہیں گفتگو کے لئے تیار نہ پایا (اموی دور خلافت جلد ا ص ۳۹۰)

بعض روایات میں ہے کہ معاویہ نے حضرت حسن علیہ السلام کی موت پر کہا میرے قلب نے راحت پائی۔

تیسیر الباری شرح صحیح بخاری متعلقہ حاشیہ الکتاب الفتن میں مولوی وحید الزمان خان لکھتے ہیں۔

> معاویہ نے بعد وفات امام حسنؑ اظہار مسرت کر کے یہ بھی کہا تھا کہ امام حسن علیہ السلام ایک انگارہ تھے جسے اللہ نے بجھا دیا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں

> فاختہ بنت قرظہ زوجہ معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کی خبر وفات پر جب معاویہ نے تکبیر کہی تو کہا افسوس فاطمہ کا بیٹا دنیا سے اٹھے اور آپ تکبیر کہیں۔
>
> امیر معاویہ نے کہا میں نے کچھ طعن و تشنیع یا کسی کی دل آزاری کے لئے تکبیر نہیں کہی بلکہ میرے دل کو ایک بڑے خطرہ سے اطمینان ہوا اس لئے میں نے تکبیر کہی۔ حیوۃ الحیوان جلد ا ص ۵۱)

تیسیر الباری میں ہے کہ خبر وفات امام حسن علیہ السلام سنکر معاویہ

نے سجدہ کیا۔ اور اظہار مسرت کر کے یہ بھی کہا کہ حسن ایک انگارہ تھے جس کو بجھا دیا دراسات اللبیب میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

مقدام بن معدی کرب جو رسول اللہ کے اصحاب میں تھے اور عمرو بن ابی سفیان دونوں امیر معاویہ کے پاس موجود تھے۔ کہ معاویہ نے مقدام سے کہا کیا آپ کو معلوم ہوا کہ حسن بن علی کی وفات ہو گئی۔ مقدام نے افسوس کے ساتھ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ معاویہ نے کہا مقدام کیا تم حسن کی وفات کو مصیبت خیال کرتے ہو؟

انہوں نے کہا کیوں نہیں؟

حسن وہ ہے جس کو رسول اللہ اپنی گود میں بٹھاتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ حسن مجھ سے ہے اور میں حسن سے ہوں یہ سنکر معاویہ نے کہا حسن کا وجود ایک آگ کی چنگاری تھا جس کو خدا نے بجھا دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اتفاق سے ابن عباس اس زمانے میں شام میں تھے معاویہ نے انہیں بلوا بھیجا اور شہادت امام حسن کے سانحہ کی اطلاع دی اور کچھ طعن و تشنیع کے الفاظ کہے ابن عباس نے کہا ان کی وفات کے طعنے نہ دیجئے آپ بھی اب کچھ زیادہ دنیا میں رہنے والے نہیں ہیں (اخبار الطوال صفحہ ۲۲۴)

عوانہ بن الحکم کہتے ہیں کہ قبل از انتقال امام حسنؑ معاویہ کا چند روز پیشتر ایک خط مروان حاکم مدینہ کے نام بصیغہ راز آیا تھا کہ امام حسن کے حالات سے فوراً مطلع کرو اس کو آئے چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ امام حسن نے

انتقال کیا (اموی دور خلافت جلد ا صـ ۳۹۹)

اس قسم کے واقعات مستدرک حاکم، کنز العمال، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، سنن ابی داؤد و نسائی میں بھی ہیں ان قرائن سے درایتہً امیر معاویہ پر خون امام حسن میں شمولیت ثابت ہوتی ہے کوئی قدیم وجدید محاکمۂ تاریخی معاویہ کی بریت اس واقعہ سے نہیں کرتا۔ اگر ان تمام روایتوں کو بفرض محال جھوٹ بھی قرار دے دیا جائے تب بھی حضرت امام حسن کا زہر سے شہادت پانا مسلمہ ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے سرالشہادتین میں شہادت کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔

سری شہادت اور علانیہ شہادت اور کہا ہے کہ سری شہادت سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کے حصّہ میں تھی، (سرالشہادتین) جب یہ شہادت واقعہ ہوئی اس وقت معاویہ کی حکومت تھی جن کے اہل کار ادنٰی ادنٰی واقعات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ شرعی حدود جاری ہوتے تھے سزائیں دی جاتی تھیں حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے متعلق معاویہ یا ان کے کسی اہلکار نے تحقیقات تک نہ کی، معاویہ اور ان کے حکام کا یہ سکوت خود اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ معاویہ کے ایما اور سازش سے حضرت امام حسن کو زہر دیا گیا۔ غیر معمولی عجلت کے ساتھ دفعۃً مروان سے حضرت امام حسن کا حال معلوم کرنے کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ حضرت امام علیہ السلام کوئی سامان بغاوت نہیں کر رہے تھے، کہ جس کی تحقیقات کے لئے اس قدر عجلت سے ان کا حال دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہو امام حسن

علیہ السلام خود سلطنت سے دستکش ہو گئے تھے۔ مگر شرائط صلح میں آپ نے ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ معاویہ کے بعد حکومت پھر خاندان نبوت کی طرف واپس ہو گی۔ (روضۃ الصفا، تاریخ الخلفا، تذکرہ الکرام ارجح المطالب) یہی شرط آپ کے قتل کا باعث ہوئی۔ اموی دور خلافت جلد اصفحہ ۹۸)

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

کہ اس عہد نامے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ کے بعد پھر سلطنت خاندان نبوت کی طرف عود کرے گی۔

ابن ابی خیثمہ بطریق عبداللہ بن شوذب ناقل ہیں کہ امام حسن نے معاویہ سے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا معاویہ سے اپنی سلطنت کے لئے عہد لے کر صلح کر لی بعض علمائے متاخرین جب معاویہ کی خطائے اجتہادی پر مصر ہوئے تو اس واقعہ کو بھی یزید کی طرف منسوب کر دیا ناقلین نے بلا تحقیق اسے نقل کرنا شروع کر دیا حالانکہ تاریخی شہادت جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس کے بالکل خلاف ہے۔ (اموی دور خلافت جلد اصفحہ ۹۹)

واقعہ زہر خورانی پر پردہ ڈالنے کی جو سعی تیرہ سو برس سے آج تک کی جا رہی ہے اس کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ جس پر مؤرخین کی نظر سب سے پہلے پڑنی چاہیئے تھی بعض قدیم مؤرخوں نے سرے سے لکھا ہی نہیں۔

واقعہ کی اہمیت میں کلام نہیں مگر یہ واقعہ ایسے اہم زمانے میں ہوا جبکہ

اموی حکومت کا اقتدار انتہائی شباب پر تھا یہ وہ اموی حکومت تھی جس نے مسلمانوں میں سب سے پہلے تاریخ نویسی کی ابتداکی اور تاریخ لکھنے والے اموی اقتدار کے زر خرید تھے یہ زمانہ وہ زمانہ تھا جب اہل بیت رسالت آل محمد کی حمایت میں لبوں کی جنبش پر سر کٹتے زبانیں قطع ہوتیں، ہاتھ اور پاؤں کاٹے جاتے آنکھوں میں سلائیاں پھیری جاتی تھیں جب زبان سے ادا ہونے والے الفاظ پر یہ سزائیں تھیں تو اسے لکھنے پر جس کے اثرات دیر پا ہیں کیا کچھ نہ ہوگا ایسے استبداد کے تاریک زمانے میں کس کی مجال تھی کہ وہ ایسے اموی مظالم کی داستان لکھ سکے جس پر حزب اقتدار نے پردے ڈالنے کا اہتمام کیا ہو جس کے اخفا پر حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہو اس زمانے میں ایسے چند اشارے اور چند قرائن کا موجود ہونا جس سے آئندہ زمانے کا مؤرخ درایتہً کچھ انصاف کر سکے بہت غنیمت ہے۔

جب چند بارسوخ انسان کسی واقعہ قتل پر پردہ ڈالنے پر تل جائیں تو وہ واقعہ پس پردہ ایسا پوشیدہ ہو جاتا ہے کہ اس کا انکشاف انسانی بس کی بات نہیں رہتی مرحوم خان لیاقت علی خان کا قتل کل کی بات ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک جاہل کندۂ ناتراش پٹھان سید اکبر کا یہ انفرادی فعل تھا بلکہ اس کی پشت پر ایک منظم سکیم جسے ارباب سیاست نے مرتب کیا تھا کام کر رہی تھی، حالانکہ اس واقعہ کی تفتیش بارہا کی گئی مگر آج تک اس گروہ کو منصۂ شہود پر نہ لایا جا سکا جب جمہوریت کے زمانہ میں چند بارسوخ آدمیوں کی ریشہ دوانیاں حقیقت پر پردہ ڈال سکتی ہیں تو دور

استبداد میں جبکہ اقتدار کی ساری مشینری اخفا کے لئے حرکت میں ہو انکشاف حقیقت کس طرح ہو سکتا ؟

زہر خورانی کے واقعات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کو محدث حاکم نیشاپوری نے اپنی مستدرک میں درج کیا ہے۔

عن ام بکر بنت سور قالت کان الحسن بن
علی سم مرارا کل ذلك یفلت حتی کانت
المرۃ الاخیرۃ التی مات فیها فانه کان
یختلف کبدہ ۔ مستدرك حاکم

ام بکر بن مسور روایت کرتی ہیں کہ حسن ابن علی کو
کئیں مرتبہ زہر دیا گیا تو ان کے جگر کے ٹکڑے کٹ
کٹ کر گرتے تھے۔

بہر کیف اس روایت سے زہر دینا اور ایک دفعہ نہیں کئیں دفعہ زہر دینا ثابت ہے۔ اس پر یہ کہنا کہ روایت میں زہر دینے کا واقعہ ہے لیکن امیر معاویہ کیا معنیٰ کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔ غنیمت ہے کہ زہر دینے کو تو اس نازک دور میں تسلیم کر لیا گیا۔ امویوں نے اس واقعہ کو چھپانے کی پہلی جو کوشش کی وہ اخبار الطوال میں موجود ہے۔

پھر حسن مدینہ میں بیمار پڑے اور حالت خراب ہو گئی۔ تو ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو اس وقت اپنی زمینداری پر تھے بلایا گیا۔ وہ حسن کی وفات کے پہلے پہنچ گئے اور حسن کے پاس آکر ان کے بائیں جانب

بیٹھے حسین داہنے جانب تھے حسن نے آنکھ کھولی اور ان دونوں کو دیکھکر حسین سے کہا برادر عزیز میں تم کو تمہارے بھائی محمد سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں. کیونکہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیان چمڑہ کی طرح عزیز ہے پھر محمد بن حنفیہ سے کہا محمد میں تم کو وصیت کرتا ہوں. کہ تم حسین کے گرد جمع ہو کر انکی مدد کرنا پھر کہا. مجھے روضہ رسول میں دفن کرنا اگر تمکو روکا جائے تو بقیع میں دفن کر دینا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مروان نے نبی صلعم کے ساتھ دفن کرنے سے روکا تو بقیع میں دفن کئے گئے.

(سیر الصحابہ جلد ہ صفحہ ۹۹)

اس واقعہ میں شروع سے آخر تک زہر خورانی کا تذکرہ نہیں یہ اس لئے ہے کہ سب سے پہلے شہادت حسن پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی وہ یہ تھی کہ زہر خورانی کا نام تک نہ آئے لیکن یہ کوشش ناکام رہی چونکہ یہ قتل جو زہر خورانی سے ہوا چھپ نہیں سکتا تھا چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں زہر خورانی کا تذکرہ تو ہے مگر زہر دینے والے کا نام نہیں اسی طرح علامہ ابن واضح کاتب عباسی اپنی تاریخ یعقوبی میں زہر خورانی کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس میں بھی زہر دینے والے کا نام نہیں حسن ابن علی نے ربیع الاول ۴۹ھ میں وفات پائی جب وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی حسین سے کہا یہ تیسری مرتبہ کا آخری مرتبہ ہے. جس میں زہر پلایا گیا. لیکن اس مرتبہ کے جیسا کبھی نہ تھا میں آج ہی مر جاؤں گا. جب میں مر جاؤں تو مجھے رسول اللہ کے ساتھ دفن کرنا. کہ میری قرابت

قریبہ کیونجہ سے میرے مقابلہ میں کوئی اس کا مستحق نہیں ہے البتہ تم رد کے جاؤ گے تو ایک تیا پچھنے کے برابر بھی خونریزی نہ کرنا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

اب یہ دوسرا مرحلہ ہے پہلے مرحلہ میں زہر خورانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش جب اس میں ناکامی ہوئی تو اب زہر خورانی کے واقعہ میں تو زہر دینے والے کے نام کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔

تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ لکھا بھی جائے تو ایسے الفاظ میں کہ جس سے اس روایت کا ضعف ثابت ہو۔

ویقال انہ مات مسموماً قال ابن سعد
اخبرنا اسماعیل ..... عن عمیر بن اسحٰق
دخلت انا وصاحب لی علی الحسنؑ ابن علیؑ قال
لفظت طائفۃ من کبدی وانی قد سقیت
السم مرارًا ولم اسق مثل ھذا فاتاہ الحسینؑ
بن علیؑ فسألہ من سقاہ فابی ان یخبر رحمہ اللہ
تعالیٰ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

اس یقال کو واقعہ پر پردہ ڈالنے والوں نے ضعف روایت کی علامت قرار دیا اور اس مرتبہ میں پردہ ڈالنے کی یہ کوشش بھی شامل ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے زہر دینے والے کا نام نہیں بتلایا۔

چوتھے مرحلہ میں زہر دینے والی کا نام تو زبان پر آنے لگا مگر پس پردہ کے نام پر پردہ ڈالنے کی سعی کی گئی۔

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں:۔

کان سبب موتہ ان زوجتہ جعدہ بنت
الاشعث بن قیس سقتہ السم فکان
توضع تحتہ طست وترفع اخری نحو اربعین
یوماً فمات منہ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۵)

اور ان کی یعنی حسن کی موت کا سبب یہ تھا کہ ان
کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے ان کو
زہر پلا دیا تھا اور چالیس دن تک ان کے نیچے ایک
طشت رکھا جاتا تھا اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا
اسی میں وہ انتقال فرما گئے۔

پانچویں مرحلہ میں اصل شخصیت کا نام آیا مگر ایسی روش سے کہ پھر
زہر خورانی امام حسن علیہ السلام امر مشتبہ ہو جائے چنانچہ سلسلہ طبقات
کی مستند ترین کتاب الاستیعاب میں ہے:۔

قال ابو قتادہ وابو بکر بن حفص سم الحسن
ابن علی رضی اللہ عنہما سمتہ امراتہ جعدہ
بنت الاشعث بن قیس الکندی وقالت
طائفۃ کان ذلک منہا بتدسیس
معاویۃ الیہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واللہ اعلم

قتادہ اور ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ حسن بن علیؑ

کو زہر دیا گیا ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث
بن کندی نے زہر دیا تھا، ایک گروہ کہتا ہے کہ
معاویہ کے اشارہ سے دیا تھا۔ . . . واللہ
اعلم (استیعاب جلد ا

ایک گروہ کے معنی یہ ہیں کہ جو اموی پارٹی کے ممبر نہیں تھے اور مقتول کے حامی تھے وہ حقیقت حال سے پردہ اٹھانے میں جرأت و جسارت سے کام لے رہے تھے بعض دور جدید کے اہل سنت مؤرخین طائفہ کا اردو میں ترجمہ کرتے وقت ایک چھوٹا سا گروہ ترجمہ کرتا ہے۔ خدا معلوم لفظ "چھوٹا" کونسے عربی لفظ کا ترجمہ ہے اس حقیقت کو چھپانے کے لئے کیا کیا روشیں اختیار کی جاتی ہیں۔ آخر میں صاحب استیعاب کے لفظ ہیں۔ واللہ اعلم، ہم اسی "اعلم" کی بارگاہ میں ملتجی ہیں۔ احکم بیننا وبین قومنا وانت خیر الحاکمین

ابو الفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

وتوفی الحسن من سم سقته زوجته جعدہ
بنت اشعث قیل فعلت ذالك بامر معویة
وقیل بامر یزید

(تاریخ الفدا جلد ۱ ص۱۸۳)

اور امام حسن کے زہر سے وفات پائی جو ان کی
بیوی جعدہ بنت اشعث نے پلایا تھا اور کہا

گیا ہے کہ اس نے یہ فعل معاویہ کے حکم سے کیا تھا
اور کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے کیا تھا۔

راویت بتاتی ہے کہ اگر حضرت معاویہ صاحب نے حکم دیا تو یہ امر یزید کی شمولیت کے بغیر نہ تھا اور اگر یزید نے دیا تو معاویہ صاحب بھی اس میں شامل تھے۔ جس یزید کی حکومت کے لئے عبدالرحمٰن بن خالد کا خاتمہ ہوا۔ ام المومنین بی بی عائشہ سے مخالفت ہوئی۔ بقول مؤرخین اہل سنت اسلام کی حقیقی سپرٹ کا گلا گھونٹ دیا گیا وہ سیاسی معاملات میں اور اپنی سیاسی سکیموں کو انفرادی طور پر کسی امر کو انجام نہیں دے سکتے تھے جو کچھ ہو گا یا ہوا باہمی مشورہ سے ہی ہوا۔

باقی رہا یہ کہ اس بیان میں لفظ "قیل" ہے تو ایسے نازک دور میں جبکہ آل محمد کی مدح پر زبانیں کٹتی ہوں اور امیر المومنین کو سب نہ کرنے پر ایسے لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہو جن میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جیسے مرتاض صحابی ہوں کس کی جرأت تھی کہ اس راز کو افشاں کرنے والے کا نام لیکر لکھے اس لئے لفظ "قیل" سے اس امر کا بیان ہو جاتا۔ غنیمت بھی ہے اور تعجب انگیز بھی۔

اب علامہ مسعودی کی بھی سنیئے جو اپنے وسعت علم و جامعیت کے لحاظ سے مؤرخین میں ممتاز پایہ رکھتے ہیں اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں تحریر فرماتے ہیں

(سیر الصحابہ جلد ۶ صفحہ ۱۰۰) :-

علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین) بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام (میرے والد) میرے چچا حسنؑ ابن علیؑ کے پاس ان کے زہر پلانے کے وقت گئے تو حسنؑ قضائے حاجت کے لئے گئے وہاں سے لوٹ کر آئے اور کہا مجھے کئے مرتبہ زہر پلایا گیا مگر اس مرتبہ جیسا کبھی نہ تھا اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے تم مجھے دیکھتے کہ میں انہیں اپنی لکڑی سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، حسینؑ نے عرض کیا بھائی صاحب کس نے پلایا حسنؑ نے کہا اس سوال سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو خدا اس کے لئے کافی ہے اگر دوسرا ہے تو میں پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے اس کے بعد حسنؑ زیادہ نہ ٹھہرے اور تین دن کے بعد انتقال کر گئے اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے معاویہ کے اشارہ سے زہر پلایا تھا۔

(مروج الذہب مسعودی صفحہ ۳۸۰ و صفحہ ۳۸۱)

امام حسنؑ کا یہ جملہ "فان کان الذی اظنہ فاللہ حسیبہ" اگر زہر

دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو خدا اس کے لئے کافی ہے۔ صاف تبلا رہا ہے کہ امام حسن جسے حقیقی زہر پلانے والا سمجھتے ہیں وہ کوئی مرد تھا جس نے اس عورت کو آلۂ کار بنایا اس زمانے میں "ذکر" کے لفظ بیان کیا جانا بھی غنیمت ہے اس لئے کہ کہنے والے اپنے نام کے ساتھ روایت کر کے تختۂ دار پر چڑھنا نہیں چاہتے تھے امام حسن علیہ السلام نے نام اس لئے نہیں تبلایا کہ ایسا نہ ہو کہ اس موقعہ پر ہمارے خاندان کے حامی حضرات حکومت سے جنگ شروع کر دیں جبکہ حضرت امام حسن علیہ السلام سمجھتے تھے کہ یہ جنگ کا وقت نہیں ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ میری اس مظلومانہ شہادت کا انتقام لینے کے لئے منتقم حقیقی اللہ ہی کافی ہے۔

اب ہم اموی مؤرخ ابن خلدون کا بیان نقل کرتے ہیں جس نے اموی ماحول میں ہی ارتقا کے منازل طے کئے تھے وہ اس طرح رقمطراز ہیں:۔

ثم ارتحل الحسن فی اهل بیته وحشمهم الی المدینة وخرج اهل الکوفة لو داعه باکین فلم یزل مقیماً الی ان هلك بسنة تسع واربعین قال ابو الفرج الاصفهانی سنة احدی وخمسین علی فراشه بالمدینة۔ وما ینقل ان المعاویه دس الیه السم مع زوجته جعدة بنت

الاشعث فهو من احادیث الشیعه
لمعاویه من ذالك . . . . .

ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۸۲ سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۱۰۳

حسن (سلطنت سے دستبرداری کے بعد) اپنے
اہل بیت اور ان کے خدام کو لیکر مدینہ چلے گئے
اور کوفہ والے روتے ہوئے ان کو رخصت کرنے
کے لئے نکلے اس وقت سے وفات تک وہ مدینہ
میں مقیم رہے ۴۹ھ میں انہوں نے وفات پائی
ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ۵۱ھ اپنے
بستر پر وفات پائی اور یہ روایت کہ معاویہ نے
ان کی بیوی سے مکر زہر دلایا شیعوں کی بنائی ہوئی
ہے حاشا معاویہ کی ذات سے ان کو کوئی تعلق
نہیں ۔

یہ ایک اموی مؤرخ کا وہ بیان ہے جس کو مؤلف سیر الصحابہ نے حضرت معاویہ کی زہر خورانی کی برئیت میں پیش کیا ہے اور مؤرخ مذکور کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے ۔

" سب سے آخر میں ابن خلدون کی رائے پیش کی جاتی ہے گو زمانے کے لحاظ سے اس کا شمار متاخرین میں ہے لیکن صحت روایت اصابت رائے اور تنقید کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہے خصوصاً مشتبہ و مختلف

فیہ واقعات میں اس کی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے کیونکہ یہ اس قسم کے واقعات کی تنقید بھی کرتا ہے اور دنیا میں فلسفۂ تاریخ کا امام ہے اور پہلا شخص ہے جس نے دنیا کو فلسفۂ تاریخ سے آشنا کیا۔"

ابن خلدون بخیال مؤلف سیر الصحابہ جس طرح تاریخی امور میں ممتاز ہے اس طرح عداوت اہل بیت اور عصبیت مسلک امویہ میں بھی ممتاز ہے۔ اور اس کا ثبوت اسی عبارت میں جو بطور استدلال پیش کی جارہی ہے اس نے سید شباب اہل الجنۃ سبط اکبر شاہزادہ صلح وامن امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کو ہلاکت کہا ہے جو "الی ان ہلک" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور مؤلف سیر الصحابہ نے اس کی عداوت اہل البیت علیہم السلام پر پردہ ڈالنے کے لئے ان الفاظ کا ترجمہ "وفات پائی" کیا ہے اس نے امام حسن علیہ السلام کی شہادت کو چھپانے کے لئے واقعہ زہر خورانی سے انکار کیا ہے۔ اور اس ناقد فلسفۂ تاریخ کے امام نے متقدمین کے زہر خورانی کے واقعہ پر کوئی تنقید نہیں کی اور اس مسئلہ کو محض شیعوں کی احادیث کی طرف منسوب کرکے اپنی اصابت رائے اور صحت روایت کا یا تو ثبوت پیش نہیں کیا یا پھر وہ ثبوت ایسا بودا اور کمزور تھا کہ مؤلف سیر الصحابہ کو اسے لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی اور انہوں نے بھی لفظ احادیث کا ترجمہ شیعوں کی بنائی ہوئی کردیا ہے ابن خلدون کا متاخر ہونے کے لحاظ سے یہ فرض تھا کہ وہ متقدمین کی زہر خورانی کے متعلق تمام روایات کو نقل کرکے اس پر تنقید کرتا اور انہیں رد کرتا اور وہ اتنا بھی نہ کرسکا جتنا سیر الصحابہ

نے کہا ہے المختصر یہ ہے شہادت سرکار صلح و امن حضرت امام حسن علیہ الصلوۃ و السلام کے واقعہ زہر خورانی کا ریکارڈ جو ہم پیش کر چکے ہیں اب ذرا درایت کی روشنی میں اس واقعہ کا جائزہ لیجئے۔

زہر خورانی کے واقعات میں اس ریکارڈ سے ظاہر ہے کہ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

اور یہ ظاہر ہے کہ ع

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

اور پھر امیر شام معاویہ کی بریت کی کوشش کرنے والوں کا انداز بتلا رہا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

اہل بیت اطہار سے وابستگی دنیا کے تمام مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ افتخار ہے یہ کسی خاص فرقہ کا اجارہ (MANAPLY) نہیں آل محمد کی محبت کا ہر مسلمان کو اعتراف ہے جو آل محمد پر افضل العبادات نماز میں درود بھیجکر اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے کہ ان ذوات قدسیہ کا نماز میں ذکر عبادت ہے اور ان کا ذکر مسقط صلوٰۃ نہیں پھر مسلمانوں میں ایک گروہ ہمیشہ موجود رہا ہے جو دشمنان آل محمد کی حمایت کو اور آل محمد علیہم السلام کی تنقیص شان کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ دور کیوں جائیں ہمارے اسی دور میں تاریخی ریسرچ کے پردہ میں امویوں اور بالخصوص یزید کی حمایت میں "خلافت معاویہ و یزید" لکھی گئی ہے حالانکہ اس کتاب کے مؤلف خاندان عباسیہ سے ہے جنہوں نے رضا آل محمد کی تحریک سے اور یالثارات الحسین (اے خون حسین کا انتقام لینے

والوں) کے نعرے لگاکر تخت و تاج حاصل کیا اور جزیرۃ العرب سے امویوں کی تطہیر کی اور ان کی حکومت کا استیصال کیا۔ خیر ہم مسلمانوں کو بلا امتیاز فرقہ ایسے لوگوں کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ مؤلف خلافت معاویہؓ و یزید واقعہ شہادت امام حسین سے انکار تو نہیں کر سکا چونکہ سرکار سید الشہداء اپنے بلند واقعہ شہادت کو اپنے تدبر سے اس مقام پر پہنچا چکے تھے جہاں سے انکار کی گنجائش نہیں تھی مگر معاندین آل محمد کی حمایت کرنے والوں نے یزید کو بری کرنے اور امام مظلوم کے معصومانہ افعال پر جرح و قدح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں جبکہ شہادت جہری میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے تو شہادت سری پر پردہ ڈالنے کے لئے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

امام حسن علیہ السلام کی ناہنجار زوجہ جعدہ بنت اشعث الکندی کے زہر دینے کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جبکہ صاحب سیر الصحابہ "بیویوں سے برتاؤ" کے عنوان کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "جب تک کوئی عورت آپ کے حبالۂ عقد میں رہتی تھی اس سے بڑی محبت کرتے اس کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے۔"

جب عورت سے محبت بھی کی جارہی ہو اور اس کی قدر افزائی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے تو اسے زہر خورانی جیسے شدید اقدام کی کیا ضرورت ہے اس زہر خورانی کا پس منظر طمع مال و زر بلکہ اس سے بھی بڑھکر کوئی سیاسی رشوت ہی ہو سکتا ہے۔ ایک صالح، نیک کردار

محبت کرنے والے اور قدر شناس شوہر کے قتل کا محرک کوئی سیاسی وعدہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کی عظیم دنیاوی سلطنت کی ملکہ بننے سے کم وعدہ اسے ایسے شنیع اقدام پہ آمادہ نہیں کر سکتا۔ اس قرینہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اقدام ارباب اقتدار کے اشارہ پر ہی ہوا ہے۔

صاحب تاریخ الخلفاء لکھتے ہیں:۔

مدینہ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے اس لئے زہر دے دیا کہ یزید بن معاویہ نے اس سے پوشیدہ طور پر کہا تھا کہ تم امام حسنؑ کو زہر دے کر مار ڈالو گی تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ اس نے آپ کو زہر دے دیا۔ جب آپ کی شہادت ہو چکی تو اس نے یزید سے ایفاء وعدہ کے لئے کہلا بھیجا۔ اس نے جواب میں کہا کہ جب میں یہ نہ دیکھ سکا کہ تو امام حسن کے نکاح میں رہے تو میں تمہیں اپنی ذات کے لئے کیونکر پسند کر سکتا ہوں۔

(تاریخ الخلفاء اردو ص ۱۳۲ مطبوعہ صدیقی پریس لاہور)

اگرچہ یزید نے لوگوں سے پوشیدہ وعدہ کیا ہو گا۔ مگر یزید کی کونسی بات ہو سکتی ہے جو شفیق باپ معاویہ سے پوشیدہ رہے۔

جعدہ بنت اشعث ایک ایسے خاندان کا فرد تھیں جو امویوں کے

ٹوڈی ہونے میں ممتاز تھا، اور ان کی امویوں کی حمایت کا راز عداوت خاندان رسالت اور گراں قدر رشوت طور میں ہی مضمر تھا، اگر قاتلہ کسی اور خاندان کی ہوتیں تو اس کا ضمیر ایسے قبیح اقدام کی اجازت نہ دیتا۔

جنگ صفین جو امیر شام معاویہ کی بغاوت کا نتیجہ ہے اس میں علی الاعلان ہزار ہا مسلمان قتل ہوئے۔ ان ہزار ہا مسلمانوں کے قتل کا سبب محض شام کے گورنر کی بغاوت تھی۔ اس قتل عام پر پردہ ڈالنے کے لئے خطائے اجتہادی کا اصول وضع کیا گیا اور اس اصول وار کی وجہ سے جو ہزار ہا انسان قتل ہوئے ان کی ذمہ داری سے معاویہ کے بری کرنے کے لئے یہ شرعی جواز کی صورت پیدا کی گئی جس سے اس عظیم الشان ظلم کے مرتکب کو نہ صرف بری قرار دیا گیا بلکہ مستحق ثواب بھی گردانا گیا۔ معاویہ جناب امیر علیہ السلام کی مرکزی حکومت کو تسلیم کر چکے تھے۔ اگر تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ قاتلان حضرت عثمان کا مطالبہ نہ کرتے۔ ہم دنیا کے بین الاقوامی قانون سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایک صوبائی گورنر کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ کہے کہ یا تو فلاں مقدمہ فوجداری کے مجرموں کو میرے حوالے کردو ورنہ میں اعلانیہ جنگ کر کے تمہارے خلاف لڑوں گا کیا اس جنگ کو بغاوت نہیں کہا جائے گا۔ یہ جنگ یقیناً بغاوت تھی اسی لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا

اے عمار عنقریب تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

جو گروہ ہزار ہا انسانوں کے قتل پر پردہ ڈالنے کے لئے خطائے

اجتہادی کی آڑ لے اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ امام حسن علیہ السلام کے قتل پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرے چنانچہ ہم آج اس خطائے اجتہادی کی حقیقت پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں وہ بھی اپنی قلم سے نہیں بلکہ ایک فاضل اہل سنت کی قلم سے یہ عبارت ہم اموی دور خلافت سے نقل کر رہے ہیں جس کے مؤلف ہمارے مایۂ ناز نوجوان مولانا سید محمد باقر نقوی مدیر اصلاح کھجوہ (بہار) ہیں جن کے خاندان کی خدمات بسلسلہ شیعہ تاریخ دفاع مذہب کا سنہری باب ہے۔ مؤلف اموی دور خلافت میں رقمطراز ہیں۔

> لگے ہاتھوں جی چاہتا ہے کہ عالم اہل سنت جناب حافظ مولوی محمد علی حیدر علوی کی مشہور کتاب "سیرۃ علویہ" کے کچھ صفحات بھی نذر ناظرین کرتے چلیں موصوف ایک سنی العقیدہ مسلمان تھے مذہب اہل سنت کے اصول و معتقدات کے سختی سے قائل تھے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ان کی سب ہی باتیں ہمارے لئے قابل قبول ہوں پھر بھی ہم نے جس موضوع کے تحت یہ صفحات نقل کئے ہیں ان کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔"

ہم ان کچھ صفحات میں سے صرف اسی قدر عبارت اخذ کرتے ہیں جو خطائے اجتہادی سے تعلق رکھتی ہے

موصوف لکھتے ہیں:۔

معاویہ پر لفظ مجتہد کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اس کو مجتہد کی تعریف بخوبی واضح کر دے گی مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام فقہیہ کو کما حقہ جانتا ہو مع ان کے دلائل تفصیلیہ یعنی کتاب و سنت اجماع و قیاس کے، اور ہر حکم کو اس کی علت کے ساتھ مرتبط جانتا ہو اور اس کے علت کا ظن قوی رکھتا ہو، یعنی قرآن پاک کی قرآت و تفسیر و حدیث کا علم مع ان کی سندوں اور معرفت صحیح و ضعیف کے اسے حاصل ہو (ازالۃ الخفا)

قبل اس کے کہ ہم اس پر کچھ لکھیں کہ معاویہ اس تعریف میں آتے ہیں یا نہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خطائے اجتہادی کسے کہتے ہیں جس میں مجتہد کسی مستقل امر متنازعہ فیہ میں کلام الٰہی اور حدیث نبوی میں بلا شائبہ نفسانیت، پورے طور پر غور و خوض کے بعد تمام ما لا و ما علیہ کی تحقیقات کر کے نیک نیتی سے کوئی رائے قائم کرے اگر وہ رائے غلط ہوتی ہے تو مجتہد کی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں، اوپر کی عبارت سے خطاء اجتہادی کے لیئے حسب ذیل باتوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ غلطی کرنے والا مجتہد ہو۔

۲۔ رائے قائم کرنے میں شائبہ نفسانیت نہ ہو۔

۴. یہ رائے کلام الٰہی و حدیث نبوی سے ماخوذ ہو۔

خطائے اجتہادی کے لئے یہ تینوں چیزیں لازمی ہیں صرف ایک جزو کی موجودگی سے ہر خطا خطائے اجتہادی جب ہی ہو گی جب تینوں جزو موجود ہوں خطائے اجتہادی پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد حقیقتاً اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ بحث کیا جائے کہ معاویہ مجتہد تھے یا نہیں اس لئے کہ معاویہ کا اگر یہ فعل خطائے اجتہادی میں آتا ہی نہ ہو تو پھر ان کے مجتہد ماننے یا نہ ماننے سے بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معاویہ کا یہ فعل کہ انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے خلاف بغاوت کی اس لئے خطاء اجتہادی نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس فعل میں کم از کم خطائے اجتہادی کی تعریف میں جزو دوم و سوم کا کہیں وجود نہیں معلوم ہوتا یہ امر ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت نص قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے معاویہ کا جناب امیر سے مقابلہ کرنا کلام الٰہی اور حدیث نبوی سے ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ جزو سوم کا نفی میں جواب دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شائبہ نفسانیت موجود تھا، ہماری اس رائے کی تائید جنگ صفین کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب عبداللہ ابن عمرو العاص اور معاویہ سے حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد ان احادیث پر گفتگو ہوئی جن میں آنحضرت نے یہ فرمایا تھا۔ کہ اے عمار تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف

تو معاویہ نے اس کی تاویل یہ کی کہ وہ گروہ باغی کا اطلاق جناب امیرؑ اور ان کے ساتھیوں پر ہوتا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک قاتل حضرت عمار بن یاسر وہ گروہ کہا جائے گا جو انہیں جنگ کے لئے لایا اور جس کی طرف سے وہ جنگ کرتے تھے نہ کہ وہ گروہ جس نے انہیں قتل کیا۔

معاویہ کی اگر تاویل صحیح مان لی جائے تو پھر قاتل حضرت حمزہ وحشی نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ نعوذ باللہ من ذالک قاتل حضرت حمزہ خود آنحضرت اور ان کے اصحاب قرار پائیں گے جن کی طرف سے حضرت حمزہ جنگ کرتے تھے معاویہ کی اس تاویل کو بھی ان کے معترف مجتہدانہ فعل کہنے پر آمادہ و مستعد ہوں تو ہوں مگر کسی ذی عقل اور صاحب فہم و ادراک سے یہ امید رکھنا کہ وہ ملوک پرستی کے جذبہ سے متاثر ہو کر ان کی طرح دن کو رات اور رات کو دن کہنے لگے اور اس شعر پر عامل ہونے کو تیار ہو گا ؎

اگر شہ روز را گوید شب است این
بباید گفت اینک ماہ و پروین

ایک بالکل خلاف عقل اور ناممکن شے ہے۔ معاویہ کو مجتہد ماننے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ان کے اجتہاد کا دعویٰ کرنا ویسا ہی ہے جیسے ابن حزم کا ابن ملجم شقی الاولین والآخرین کو قتل جناب امیرؑ میں مجتہد قرار دینا (تلخیص از حافظ ابن حجر)

جب نوبت فضول گوئی اور ہذیان کی آجائے تو پھر جس شخص کو جو چاہے

مجتہد قرار دے دے یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تاویلات سے دنیا کے معیوب ترین انسان کے لئے بھی عذراتِ لایعنی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

اگر اس پر بھی معاویہ کے معترفین انہیں مجتہد قرار دینے پر مُصر ہوں تو ہم معاویہ کی زندگی کے صرف چند واقعات یاد دلا کر اس بحث کو ختم کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

۱۔ جناب امیر و اہل بیت اطہار پر سب و شتم کا رواج دینا

(ابو الفداء، عقد الفرید، مستطرف علی الایام تمدن اسلام و تاریخ الامم

۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوانا اور اس پر اظہار خوشنودی کرنا۔ استیعاب، مروج الذہب، تاریخ خمیس، عیون الانباء حیوۃ الحیوان بحوالہ، ابن خلکان، روضۃ الصفا، طبری، شعبی، طبقات ابن سعد۔ تاریخ ابو الحسن المدائنی تذکرہ خواص الامہ وغیرہ)

۳۔ عبد الرحمٰن و مالک ابن اشتر کو زہر دلوانا۔

عیون الانباء، روضۃ الصفا، تذکرۃ الکرام وغیرہ)

۴۔ ایک شرابی و فاسق کو اپنی جگہ پر مسلمانوں کا حاکم قرار دینا۔

(تاریخ الخلفا، روضۃ الصفا)

۵) مسلمانوں پر کھانا پانی بند کرنا وغیرہ (روضۃ الصفا وارجح المطالب وغیرہا من التاریخ والمناقب)

کیا یہ افعال بھی مجتہدانہ افعال کہے جا سکتے ہیں اور ان پر بھی خطائے اجتہادی کا لفظ چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ خود معاویہ کا یہ فعل کہ وہ

جناب امیرؑ سے طالب قاتلین حضرت عثمانؓ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ معاویہ جناب امیرؑ کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے ورنہ بجائے امیر کے انہوں نے کسی اور سے یہ مطالبہ کیوں نہ کیا۔ اس شخص کی خلافت منعقد نہ ہونے کا قائل ہونا اور پھر اسی شخص سے بحیثیت خلیفہ طالب قاتلین حضرت عثمان ہونا صریحی نفسانیت نہیں تو اور کیا ہے ممکن ہے کہ اس صورت کے لئے بھی کوئی بڑا اور شاندار لفظ تلاش کر لیا جائے یا کوئی اور لغو تاویل پیش کی جائے ("سیرۃ علویہ" ماخوذ از اموی دور خلافت ص ۳۸۶ تا ص ۳۸۹)

اس مسلمانوں کے قتل عام میں جسے خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے حضرت معاویہ کی نفسانیت اظہر من الشمس ہے۔ اس مصیبت میں جو حضرت عثمان پر آئی حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو مدد کے لئے بلایا بھی مگر امیر معاویہ نے مدد سے پہلو تہی کی بلکہ ان کی یہی تمنا تھی کہ حضرت عثمان قتل ہو جائیں تاکہ ان کے بعد حکومت ہتھیانے کا موقعہ مل جائے چنانچہ اس سلسلہ میں مولوی عبدالرزاق صاحب کسنی ملیح آبادی لکھتے ہیں:۔

> وہ صرف بنی امیہ تھے جو اس المیہ کو روک سکتے تھے بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جس راہ پر حضرت عثمان کو لئے جا رہے ہیں قتل پر ختم ہو گی یہ جانتے ہوئے بھی بنی امیہ نے پوری کوشش کی کہ حضرت

عثمان کی مسلمانوں سے صفائی نہ ہونے پائے۔

دو چار سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ اور
دوسرے بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ
حضرت عثمان کو قتل کی راہ پر لئے جارہے ہیں
مگر یہ جانتے ہوئے بھی حفاظت کا کوئی بند و بست
نہ کیا کیونکہ منصوبہ یہی تھا کہ قتل کا واقعہ پیش آئے
اور خانہ جنگی برپا کرنے کا موقعہ مل جائے بعض
روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے
محاصرہ کے دنوں میں معاویہ سے فوجی مدد طلب
کی تھی اور معاویہ نے ایک فوج بھی روانہ کر دی
تھی مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ راستہ میں ایک
جگہ رکی رہے اور نئے حکم کا انتظار کرے، فوج
برابر پڑی رہی اور حضرت شہید ہو گئے تو واپس
چلی گئی۔ (روضۃ الصفا) (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۷۶
صفحہ ۷۶ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

(ماخوذ از اموی دور خلافت صفحہ ۳۶۳)

جب صفین کی جنگ شدت پکڑ گئی اور شکست کے آثار نمایاں ہوئے
تو عمرو بن عاص نے اپنی ڈپلومیسی سے کلام اللہ کو نیزوں پر بلند کرایا

اور لڑائی بند ہو گئی اور تقرر حکمین کی باری آئی تو جو امر تصفیہ کے لئے حکمین سے متعلق کیا گیا وہ یہ نہ تھا کہ قاتلین حضرت عثمان کون لوگ ہیں، بلکہ تصفیہ طلب امر صرف یہ تھا کہ مستحق سلطنت کون شخص ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود جنگ قصاص خون عثمان نہیں تھا بلکہ یہ تو صرف ایک سٹنٹ (STUNT) تھا اصل مطلوب سلطنت پر قبضہ تھا۔

جب حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد تمام مقبوضات اسلامیہ پر پورا اقتدار حاصل ہو گیا، تو کیا انہوں نے قاتلین عثمان کو تلاش کرنے یا ان کو سزا دینے کی کوئی کوشش کی کسی ضعیف سے ضعیف خبر سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حصول اقتدار کے بعد معاویہ نے قاتلین عثمان کو تلاش کیا ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ فراموش کر چکے تھے کہ حضرت عثمان بھی کوئی شخص تھے اور لوگوں نے انہیں قتل بھی کیا تھا یا نہیں؟

جس شخص نے ایسے حالات پیدا کئے ہوں جن سے حضرت عثمان کا محاصرہ ہوا اور جس نے ان مصیبت کے ایام میں حضرت عثمان کی کوئی مدد نہ کی ہو اور حصول سلطنت کے لئے حضرت عثمان کو جو انہی کے قبیلہ کے ان کے اپنے ایک بزرگ تھے حصول سلطنت کے لئے انہیں قتل ہونے دیا ہو۔ اس سے کیا تعجب ہے کہ وہ اس ہستی کو جو سلطنت کی حقیقی معنوں میں مستحق تھی اور جسے وہ اپنے بیٹے کے حصول سلطنت کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہوں زہر دلوانے میں کیا دریغ ہو سکتا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کا زہر خورانی کا واقعہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے

کسی کو انکار نہیں. پھر امام حسن کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے ان کا کوئی دشمن بھی نہیں تھا پھر اور کسی کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ اس گوشہ نشین انسان کی زندگی کو ختم کرے یہ اس زمانے کی حکومت وقت سے ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے خدا پرست انسان کو جسے وہ سیاسی حریف سمجھ رہی تھی. زہر دلوا کر ختم کرائے. پس درایت و روایت دونوں سے ثابت ہو گیا کہ شہادت حضرت امام حسن میں مسلمانوں کی سلطنت کے سربراہ کا بھی ہاتھ تھا.

امام حسن علیہ السلام کی تجہیز و تکفین اور بعد کے مظالم

جنازے پر تیر اندازی

حضرت حسن کا مدینہ میں ماتم:- حضرت حسن کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھی بلکہ صلح و مسالمت کا ماتم تھا، حلم و عفو کا ماتم تھا، صبر و تحمل کا ماتم تھا، استغنا و بے نیازی کا ماتم تھا۔ خاندان نبوت کے چشم و چراغ کا ماتم تھا، اس لئے آپ کی وفات پر مدینہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی بازار بند ہو گئے گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا حضرت ابو ہریرہ مسجد میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

جنازے پر انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ میں

کم دیکھنے میں آیا تھا۔ ثعلبہ بن ابی مالک جو اس تقریب میں شریک تھے راوی ہیں کہ حضرت حسن کے جنازہ میں اتنا ازدحام تھا کہ اگر سوئی جیسی مہین شے بھی پھینکی جاتی تو کثرتِ ازدحام سے زمین پر نہ گرتی

(تہذیب الکمال صفحہ ۸۹ ، سیر الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۱)

امام حسن علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے حرم نبوی میں سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن کرنا چنانچہ امام حسین علیہ السلام نعش مبارک کو دفن کرنے کے لئے روضہ رسول میں لائے مگر بنی امیہ دگر وہ عثمانی مروان وغیرہ مانع ہوئے بعض روایات میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ سوار ہو کر آئیں اور فرمایا کہ گھر میرا ہے میں دفن ہونے نہیں دیتی بعض لوگ غل مچا کر کہنے لگے۔ اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر جنگ جمل میں لڑتی ہو کبھی خچر پر سوار ہو کر پیغمبر کے نواسے کے جنازے پر جھگڑتی ہو اور ان کے نانا کے پاس دفن ہونے نہیں دیتیں۔ ہر چند لوگوں نے کہا مگر ام المومنین حضرت عائشہ نہ مانیں، جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ تیر بارانی شروع ہوئی اور کئی تیر امام حسن علیہ السلام کے تابوت میں پیوست ہو گئے ، مجبوراً لوگوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی نعش مبارک کو بقیع میں لا کر دفن کیا۔

(کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ وغیرہ) تاریخ الائمہ صفحہ ۳۳۵)

مؤلف ارجح المطالب نے اسد الغابہ سے اس طرح نقل کیا ہے

جب امام حسن علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو جناب امام حسین علیہ

السلام حضرت ام المومنین عائشہ کے پاس آئے کہ امام حسن کے روضۂ رسول میں دفن کرنے کا ذکر کریں حضرت عائشہ نے فرمایا بہتر ہے اور ان کا دفن ہونا عین کرامت ہے یہ خبر مروان اور بنی امیہ کو پہنچی کہنے لگے کہ ہم اس جگہ کبھی دفن ہونے نہیں دیں گے، جب امام حسین علیہ السلام نے سنا سلاح جنگ زیب تن فرمائے اور مروان نے بھی ہتھیار باندھ لئے یہ سنکر ابوہریرہ کہنے لگے خدا کی قسم ہے بڑا ظلم ہے کہ جناب امام حسن کو جو ابن رسول اللہ ہیں رسول اللہ کے روضہ میں دفن کرنے سے منع کیا جائے، پھر جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ جنگ نہ کریں آپ کے برادر بزرگوار نے نہیں کہا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا خوف ہو تو مجھ کو مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کر دینا بس امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کے جنازے کو جنت البقیع میں لے گئے اور بنی امیہ میں سے کوئی شخص آپ کے جنازہ پہ حاضر نہیں ہوا۔ (ارجح المطالب ص۳۲۷)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام نے اس دنیا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی امام حسین علیہ السلام نے مجھے میرے بیٹے علی اور عبداللہ ابن جعفر کو بلایا حضرت امام حسن علیہ السلام کو غسل دیا اور چاہا کہ روضہ منورہ رسول اللہ کو کھول کر آنحضرت کو اس میں داخل کریں مروان، آل

. . . . بی سفیان اور فرزندان عثمان جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ
عثمان شہید مظلوم تو بقیع کی حد تو بن جگہ میں دفن ہوں اور حسنؑ رسول اللہ
کے ساتھ دفن ہو یہ ہرگز نہیں ہو گا، اس امر پر نیزے اور تلواریں ٹوٹ
جائیں گی اور تیردان تیروں سے خالی ہو جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام
نے فرمایا، اس خدا کی قسم جس نے خانہ کعبہ کو حرم محترم قرار دیا کہ امام حسنؑ
جو علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند ہیں روضۂ رسول میں دفن ہونے کے اور لوگوں
سے زیادہ مستحق ہیں، دوسری روایات کے موافق منقول ہے مروان
خچر پر سوار ہوا اور اس عورت کے پاس گیا اور کہا کہ حسین اپنے بھائی
حسن کو لایا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ دفن کرے آیئے اور اسے روکیئے پس
اس نے کہا میں کس طرح روکوں مروان اپنے خچر سے اتر پڑا اور اسے خچر
پر سوار کیا۔ وہ خچر پر سوار ہوئیں اور چالیس آدمیوں کے ساتھ وارد روضۂ
رسول ہوئیں۔ اس پر امام حسن علیہ السلام کے جنازہ پر تیروں کی
بارش شروع ہوئی یہاں تک کہ ستر تیر اس جنازہ سے لوگوں نے نکالے
پس بنی ہاشم نے چاہا کہ تلواریں نیام سے نکالیں۔ لڑنا شروع کریں
اس پر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں خدا کی قسم کہ میرے بھائی کی
وصیت کو ضائع نہ کریں اور ایسا نہ کریں کہ خونریزی ہو۔ پھر ان سے
مخاطب ہو کر کہا اگر میرے بھائی کی وصیت نہ ہوتی تو تم دیکھتے کہ
میں اپنے بھائی کو کس طرح قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میں دفن کرتا ہوں۔ پس جنازہ اٹھایا اور اسے جنت البقیع میں لے

گئے اور انہیں ان کی دادی حضرت فاطمہ بنت اسد کے قریب دفن کر دیا۔

(منتہی الآمال ص۱۷۰ و ص۱۷۱)

اولاد و ازواج

شیخ مفید علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں ہوئیں

۱۔ زید بن الحسن اور ان کی دو بہنیں ام الحسن[۲] و ام الحسین[۳] ام بشیر[۱] دختر مسعود عقبہ خزرجی کے بطن سے ہیں۔

۴۔ حسن بن حسن کہ جن کو حسن مثنیٰ کہتے ہیں اور ان کی ماں خولہ بنت منظور فزاریہ ہیں۔

۵ عمر بن الحسن، قاسم[۶] اور عبداللہ ان کی ماں ام[۳] ولد ہیں۔ عبدالرحمن ان کی ماں بھی ام ولد ہیں۔

حسین اثرم، طلحہ اور فاطمہ ان تینوں کی ماں ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ تمیمی ہیں۔

ام[۱۲] عبداللہ، فاطمہ[۱۳]، ام سلمہ[۱۴]، رقیہ[۱۵] ان میں سے ہر ایک کی ایک ہی ماں ہے۔ (ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمۃ)

ابوالحسن زید بن امام حسن علیہ السلام کے فرزند اکبر ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن کے صدقات کے متولّی تھے۔ اولاد حسن علیہ السلام میں سب سے بڑے تھے۔ جلیل القدر، کریم الطبع، پاکیزہ نفس اور کثیرالاحسان تھے۔ شاعروں نے ان کی مدح میں اشعار کہے ہیں اور ان کے فضائل کو کثرت سے بیان کیا ہے لوگ اس لئے کہ ان کے احسانات سے مستفید ہوں نواحی واطراف سے ان کی خدمت کا قصد کرتے تھے جب سلیمان بن عبدالملک بادشاہ ہوا تو اس نے ان کے متعلق حاکم مدینہ کو لکھا۔

فاما بعد اذا جاءك كتابي هذا فاعزل
زيداً عن صدقات رسول الله وادفعها
الى فلان ابن فلان رجل من قومه واعنه
على ما استعانك عليه والسلام۔

جب میرا یہ خط تمہیں پہنچے تو زید کو صدقات رسول اللہ کی تولیت سے معزول کر دینا اور فلان ابن فلان کو جو اس کی قوم کا آدمی ہے یہ کام سپرد کر دینا اور جس کام میں وہ تم سے مدد طلب کرے اس کی مدد کرنا والسلام۔

مگر جب سلطنت عمر ابن العزیز کو ملی تو اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا۔

اما بعد فقد زيد بن الحسن شريف

بنی ھاشم فاذا جاءک کتابی ھذا

فاردد علیہ صدقات رسول اللہ واعنہ

ما استعانک علیہ والسلام

زید بن الحسن بنی ہاشم کے سردار ہیں جب میرا

یہ خط تمہیں پہنچے تو رسول اللہ کی تولیت صدقات

انہی کو لوٹا دینا اور اس بارے میں وہ تم سے

جو مدد طلب کریں ان کی مدد کرنا۔

پس دوسری دفعہ صدقات رسول کی تولیت انہیں سپرد ہوئی انہوں نے ۹۰ سال عمر پائی۔ جب وہ دنیا سے رحلت فرمائے آخرت ہوئے تو شاعروں کی ایک جماعت نے ان کے مرثیے انشا کئے اور ان کے مآثر و آثار خیر کا بلیغ الفاظ میں ذکر کیا قدامہ بن موسیٰ نے جو ان کا مرثیہ لکھا اس کا مطلع یہ ہے:۔

فان یک زید غابت الارض شخصہ

فقد بان معروف ھناک وجود

اگرچہ زید کی شخصیت سطح زمین سے روپوش ہو

گئی مگر اس جگہ اس کی نیکیوں کا وجود ظاہر و باہر

ہے۔

واضح ہے کہ زید بن الحسن نے کبھی دعوائے امامت نہیں کیا شیعہ و غیر شیعہ کسی نے بھی اسے کبھی امامت سے منسوب نہیں کیا کیونکہ شیعوں

کے دو گروہ ہیں امامیہ و زیدیہ۔

امامیہ امام کو منصوص من اللہ سمجھتے ہیں احادیث منصوصہ کے بغیر کسی کی امامت کے معتقد نہیں ہیں علمائے امامیہ اس پر متفق ہیں۔ کہ اولاد امام حسن علیہ السلام کے لئے نص امامت نہیں ہے اور اولاد امام حسن علیہ السلام میں سے کسی نے بھی دعوائے امامت نہیں کیا۔

لیکن زیدیہ جناب امیر و حسنین علیہم السلام کے بعد اسے امام سمجھتے ہیں جس نے خلافت و امامت کے بارے میں جہاد کیا ہو چونکہ زید بن الحسن اموی دور میں تقیہ اختیار کر کے بنی امیہ کے ساتھ رفق و مدارات رکھتے تھے اور ان کے امور جائزہ میں تعاون فرماتے تھے اور یہ امر زیدیوں کے اعتقاد کی رو سے منافی امامت ہے بلکہ امامت سے نسبت تضاد رکھتا ہے اس لئے ان کے ہاں ان کی امامت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس زمانہ میں اہل سنت کا ایک فرقہ حشویہ تھا جو بنی امیہ کے سوا کسی کو امام نہیں کہتے تھے اور اولاد رسول میں سے کسی کو وہ امام نہیں کہتے۔

ایک فرقہ معتزلہ تھا جو اہل سنت کا ایک فرقہ ہے امامت کے متعلق ان کا اعتقاد ہے کہ امام کا تقرر جماعت و شوریٰ سے ہوتا ہے

اس زمانہ کے فرق اسلام میں سے ایک خوارج کا فرقہ تھا، خوارج ایسے شخص کو جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو امام جانتا ہو۔ اور ان

کی غلامی یا محبت کا دعوٰے کرے امام نہیں کہتے اور حضرت زید موالی جناب امیر سے تھے۔

اس لئے زیدان فرقوں میں سے کسی فرقہ کے نکتہ نگاہ میں امام نہیں ہو سکتے۔

مشہور ہے کہ زید سفر عراق میں سرکار سید الشہداء کے ہمراہ نہیں تھے لیکن جب عبداللہ ابن زبیر نے امویوں کے خلاف علم مخالفت بلند کیا تو اس کے ساتھ تھے۔

ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے کہ زید کربلا میں اپنے عم نامدار کی رکاب میں تھے بعد شہادت حسین علیہ السلام وہ گرفتار ہو کر دربار یزید میں پہنچے جب اہل بیت علیہم السلام رہا ہوئے تو یہ ان کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔

واضح رہے کہ امام حسن علیہ السلام کے بیٹوں میں سے حسین اثرم، عمر، زید و حسن مثنی کے سوا کسی کے اولاد نہیں ہوئی، حسین اثرم اور عمر کی اولاد نرینہ نہیں رہی اس لئے ان کی نسل منقطع ہو گئی۔ آپ کی نسل کا سلسلہ زید اور حسن مثنی سے ہی جاری ہوا اس لئے سادات حسنی یا زید بن الحسن کی اولاد ہیں، اور یا حسن مثنی کی اولاد ہیں۔

حضرت زید بن الحسن کی زوجہ محترمہ لبابہ دختر عبداللہ بن عباس ہیں، لبابہ پہلے سرکار وفا حضرت ابوالفضل عباس ابن علی کی بیوی تھیں جب غازی عباس کربلا میں شہید ہو گئے تو زید بن الحسن نے ان سے نکاح کر لیا اور اس تزویج سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ایک لڑکی، یعنی

حسن بن زید بن الحسن اور نفیسہ حسن بن زید کی کنیت ابو محمد ہے۔ انہیں سے منصور دوانیقی نے مدینہ اور رساتیق کا گورنر مقرر کیا اور وہ اولاد حضرت علی ابن ابی طالب میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے بنو عباس کے دستور پر سیاہ لباس پہنا ان کی عمر اسی سال ہوئی وہ منصور مہدی، ہادی اور رشید کے زمانے میں موجود رہے یہی حسن ہیں جن کے اپنے چچا کی اولاد عبداللہ محض اور ان کے بیٹوں محمد و ابراہیم سے تعلقات کشیدہ تھے، جس وقت کہ ابراہیم کو شہید کیا گیا اور اس کا سر منصور کے پاس لائے اور طشت میں رکھکر اس کے پاس رکھا تو حسن حاضر دربار تھے منصور نے کہا کیا آپ اس سر کے صاحب کو پہچانتے ہیں حسن نے کہا ہاں پہچانتا ہوں۔

فتی کان یحمیہ من الضیم سیفہ
وینجیہ من دار الھوان اجتنابھا

یہ وہ نوجوان ہے کہ اس کی تلوار نے ظلم کے خلاف
لوگوں کی حمایت کی اور ذلت کے مقام سے
نجات دلائی۔

یہ کہا اور رو پڑے منصور نے کہا مجھے یہ پسند نہیں تھا کہ میں اسے قتل کروں لیکن اس نے میرا سر تن سے جدا کرنا چاہا میں نے اس کا سر جدا کرا دیا۔

خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ حسن بن زید اپنے

زمانہ کے اسنجیا میں تھے وہ منصور کی طرف سے پانچ سال مدینہ کے گورنر رہے اس کے بعد منصور ان پر غضبناک ہوا اور انہیں معزول کر دیا اور ان کا مال ضبط کر لیا اور انہیں بغداد میں قید کیا، وہ قید میں ہی تھے کہ منصور مر گیا اور مہدی خلیفہ ہوا پس مہدی نے انہیں قید سے نکالا اور ان کا مال واپس کیا۔

خطیب نے ان کے بیٹے اسماعیل سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ صبح کی نماز اول وقت میں کہ ابھی فضا تاریک ہی ہوتی تھی ادا کرتے تھے ایک روز نماز سے فارغ ہو کر سوار ہونا چاہتے تھے تاکہ اپنی جاگیر غابہ میں جائیں کہ مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر اور اس کا بیٹا عبداللہ بن مصعب حاضر خدمت ہوئے مصعب نے کہا میں نے اپنے باپ کا ایک شعر پڑھا ہے آپ سن لیجئے اسماعیل کہتے ہیں کہ میرے باپ حسن بن زید نے کہا کہ یہ وقت شعر پڑھنے کا نہیں ہے۔ مصعب نے کہا کہ میں آپ کو اس نسبت اور قرابت کی قسم دیتا ہوں جو آپ کو رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ آپ شعر سن لیجئے پس اس نے شعر پڑھا

یا ابن بنت نبی و ابن علی

انت انت المجیر ذی الزمان

اے نبی کی بیٹی کے بیٹے اور علی کے بیٹے آپ ہی

زمانے میں پناہ دینے والے ہیں۔

اس شعر سے اس کا مقصد یہ تھا کہ حسن اس کے قرضہ کو ادا کر دیں

چنانچہ حسن نے ان کا قرض ادا کر دیا۔

حسن بن زید کے سات بیٹے تھے سب سے پہلے ابو محمد قاسم وہ ان کے فرزند اکبر تھے ان کی والدہ حسین اشرم کی بیٹی ام سلمہ تھیں وہ پارسا اور پرہیز گار آدمی تھے ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ان کے نام اس طرح پر ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن شجری، شجرہ ایک گاؤں ہے جس کی نسبت سے وہ شجری کہلاتے ہیں شجرہ مضافات مدینہ سے ایک گاؤں ہے وہ کثیر الاولاد تھے ان ہی کی اولاد میں سے داعی صغیر یعنی قاسم بن حسن بن علی بن عبدالرحمٰن شجری ہیں اور ان کے بیٹے محمد معز الدولہ دیلمی کے زمانہ میں نقیب بغداد تھے جن کے قضایا و احکام بہت ہیں جن کا ذکر مشہور تالیف عمدۃ الطالب میں موجود ہے لیکن داعی کبیر ان کے چچا کی اولاد میں سے ہیں ان کا نسب اسماعیل بن حسن بن زید پر منتہی ہوتا ہے چنانچہ اس کے بعد ہم ان کا بھی ذکر لکھیں گے

۲۔ محمد بطحائی یا بطحانی ہیں وہ فقیہ تھے اور صاحب اولاد کثیرہ ہیں ان ہی کی اولاد میں سے ابوالحسن علی بن الحسین اخی سمعی ہیں جو صاحب بن عباد کے داماد تھے جو عالم فاضل، ادیب اور اصفہان کے رئیس تھے جب صاحب بن عباد کی بیٹی سے ان کے بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام عباد رکھا تو صاحب بن عباد بہت خوش ہوئے اور اس پر اشعار کہے ایک شعر یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا دَائِمًا اَبَدًا

قَدْ صَارَ سِبْطُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِیْ وَلَدًا

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے ایسی تعریف

جو ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہے

میرے لئے رسول اللہ کے نواسہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا سادات اصفہانی جو سادات کا شانہ کہلاتی ہے محمد بطحائیؑ سے ہی منسوب ہے اور صاحب بن عباد کی بیٹی کی اولاد ہیں۔ ان کا نسب اس طرح پر ہے۔

شرفشاہ بن عباد بن ابو الفتوح محمد بن ابی الفضل حسین بن علی بن حسین بن حسن بن قاسم بن محمد بطحائیؑ۔

اور ان ہی کی اولاد سے عالم فاضل مصنف جلیل مجد الدین عباد بن احمد بن اسماعیل بن علی بن حسن بن شرفشاہ ہیں۔ یہ بزرگوار سلطان اولجائیتو محمد خدابندہ بن ارغون کے زمانے میں اصفہان کے قاضی یعنی جج تھے جیسا کہ صاحب عمدۃ الطالب نے ذکر کیا ہے اور بطحائیؑ کی اولاد سے ناصر الدین علی بن مہدی بن حمزہ وزیر سلطنت تھے ماژندران میں ان کی ولادت ہوئی اور رے میں انہوں نے پرورش پائی سید نقیب عز الدین یحییٰ بن محمد کے قتل کے بعد جو نقیب رے و قم و آمل تھے یہ بغداد میں گئے ان کے ساتھ محمد بن یحییٰ نقیب بھی تھے انہیں نقابت سپرد ہوئی۔ پھر جب وہ نیابت اور وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہوئے انہوں نے محمد بن یحییٰ کو نقیب بنادیا۔ یہ ان چار وزرا

میں سے ہیں جنہیں مستقل وزارت ملی یہ خلیفہ ناصر الدین باللہ عباسی کے زمانہ میں باشان وشوکت وزیر تھے آخر معزول ہوئے اور ۶۱۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

۳- حمزہ اور (۴) حسن بعض علمائے نسب نے حسن نامی کو قاسم کی اولاد سے شمار نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قاسم کے تین ہی بیٹے تھے قاسم بن حسن بن زید کی دو بیٹوں میں سے ایک خدیجہ ہیں جو اپنے ابن عم جناب عبدالعظیم حسنی مدفونِ رے (طہران) کی بیوی ہیں قاسم کی دوسری بیٹی عبیدہ ہیں جو اپنے چچا زاد طاہر بن زید بن حسن بن زید بن حسن کی زوجہ ہیں۔

حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ابو الحسن علی ہیں ان کی والدہ ام ولد اور ان کا لقب، شدید ہے انہوں نے منصور کی قید میں وفات پائی۔ ان کی ایک بیٹی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا، نیز علی کی ایک کنیز تھیں جن کا نام ہیفا تھا جو ان سے حاملہ ہوئیں ابھی وہ بچہ نہیں جنی تھیں کہ علی شدید کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد بیٹا پیدا ہوا حسن نے ان کا نام عبد اللہ رکھا ان سے وہ بہت محبّت کرتے تھے اور انہیں اپنا جانشین کہتے تھے جب وہ سن بلوغ کو پہنچے اور ان کی تزویج ہوئی تو اللہ نے انہیں نو بیٹے عطا فرمائے۔ احمد، قاسم، حسن، عبد العظیم، محمد، ابراہیم علی اکبر، علی اصغر، زید،

حضرت عبدالعظیم کی کنیت ابوالقاسم ہے رے یعنی طہران میں ان کا مزار شریف مشہور و معروف ہے ، رفعت منزلت اور جلالت شان میں بہت معروف ہیں اکابر محدثین و اعاظم علما و زہاد و عباد میں سے ہیں حضرت جواد محمد تقی و حضرت ہادی علی نقی علیہما السلام کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ان کے صحابۂ ذی الاحترام میں سے ہیں. محقق جلیل سید باقر داماد علیہ الرحمۃ و الرضوان نے اپنی تالیفات رواشح میں فضیلت و زیارت حضرت حضرت عبدالعظیم حسنی کے متعلق احادیث روایت کی ہیں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ان کی قبر کی زیارت کرے اس پر بہشت واجب ہے

ابن بابویہ اور ابن قولویہ نے روایت کی ہے کہ اہل رے میں سے ایک شخص خدمت امام علی نقی علیہ السلام میں حاضر ہوا حضرت نے اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں تھا اس نے عرض کیا میں زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے گیا تھا حضور نے فرمایا کہ کیا تم نے قبر حضرت عبدالعظیم حسنی کی بھی زیارت کی ہے جو تمہارے قریب ہے اگر تو ان کی قبر کی زیارت کرتا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی

ان کی فضیلت میں احادیث بہت ہیں حضرت خاتم المحدثین شیخ محمد عباس قمی نے علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی تالیفات "تحیۃ الزائر" اور ہدیۃ الزائرین" میں ان کا ذکر کیا ہے صاحب بن عباد نے ان کے حالات میں ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے ہمارے استاذ الاستاذ محدث متبحر شیخ

نوری نور اللہ مرقدہٗ نے اس رسالہ کو اپنی مشہور تالیف مستدرک کے خاتمہ پر نقل کیا ہے۔ اور اس کے خلاصہ کو علامہ محمد عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے مفاتیح الجنان میں ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہزادہ عبد العظیم علیہ الرحمتہ کے ایک فرزند ارجمند کا نام محمد تھا۔ یہ مرد بزرگ زہد و اتقا اور عبادت میں بہت مشہور و معروف تھے۔

علامہ شیخ محمد عباس قمی علیہ الرحمتہ اپنی تالیف منتہی الامال میں جس سے میں نے اس تالیف میں استفادہ کیا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ میں جب ارض اقدس غری یعنی نجف اشرف میں مقیم تھا اور شیخ جلیل علامہ عصر و فرید دہر جناب آقا میرزا فتح اللہ سے جو "شریعت اصفہانی" کے نام سے مشہور تھے مستفید و مستفیض ہو رہا تھا تو میں آنجناب سے سنا جبکہ انہوں نے فرمایا کہ علمائے نسابہ میں سے ایک بزرگوار نے کتاب تالیف کی ہے جس کا نام "منتقلہ" ہے اس کتاب میں انہوں نے ان مشاہیر سادات میں سے ہر ایک کا ذکر بہ تفصیل کیا ہے جو ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے گئے تھے ان میں محمد بن شاہزادہ عبد العظیم حسنی ہیں جو سامرہ کی طرف منتقل ہوئے تھے

انہوں نے بلد دجیل کی سرزمین میں وفات پائی چونکہ مجھے ان کے کلام کی عبارات صحیح طور پر یاد نہیں رہی۔ اس لئے میں نے اس کا خلاصہ یہاں لکھ دیا ہے، المختصر جناب آقا میرزا فتح اللہ کا کتاب منتقلہ میں اس قضیہ کو بیان کرنے کی غرض یہ تھی کہ امام زادہ سید محمد کی مشہور قبر جو سامرہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر واقع ہے جو جلالت شان اور اظہار کرامات میں مشہور ہے ان ہی محمد بن شاہزادہ عبدالعظیم حسنی کی قبر ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ قبر محمد بن علی الہادی علیہ السلام کا مزار ہے۔ جو جلالت شان میں ممتاز ہے اور یہی وہ بزرگوار ہیں جن کی مرگ پر حجت، یا نہ دہم امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنا گریبان چاک فرمایا تھا۔ حضرت استاذ الاستاذ علامہ نوری طاب ثراہ اور جملہ علمائے شیعہ و علمائے عامہ بلکہ علمائے عصر سابق کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ قبر منور محمد بن الہادی علیہ السلام کی قبر ہے چنانچہ حموی نے بھی معجم البلدان میں یہی لکھا ہے چنانچہ شیخ عبدالکریم بن طاؤس بھی یہی لکھتے ہیں۔

بہا قبر ابی جعفر محمد بن الہادی علیہ السلام باتفاق اسیر تمام علما کا اتفاق ہے کہ اس مقام پر ابی جعفر محمد بن الہادی علیہ السلام کی قبر ہے۔

حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے تیسرے فرزند ابو طاہر زید ہیں اور ان زید کے تین اولاد تھیں۔

۱۔ طاہر ان کی مادر گرامی اسما بنت ابراہیم مخزومیہ ہیں۔ اور اس کے

دو بیٹے ہیں محمد و علی ان میں سے محمد کی تین بیٹیاں تھیں خدیجہ، نفیسہ اور حسنا اور ان کے اولاد نرینہ نہیں تھی ان تینوں بیٹیوں کی ماں صنعا کی رہنے والی تھیں اور یہ لوگ صنعا میں آباد ہوئے۔ زید کے ایک بیٹے علی بن زید تھے اور ایک بیٹی ام عبد اللہ تھیں۔

حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے چوتھے بیٹے اسحاق ہیں، جو کوکبی کے نام سے مشہور ہیں ان کے تین بیٹے ہوئے حسن، حسین اور ہارون کے ایک بیٹا تھا جعفر نام اور جعفر کے بیٹے محمد تھے ان کو رافع بن لیث نے مازندران کے شہر آمل میں شہید کیا۔ ان کا روضہ منورہ شہر آمل میں زیارت گاہ ہے۔ حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے پانچویں بیٹے ابراہیم ہیں۔ ابراہیم کی بیوی سادات حسینی سے تھیں ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے اپنے ہی نام پر ابراہیم رکھا اسی بیوی سے ان کے دوسرے بیٹے علی ہیں ان کی ایک زوجہ امۃ الحمید ہیں جو حضرت عمر کی نسل سے تھیں ان کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام زید رکھا ابراہیم بن ابراہیم کے دو بیٹے تھے محمد و حسن اور محمد کے تین بیٹے تھے جو شاہزادہ عبد العظیم حسنی مدفون رے (طہران) کی بیٹی سلمہ کے بطن سے ہیں انکے نام حسن، عبد اللہ اور احمد ہیں۔ حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے چھٹے بیٹے عبد اللہ ہیں اور عبد اللہ کے اس ترتیب سے پانچ بیٹے تھے علی، محمد، حسن، زید اور اسحاق ابو نصر بخاری کہتے ہیں کہ زید کے سوا کسی کے اولاد نہیں ہوئی زید کی ماں ام ولد ہیں وہ اپنے زمانے کے

الشجع (شجاع ترین انسان تھے)، اور وہ کوفہ سے باہر ابو السرایا کے ساتھ تھے جب ان پر سختی انتہا پر پہنچی تو وہ بھاگ کر اہواز چلے گئے جہاں گرفتار ہوئے انہوں نے مصائب پر صبر کیا اور آخر شہید ہوئے اور زید کے چار بیٹے تھے محمد، علی، حسین اور عبداللہ اور ان کی ماں سادات علویہ سے تھیں اور محمد بن زید کے تین بیٹے تھے، حسن، علی اور عبداللہ اور یہ تینوں نے حجاز میں سکونت اختیار فرمائی۔ حسن بن زید بن الحسن علیہ السلام کے ساتویں بیٹے ابو محمد اسماعیل ہیں۔ اسماعیل حسن بن زید کے آخری بیٹے ہیں ان کو جالب الحجارہ بھی کہتے تھے حسن، محمد اور علی بن علی اسماعیل کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور ان کے چھ بیٹے تھے حسین، حسن اسماعیل، محمد، قاسم اور احمد اور اسماعیل کے بیٹے محمد کی ماں سادات حسینی سے تھیں محمد بن اسماعیل کے چار بیٹے ہوئے احمد جو بخارا چلے گئے اور وہاں ان کے ایک بیٹا ہوا اور وہ وہیں شہید ہوگئے۔ علی جن کے اولاد نہیں ہوئی۔ (۳) اسماعیل ان کی ماں خدیجہ دختر عبداللہ بن اسحاق بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر بن علی ابن ابی طالب علیہما السلام تھیں ان کا لقب بیض البطن تھا ان کے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی چوتھے زید بن محمد تھے۔ بروایت عمری ان کی ماں عبدالرحمٰن شجری کی اولاد سے تھیں اور ان کے دو بیٹے تھے ایک امیر حسن جن کا لقب داعی کبیر ہے دوسرے محمد ان کا لقب بھی بھائی کی وجہ سے داعی ہوگیا۔

٭

ذکر احوال

داعی کبیر امیر حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

امیر حسن بن زید داعی کبیر یا داعی اول کہلاتے ہیں ان کی ماں عبداللہ الاعرج بن حسین الاصغر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی بیٹی ہیں انہوں نے ۲۵۰ھ میں طبرستان پر فوج کشی کی تھی اور ۲۷۰ھ میں رہ گرائے ملک عدم ہوئے ان کی طبرستان پر سلطنت کا زمانہ بیس سال ہے صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ داعی کبیر نے ۲۵۰ھ میں طاہر والی طبرستان پر حملہ کیا اور اسے طبرستان سے نکال دیا اور ان ممالک پر قبضہ کر لیا وہ خونریزی اور انہدام میں رنج و ملال محسوس نہیں کرتے تھے ان کے زمانہ سلطنت میں بہت سے اشراف سادات و معزز لوگ قتل ہوئے ان میں سے دو سادات حسینی کے مقتول ہیں۔

ایک حسین بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ الباہر بن بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام تھے ؛ دوسرے عبیداللہ بن علی بن الحسین بن جعفر بن عبیداللہ بن الحسین الاصغر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام یہ داعی اکبر کی جانب سے قزوین اور

زنجان پر حکمران تھے جس وقت موسیٰ بن بغا قزوین و زنجان کو داعی کبیر کے قبضہ سے نکالنے پر مامور ہوا تو اس نے ایک لائق لشکر سے حملہ کیا یہ دونوں اس کا مقابلہ نہ کر سکے دوڑ کر طبرستان میں آگئے داعی کبیر نے ان دونوں کو شکست کے جرم میں ماخوذ کر کے حاضر دربار کیا اور انہیں پانی کے حوض میں غرق کیا یہاں تک کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا ان کے جسموں کو ایک سرد خانے میں ڈال دیا یہ ۲۵۰ھ کا واقعہ ہے۔ آخر جب یعقوب بن لیث نے طبرستان پر حملہ کیا تو داعی بھاگ کر دیلم چلا گیا یعقوب نے سرد خانے سے ان کی نعشوں کو نکلوایا اور دفن کیا ایک اور شخص جس کو داعی کبیر نے قتل کیا سید عقیقی ہے جو اس کا اپنا خالہ کا بیٹا تھا اس کا نام حسن بن محمد بن جعفر بن عبید اللہ بن الحسین الاصغر بن علی بن الحسین بن علی ابن ابیطالب علیہم السلام ہے وہ داعی کی طرف سے شہر ساری پر حکمران تھا اس نے داعی کی غیبت میں سیاہ لباس پہن لیا جو بنی عباس کا شعار تھا اور سلاطین خراسان کے نام کا خطبہ پڑھا جب داعی کو پھر سیاسی قوت حاصل ہوئی اور وہ پلٹ کر آیا تو اس نے عقیقی کے ہاتھ گردن سے بندھوا کر حاضر دربار کیا اور اس کی گردن اڑا دی طبرستان کے ایک گروہ کو جنہیں وہ مکار اور اپنا دشمن سمجھتا تھا چاہتا تھا کہ ان سب کو قتل کر دے داعی کبیر نے عجب چال چلی۔ خود مریض بن گیا اور اپنی مرض کا پبلک میں اعلان کر دیا۔ چند روز کے بعد اپنی موت کا اعلان کیا۔ خود تابوت میں لیٹ گیا، تابوت کو نماز جنازہ کے لئے مسجد میں لے گئے مسجد کے دروازہ بند کر دیئے گئے داعی

اپنے تابوت سے کود پڑے اور ان میں سے بہت سے آدمیوں کو تلوار کے
گھاٹ اتار دیا یا وجودیکہ داعی کبیر ایک جنگجو اور خون ریز آدمی تھے مراتب
فضائل میں ایک بلند مقام رکھتے تھے علما و شعرا کا مرجع تھے ان کی بہت
قدر کرتے تھے علمائے نسب اس پر متفق ہیں کہ ان کے ہاں بیٹا نہیں ہوا
ایک کنیز سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام کریمہ تھا وہ بھی تزویج سے پہلے
ماہی ملک بقا ہوئی۔

ذکرِ احوال برادرِ داعی کبیر محمد بن زید الحسنی

محمد بن زید اپنے بھائی امیر حسن کے بعد "داعی" کے لفظ سے ملقب ہوئے لیکن داعی کبیر کے بہنوئی ابوالحسین احمد بن محمد بن ابراہیم بن علی بن عبدالرحمٰن شجری حسنی نے داعی کبیر کی وفات کے بعد لوائے سلطنت بلند کیا۔ اور ملک طبرستان پر قبضہ کر لیا محمد بن زید داعی جرجان سے لشکر لائے اور ابوالحسین کے ساتھ مصروف جنگ ہوئے اسے مار کر طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ اور ۲۷۱ھ سے سترہ سال سات مہینے تک طبرستان پر حکمران رہے ان کی سلطنت اس قدر مستحکم و مضبوط تھی کہ نیشاپور میں رافع بن ہرثمہ ایک زمانے تک ان کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے ابومسلم محمد اصفہانی کاتب معتزلی ان کے دبیر و وزیر تھے آخر کار محمد بن ہارون سرخسی نے جو اسماعیل بن احمد سامانی کا مصاحب تھا انہیں جرجان میں قتل کر دیا ان کے سر کو ان کے بیٹے کے ساتھ جو اسیر ہو گیا تھا مرو بھیجدیا۔ آخر ان کے جسم کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند محمد کی قبر کے پہلو میں جن کا

نقب دیباج تھا سپرد خاک کر دیا گیا۔ محمد بن زید علم وفضل، شجاعت وبہادری میں بہت بڑی شخصیت تھے علماء وشعراء ان کی بارگاہ کو اپنا ملجا وماوی سمجھتے تھے ان کا قانون یہ تھا کہ سال کے آخر میں بیت المال کا جائزہ لیتے تھے اور سال بھر کے اخراجات سے جو کچھ زیادہ بچتا اسے قریش والضار فقیہوں اور قاریوں اور دوسرے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے اور باقی کچھ بھی نہیں چھوڑتے تھے ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے بنی عبد مناف سے عطا وجود کی ابتدا کی جب بنی ہاشم میں عطیات تقسیم کر کے فارغ ہوئے تو انہوں نے بنو عبد مناف کے دوسرے طبقہ کو بلایا تو ایک شخص حصول عطیات کے لئے اٹھ کھڑا ہوا محمد بن زید نے دریافت کیا کہ تو کس قبیلہ سے ہے؟

اس نے کہا میں اولاد عبد مناف سے ہوں پوچھا تو اس خاندان کی کس شاخ سے نسبت رکھتا ہے۔

اس نے کہا بنی امیہ سے

فرمایا بنی امیہ کے کس سلسلہ سے نسبت رکھتا ہے اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

فرمایا تو معاویہ کی اولاد سے ہے؟

اس نے کہا ایسا ہی ہے

فرمایا تو معاویہ کے کس بیٹے کی اولاد سے ہے وہ پھر خاموش ہوا فرمایا تو اولاد یزید سے ہوگا اس نے کہا ایسا ہی ہے۔

فرمایا تو کس قدر احمق آدمی ہے کہ اولادِ ابی طالب سے سخاوت اور جود و عطا کی امید رکھتا ہے، حالانکہ وہ تجھ سے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر تو اپنے جد کے کردار سے واقف نہیں ہے تو بہت ہی جاہل و غافل ہے اور اگر تو اس کے کردار سے آگاہ ہے تو تو نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ سادات علویہ نے جب یہ باتیں سنیں تو اسے غور سے دیکھنے لگے اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ محمد بن زید نے بلند آواز سے انہیں ڈانٹا اور کہا خبردار اگر کسی نے اس کے متعلق کوئی برا ارادہ کیا تو وہ مجھ سے سزا پائے گا اور میں اس سے انتقام لوں گا۔ تم یہ گمان کرتے ہو کہ امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ اس سے لیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی دوسرے کے گناہ میں مبتلا نہیں کرتا اور عذاب نہیں فرماتا۔ اب سنو میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں۔ وہ بات تمہارے کام آئے گی۔

میرے باپ زید نے بیان کیا ہے کہ منصور خلیفہ جن دنوں میں مکہ معظمہ میں تھا ایک گراں قدر جواہر ریزہ فروخت کے لئے اس کے پاس لاتے منصور نے اسے غور سے دیکھا اور کہا اس جواہر ریزہ کا مالک ہشام بن عبدالملک تھا اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی نسل سے اس کا بیٹا محمد نامی ابھی باقی ہے اس جواہر ریزہ کو وہی بیچنے کے لئے لایا ہے اس کے بعد اس نے ربیع حاجب کو بلایا اور حکم دیا کہ کل کو جب تم نماز صبح کے لئے مسجد الحرام میں جاؤ اور لوگ مسجد الحرام میں جمع ہو جائیں تو حکم دینا کہ مسجد کے دروازے بند کر دیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اور لوگوں کو ایک ایک

کرکے باہر جانے دینا اور ایک ایک کو اچھی طرح پہچان کر چھوڑنا اور جس وقت تو محمد کو پہچان لے اسے گرفتار کرکے میرے پاس لانا جب دوسرا دن ہوا تو ربیع حاجب نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے حکم دیا گیا تھا، محمد سمجھ گیا کہ اس کی تلاش ہو رہی ہے۔ دہشت زدہ اور متحیّر ہو کر وہ ہر طرف دیکھ رہا تھا اسوقت محمد بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام نے اسے دیکھ لیا۔ اور اس کی پریشانی کو بھانپ لیا اور کہا اے شخص میں تجھے حیرانی اور دہشت میں مبتلا دیکھ رہا ہوں تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟

اس نے کہا اگر آپ مجھے امان دیں اور میرے چھٹکارے کی کوئی صورت پیدا کریں تو میں بتاؤں؟

انہوں نے فرمایا میں نے تجھے امان دی اب تیری خلاصی میرے ذمہ ہے۔

اس نے کہا میں محمد بن ہشام بن عبدالملک ہوں۔ اب آپ فرمائیں کہ آپ کون ہیں؟

انہوں نے فرمایا میں محمد بن زید بن علی بن الحسین علیہما السلام ہوں تو میرے باپ زید شہید کا قاتل نہیں تھا جو میں تجھ سے ان کے خون کا مطالبہ کروں۔ اب میں تیرے چھٹکارے کی کوئی تدبیر سوچ رہا ہوں۔ اگر تو کراہت محسوس نہ کرے یہ کہا اور اپنی ردا محمد بن ہشام بن عبدالملک کے سر اور چہرے پر ڈال دی محمد بن زید اسے کشاں کشاں لئے جا رہے تھے اور تھپڑ

پر تھپڑ اور سیلی پر سیلی اس کے چہرے پر مار رہے تھے یہاں تک کہ اسے مسجد کے دروازہ پر ربیع حاجب تک پہنچا دیا اور فریاد شروع کی ربیع حاجب سے کہا اے ابا الفضل یہ خبیث ایک شتربان ہے اور کوفہ کا رہنے والا ہے میں نے اس کا اونٹ کرایہ پر لیا اور آمد و رفت کا کرایہ طے ہوا یہ کرایہ وصول کر کے بھاگ آیا ہے اور اونٹ کسی اور کو کرایہ پر دے دیا ہے۔ میرے اس امر کے مشاہد دو عادل گواہ ہیں اپنے دو غلام یا ملازم میرے ساتھ بھیجو تاکہ میں اسے قاضی کی کچہری میں لے جاؤں ربیع حاجب نے دو نگہبان محمد بن زید کے سپرد کئے جب یہ لوگ مسجد سے باہر آئے اور کچھ راستہ طے کر لیا، محمد بن زید شہید محمد بن ہشام سے مخاطب ہوا اے خبیث اگر تو میرا حق ادا کر دے اور کرایہ واپس کر دے تو میں ان نگہبانوں اور قاضی کو زحمت نہ دوں محمد بن ہشام نے کہا یا بن رسول اللہؐ! میں حاضر ہوں جس طرح آپ فرمائیں اطاعت کروں گا۔ محمد بن زید شہید نے ربیع کے ملازموں سے کہا اب جبکہ اس نے ادائگی کی ذمہ داری لے لی ہے آپ زحمت نہ فرمائیں اور لوٹ جائیں جب وہ لوگ لوٹ گئے تو محمد بن ہشام نے محمد بن زید کے سر اور چہرے کو چوما اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا تھا کہ اپنی رسالت کو کس خاندان میں رکھے اور اس جواہر ریزے کو نکال کر پیش کیا اور عرض کیا کہ اسے قبول فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ محمد بن زید شہید نے فرمایا ہم اہل بیت رسالت ہیں۔ احسان کے بدلے میں کسی شخص سے معاوضہ نہیں لیتے

جب میں نے تیرے بارے میں خون زید شہید سے چشم پوشی کی ہے تو میں اس جواہر ریزے کو بیکار کیسے کروں گا. اب تو اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ کیونکہ تیری ربیع تلاش میں سرگرم جدو جہد ہے. سید اجل سید علیخان بلاغت نے اپنی تالیف شرح صحیفہ کاملہ میں اس واقعہ کو محمد بن زید شہید کی زبان سے نقل کیا اور فرمایا ہے کہ یہ محمد میرے جد ہیں اور میرا نسب ان پر منتہی ہوتا ہے ع

اولٰئِک اٰبائی فجئنی بمثلھم
یہ میرے آباؤ اجداد ہیں ان کی مثل تو لائیے۔

الغرض جب داعی محمد بن زید اس واقعہ کو بیان کر چکے تو حکم دیا کہ اس اموی کو شخص عبد مناف کی اولاد کے ایک آدمی کی طرح بخش دیں اور اپنے آدمیوں میں سے چند آدمیوں سے فرمایا کہ اسے صحیح و سلامت سرزمین رے میں پہنچائیں اور اس کے رے پہنچنے کا خط لیکر واپس آئیں.

اس پر وہ اموی اٹھا اور اس نے داعی کے سر کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔

اس داعی کے جن کا نام محمد بن زید ہے دو بیٹے تھے زید جن کا لقب رضی تھا اور دوسرے کا نام حسن تھا زید ملقب برضی کے بھی ایک بیٹا تھا جن کا لقب محمد تھا زید بن حسن کی اولاد کا تذکرہ ختم ہوا۔

اب ہم حسن مثنی کی اولاد کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

☆

ذکر اولاد حسن بن الحسن اعنی حسن مثنیٰ

ابو محمد حسن بن الحسن کہ جنکو حسن مثنیٰ کہتے ہیں۔ ان کے دس اولاد تھیں
چھ لڑکے اور چار لڑکیاں۔ (۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴)
زینب (۵) ام کلثوم یہ پانچوں بطن اقدس فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام
سے تھے (۶) داؤد (۷) جعفر ان دونوں کی ماں ام ولدی حبیبہ نام اہل
روم سے تھیں (۸) محمد کی والدہ رملہ تھیں (۹) رقیہ اور فاطمہ حسن عمری
کہتے ہیں کہ حسن مثنیٰ کی ایک اور بیٹی بھی تھی جس کا نام قسیمہ تھا۔

اور بیٹوں کے حالات پردہ خفا میں ہیں البتہ فاطمہ کا عقد عبداللہ
ابن جعفر طیار کے بیٹے سے ہوا اور اس سے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔
یزید، صالح، حماد، حسین اور زینب۔

حسن مثنیٰ کے بیٹوں میں سے محمد کے سوائے سب کے اولاد ہوئی
اب ہم ان کی اولاد کا ذکر شروع کرتے ہیں، اور اس ذکر کے خاتمہ پر ان میں
سے جو معروف و مشہور رہیں ان کے مقاتل کا ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ

ذکر اولاد عبداللہ بن الحسن بن الحسن المجتبیٰ علیہ السلام ابو محمد عبداللہ
بن الحسن انہیں عبداللہ محض بھی کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے والد حسن بن الحسن
علیہ السلام اور ان کی والدہ فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام تھیں وہ شکل و

صورت میں شبیہ رسولؐ تھے اقبیلہ بنی ہاشم کے شیخ تھے نہایت خوبصورت اور نہایت قوی و نہایت سخی تھے قوی النفس اور شجاع تھے وہ منصور کے ہاتھ سے شہید ہوئے ان کی شہادت کا تذکرہ ہم آخری باب میں کریں گے۔
عبداللہ محض کے چھ بیٹے تھے، پہلے محمد بن عبداللہ جن کا لقب نفس زکیہ مقتول ہے اور ان کے گیارہ اولاد تھیں چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں اور ان کے نام اس طرح ہیں، عبداللہ، علی، طاہر، ابراہیم، حسن، یحییٰ، فاطمہ، زینب ام کلثوم، ام سلمہ، ام سلمہ ثانیہ عبداللہ محض کا بیٹا عبداللہ کا لقب اشتر تھا اور اسے ہندوستان میں شہید کیا گیا لوگوں نے اس کا سر ہندوستان سے منصور کو بھیجدیا علی بن محمد بن عبداللہ محض نے منصور کے دربار میں وفات پائی اور طاہر کے متعلق اختلاف ہے کہ اس کے اولاد ہوئی یا نہیں۔ ابراہیم کے ایک بیٹا تھا محمد نامی اور چند بیٹیاں تھیں ان کی ماں اولاد امام حسین علیہ السلام سے تھیں۔ محمد کے چند بیٹے ہوئے مگر ان کی اولاد منقطع ہوگئی۔ حسن واقعہ فخ میں حسین بن علی کی رکاب میں تھے۔ میدان جنگ میں تیر سے زخمی ہوئے عباسیوں نے انہیں پناہ دیکر اسے شہید کردیا اس کی اولاد نہیں ہے یحییٰ کے بھی اولاد نہیں ہوئی اور ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا نفس زکیہ کی اولاد عبداللہ اشتر سے باقی رہی۔

عبداللہ محض کے دوسرے بیٹے ابراہیم ہیں، جنہیں قتیل باخمری کہتے ہیں اور اس کے دس بیٹے تھے محمد، اکبر، طاہر، علی، جعفر، محمد اصغر، احمد اکبر، احمد اصغر، حسن، ابوعبداللہ محمد اکبر قشاش کے لقب سے مشہور

تھے وہ سب لاولد تھے اسی طرح طاہر، علی، ابو عبداللہ احمد اصغر کی وفات مصر میں ہوئی یہ سب ہی بے اولاد تھے ایک محمد اصغر تھے جن کی والدہ رقیہ دختر ابراہیم تھیں ان سب کی نسل منقطع ہو گئی۔ المختصر ابراہیم قتیل باخمری کی اولاد سے صرف حسن سے جو بزرگ وجیہ تھے نسل کا سلسلہ جاری رہا۔

عبداللہ محض کے تیسرے بیٹے ابوالحسن موسیٰ ہیں ان کا لقب جون تھا کیونکہ وہ سیاہ رنگ پیدا ہوئے تھے، ادیب اور شاعر تھے جب منصور نے ان کے باپ عبداللہ کو قید کر لیا موسیٰ کو حاضر کیا اور حکم دیا کہ اس کے ہزار تازیانے لگائیں، پھر کہا کہ تجھے حجاز جانا پڑے گا تاکہ تو مجھے اپنے بھائی محمد اور ابراہیم کے متعلق اطلاع دے موسیٰ نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ محمد اور ابراہیم مجھے اپنا پتہ دیں جبکہ تیرے جاسوس میرے ہمراہ ہونگے منصور نے حجاز کے گورنر کو لکھا کہ وہ موسیٰ سے تعرض نہ کرے اور موسیٰ کو حجاز روانہ کیا۔ موسیٰ بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچا وہ وہیں تھا یہاں تک کہ اس کے بھائی محمد و ابراہیم شہید ہوئے جب مہدی خلیفہ ہوا تو اسی سال مکہ معظمہ کی زیارت کے لئے آیا جبکہ وہ طواف میں مصروف تھا، موسیٰ نے کہا اے امیر! مجھے امان دے تاکہ میں تجھے موسیٰ بن عبداللہ کو دکھلا دوں مہدی نے کہا میں تجھے اس شرط پر امان دیتا ہوں، موسیٰ نے کہا میں ہی موسیٰ بن عبداللہ محض ہوں مہدی نے کہا یہاں کوئی ہے جو تجھے پہچانے اور تیرے متعلق گواہی دے۔ اس نے کہا ہاں یہ حسن بن زید اور موسیٰ بن جعفر علیہما السلام ہیں۔ الغرض ان حضرات نے گواہی دی کہ یہ موسیٰ الجون ابن

ابن عبد اللہ محض ہے مہدی نے اسے امان نامہ دیا وہ ہارون رشید کے زمانہ تک زندہ رہے ایک دن ہارون کے دستر خوان پر انہیں لغزش سی ہوئی اور وہ گر پڑے ہارون ہنس پڑا انہوں نے کہا یہ روزہ کی کمزوری ہے ضعف پیری نہیں، انہوں نے مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا ان کے اولاد بہت تھی ان کی اولاد میں سے موسیٰ بن عبد اللہ بن جون ہیں جنہیں موسیٰ ثانی کہتے ہیں ان کی والدہ امامہ بنت طلحہ فزاری تھیں ان کی کنیت ابو عمرو ہے اور یہ راوی حدیث ہیں، ۲۵۶ھ میں شہید ہوئے۔ مسعودی سے منقول ہے کہ موسیٰ زاہد تھے سعید حاجب معتز باللہ کے زمانہ میں انہیں مدینہ سے لارہا تھا ان کا بیٹا ادریس بھی ان کے ساتھ تھا جب سرزمین عراق میں منزل زبالہ پر پہنچے تو لوگ جمع ہوئے اور بنی فزارہ کی ایک جماعت نے چاہا کہ انہیں سعید حاجب سے چھڑالیں سعید نے انہیں زہر دے دیا انہوں نے اسی جگہ وفات پائی البتہ بنی فزارہ نے ان کے بیٹے ادریس کو سعید حاجب کے پنجے سے چھڑا لیا۔ ادریس کثیر الاولاد ہوئے چنانچہ شریف مکہ کا خاندان ان ہی کی اولاد سے ہے شریف حسین جو ابن سعود سے پہلے والی حجاز تھے ان ہی کی اولاد سے تھے شاہ فیصل شاہ عراق کہ جن کی سلطنت کا موجودہ جمہوریہ عراق نے خاتمہ کیا ان ہی کی اولاد سے ہے شرق اردن کا موجودہ تاجدار شاہ حسین بھی ان ہی کی اولاد سے ہے موسیٰ جون کی اولاد سے صالح بن عبد اللہ بن جون ہیں ان کی ایک بیٹی دلفا تھیں اور چار بیٹے تھے جن میں سے تین کی

نسل منقطع ہوگئی ان کا ایک بیٹا ابو عبداللہ محمد معروف بشہید تھا جن کا روضہ بغداد میں زیارت گاہ مسلمین ہے۔

چنانچہ معینہ حسنی نسابہ کہتے ہیں کہ محمد بن صالح ہی ہیں جنکو لوگ محمد الفضل کہتے ہیں اور ان کی قبر بغداد میں مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ قبر محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی ہے یہ خیال درست نہیں ہے، صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ محمد بن صالح مرد دلیر و شجاع تھے وہ غاصبین حقوق آل محمد کے تابعین کے قتل میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ متوکل عباسی کے زمانے میں وہ حجاز میں گرفتار ہوئے تو انہیں متوکل کے دربار میں لائے متوکل نے حکم دیا کہ انہیں سرمن رے میں قید رکھیں۔ مدت مدید تک قید رہے اس زمانے میں شعر و شاعری ان کا مشغلہ تھا انہوں نے متوکل کی مدح میں بھی چند قصیدے کہے۔

ان کی قید سے خلاصی کی صورت یہ ہوئی کہ ابراہیم بن المدبر نے جو متوکل کا ایک وزیر تھا۔ اس کے اشعار کا ایک قطعہ متوکل کے دربار کی ایک مغنیہ (گویا عورت) کو دیا کہ وہ متوکل کے دربار میں اسے گائے جب متوکل نے ان اشعار کو سنا تو کہا یہ اشعار کس کے ہیں۔ ابراہیم وزیر نے کہا کہ محمد بن صالح بن موسیٰ الجون کے ہیں اس پر ابراہیم نے ذمہ لیا کہ محمد اس کے بعد خروج نہیں کرے گا۔ اس پر متوکل نے اسے رہا کر دیا۔ مگر محمد پھر حجاز نہ پہنچ سکے سرمن رائے میں ہی اس جہان

فانی سے رحلت فرمائی۔

ابراہیم کی اس سفارش کا ایک سبب تھا۔ جسے محمد بن صالح نے خود بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں مجتاز ان جہاز سے باہر آیا اور جنگ شروع کی تو میرے مخالف مغلوب ہو گئے میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھی مال غنیمت حاصل کرنے میں کس طرح مشغول ہیں، اتفاقاً ایک عورت ہودج میں بیٹھی ہوئی میرے قریب آئی اور کہنے لگی کہ اس لشکر کا سردار کون ہے؟

میں نے کہا تجھے سردار سے کیا کام ہے؟

اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ اولاد رسول اللہؐ سے ایک شخص اس لشکر میں موجود ہے مجھے اس سے ایک حاجت ہے۔

میں نے کہا وہ میں ہی ہوں تو بتلا کہ کیا چاہتی ہے۔

اس نے کہا اے شریف! (سید) میں ابراہیم مدبر کی بیٹی ہوں اس قافلہ میں میرا بہت سا مال ہے اونٹ ہیں ریشمی کپڑا ہے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ اس ہودج میں جواہر تھا ہوا بھی میرے پاس بہت ہیں، میں تجھے تیرے جد پاک رسول اللہؐ اور تیری جدہ طاہرہ فاطمہ زہرا کی قسم دیتی ہوں، کہ مجھ سے یہ مال جائز طور پر لے لو اور کوئی شخص میرے ہودج کے قریب نہ آئے۔ اور اس سے بھی زیادہ مال اگر تم چاہتے ہو تو میرے ذمہ رہا میں حجاز کے تاجروں سے قرض لیکر تمہارے حوالہ کر دوں گی۔ جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو میں نے

بلند آواز سے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ لوٹ مار غارت سے ہاتھ روک لو اور جو کچھ تم لے چکے ہو میرے پاس لاؤ جب وہ لے آئے تو میں نے اس عورت سے کہا کہ میں نے یہ تمام مال تجھے بخش دیا" مجتاز دن کے اور اموال سے بھی چشم پوشی کی میں نے ان اموال میں سے کوئی چیز نہیں لی اور خالی ہاتھ چلا آیا جب میں سرمن رائے میں قید تھا ایک رات زندان کے محافظ میرے پاس آئے اور کہا چند عورتیں اجازت چاہتی ہیں کہ تیرے پاس آئیں میں نے دل میں سوچا کہ وہ میرے رشتہ داروں میں سے ہونگی میں نے اجازت دی جب یہ عورتیں زندان میں داخل ہوئیں تو کھانے پینے کی چیزیں اور دوسری ضروریات زندگی بہ تعداد کثیر ہمراہ لائیں اور مجھ سے مہر و مروت کا اظہار کر رہی تھیں اور انہوں نے منتظمین زندان اور دوسرے قیدیوں کو بھی عطیات عطا فرمائے تاکہ وہ مجھ سے نرمی برتیں اور نیک سلوک ان عورتوں میں سے میں نے ایک عورت کو دیکھا جو دوسروں سے جاہ و حشمت میں بڑھی ہوئی تھی میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اس نے جواب دیا کہ کیا آپ مجھے نہیں جانتے میں نے کہا نہیں. اس نے کہا میں ابراہیم بن مدبر کی بیٹی ہوں اور میں کبھی بھی آپ کے احسان کو فراموش نہیں کر سکتی ہوں اور میں آپ سے نیک سلوک فرض سمجھتی ہوں اس کے بعد اس نے مجھے الوداع کہا اور واپس چلی گئی جب تک میں جیل میں رہا. میری خبر گیری میں اس نے کوتاہی نہیں کی اسی کے باپ کی سفارش سے آخر جیل سے میری رہائی ہوئی.

المختصر ابراہیم بن مدبّر نے اپنی بیٹی کا محمد بن صالح سے عقد کر دیا محمد بن صالح کے مناقب و نیک اوصاف بہت زیادہ ہیں۔ اور اسی کی اولاد سے حسن شہید کے والد عبد اللہ بن محمد ہیں ان کی اولاد حجاز میں بہت ہے انہیں "صالحیون" کہتے ہیں آل ابی ضحاک اور آل ہزیم ہیں اور وہ عبد اللہ بن محمد بن صالح کی اولاد سے ہیں۔

۴۔ ان کے چوتھے بیٹے عبد اللہ محض یحییٰ صاحب دیلم ہیں۔ یہ بزرگوار نہایت جلیل الشان اور صاحب فضائل کثیرہ ہیں۔ راوی حدیث ہیں اور جعفر بن محمد علیہما السلام اور ابان بن تغلب سے بہت سی روایات انہی سے منقول ہیں اور وہ واقعہ فخ میں حسین بن علی کے ساتھ تھے اور حسین کی شہادت کے بعد وہ مدتوں تک صحرا نوردی میں مبتلا رہے کیونکہ ان کی جان محفوظ نہیں تھی۔ آخر ہارون رشید کے خوف سے انہوں نے بھاگ کر دیلم میں پناہ لی اور وہاں پر لوگوں کو دعوت دی اور ایک جماعت کثیر نے ان سے بیعت کی اور اس طرح دیلم میں انہیں یہاں تک کامیابی ہوئی کہ ہارون رشید ان سے خائف و ہراساں ہوا اور اس نے ایک خط فضل بن یحییٰ بن خالد برمکی کو لکھا کہ یحییٰ بن عبد اللہ سے سخت اندیشہ لاحق ہے کوئی ایسی تدبیر اختیار کر جس سے مجھے اس اندیشہ سے نجات ہو فضل ایک عظیم لشکر آراستہ کر کے دیلم کی طرف روانہ ہوا لیکن یحییٰ سے صلح اور نرمی کا طریقہ اختیار کیا اور انہیں لگاتار خطوط لکھے جن

میں تخویف بھی تھی اور ترغیب بھی، خوف بھی تھا اور امید بھی چونکہ یحییٰ میں فضل سے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اور اس کے پاس اس قدر فوجی قوت موجود نہیں تھی کہ فضل سے جنگ کر سکے۔ اس لئے وہ طالب امان ہوئے فضل نے امان نامہ رشید سے حاصل کر کے اسے بھیج دیا جس میں رشید نے مستحکم و مضبوط عہد و پیمان کئے تھے، آخر کار یحییٰ فضل برمکی کے ہمراہ رشید کے پاس آئے رشید عزت و احترام سے پیش آیا۔ اور انہیں دو لاکھ اشرفی اور اموال کثیرہ عطا کئے اور خلعت سے بھی سرفراز کیا۔ یہ واقعہ ۴ صفر ۱۷۶ھ ہجری کا ہے۔ یحییٰ نے ان اموال سے حسین بن علی شہید فخ کے قرضوں کو ادا کیا ان پر تقریباً دو لاکھ اشرفی قرض تھا۔ رشید یحییٰ بن عبد اللہ کے آنے کے بعد مدت تک خاموشی اختیار کئے رہا۔ لیکن اس کے دل میں یحییٰ کی دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی، اور وہ کبھی کبھی یحییٰ کو دربار میں بلاتا تھا اور ان پر سختی کرتا تھا، یحییٰ اس امان نامہ کو پیش کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس امان نامہ کی رو سے تو کس طرح عہد شکنی کر سکتا ہے؟ رشید نے وہ امان نامہ لیکر اسے محمد بن حسن صاحب قاضی ابو یوسف کے سپرد کیا تاکہ وہ اسے پڑھکر کوئی عہد شکنی کی صورت نکالے۔ اس نے اسے پڑھکر کہا کہ یہ ایسا عہد نامہ ہے جس میں یحییٰ کی امان واضح و جلی ہے اور اس سے یحییٰ کے متعلق کوئی حیلہ پانا ممکن نہیں اسوقت ابوالبختری وہب بن وہب حاضر تھا۔ اس نے وہ امان نامہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا کہ یہ امان نامہ فلاں فلاں حیثیت سے باطل ہے

اور کہا کہ آپ یحییٰ کے قتل کا حکم دے دیں اور اس کا خون میری گردن پر ہے رشید نے مسرور خادم سے کہا کہ ابوالبختری سے کہو کہ اگر یہ عہد نامہ باطل ہے تو اسے پارہ پارہ کر دیجئے ابوالبختری نے امان نامہ لیکر چھری ہاتھ میں لی اور جب وہ اس امان نامہ کو چھری سے پارہ پارہ کر رہا تھا تو غصہ کی حالت میں اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے ،

ہارون رشید کو یہ بات اس قدر پسند آئی کہ ابوالبختری کو ایک لاکھ چھ ہزار درہم عطا کئے اور اس کا تقرر قاضی کے عہدے پر کر دیا ۔ اس نے اس عہدہ کا چارج لے کر حکم دیا کہ یحییٰ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیں وہ چند روز قید خانے میں رہے پھر انہیں حاضر دربار کیا گیا اور دوسرے قضاۃ اور گواہوں کی موجودگی میں کہا کہ آپ دیکھئے کہ یحییٰ کو قید خانہ میں کوئی ضرر نہیں پہنچا اور اس کے قتل کا قصد نہیں کیا گیا ۔ اس وقت سب یحییٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا ۔ یحییٰ خاموش تھے اور کوئی جواب نہیں دے رہے تھے ۔ لوگوں نے کہا آپ بات کیوں نہیں کرتے ؟ انہوں نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور اشارہ سے بتلایا کہ مجھ میں بات کرنے کی سکت نہیں ۔ اس پر انہوں نے اپنی زبان نکالی وہ اس طرح سیاہ تھی کہ کوئلہ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ۔ اس پر رشید نے کہا ۔ یہ جو تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زہر دیا گیا ہے یہ جھوٹ اور غلط ہے ۔ انہیں پھر قید خانہ میں بھیج دیا گیا وہ وہیں تھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے ۔

ابوالفرج کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ وہ گواہوں کا گروہ ابھی گھروں میں نہیں پہنچا تھا کہ یحییٰ زہر کی شدت و ثقالت سے زمین پر گر پڑے۔

ان کی شہادت کے متعلق مختلف روایات ہیں بعض روایات میں ہے کہ انہیں زہر دیکر مارا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ انہیں زندان میں کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا اور وہ بھوک سے مر گئے ایک گروہ کا خیال ہے کہ رشید نے حکم دیا کہ انہیں زمین پر زندہ لٹا کر ان پر پتھر کا ایک ستون تعمیر کر دیا جائے چنانچہ اس سے ان کا انتقال ہوا۔

ابو فراس نے بنی عباس کے مثالب میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں یحییٰ کی شہادت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور اس میں اس نے کہا ہے۔

یا جاحداً مساویہا یکتمہا

غدر الرشید بیحییٰ کیف یکتتم

ذاق الزبیری غب الحنث وانکشفت

عن ابن فاطمۃ الاقوال والتہم

ان اشعار میں عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر کی سعایت (چغلی) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس نے رشید سے کہا تھا یحییٰ اپنے لئے بیعت کا طلب گار ہے اور وہ اپنے لئے مجھ سے بھی بیعت لینا چاہتا تھا۔ اس بیان پر یحییٰ نے اسے قسم دی جھوٹی قسم کھانے پر اس کا جسم متورم اور سیاہ ہو گیا۔ اس کے بعد ہلاک ہو گیا۔

یحییٰ کے گیارہ اولاد ہوئیں چار بیٹیاں اور سات بیٹے ان کے پوتے اور نواسے بہت ہوئے ان کے بہت سے پوتے شہید ہوئے ان کی اولاد میں سے محمد بن یحییٰ ہیں جنہیں بکار زبیری نے مدینہ میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید میں رکھا ان کی ساری زندگی قید میں ہی گزری یہاں تک کہ جیل میں ہی انہوں نے وفات پائی ان کی اولاد میں محمد بن جعفر بن یحییٰ ہیں جنہوں نے مصر کی طرف سفر کیا اور وہاں سے مغرب میں چلے گئے وہاں ایک جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی اور انہوں نے ان کی اطاعت میں اپنی گردنیں جھکا دیں وہ اُن میں عدل و انصاف، اقتصاد و میانہ روی سے حکومت کرتے رہے آخرکار انہیں بھی زہر دے کر شہید کیا گیا۔

یحییٰ کی اولاد میں سے ان کا بیٹا محمد تھا جو ہمیشہ ہارون رشید کی قید میں رہا اور وہیں اس دار فانی سے انتقال کیا۔

۵۔ ان کے پانچویں بیٹے عبداللہ محض ابو محمد سلیمان ہیں۔ سلیمان بن

عبداللہ نے ۵۳ سال عمر پائی فخ میں حسین بن علی کی رکاب میں شہید ہوئے ان کے دو بیٹے تھے ایک عبداللہ اور دوسرا محمد، سلیمان کی نسل کا سلسلہ محمد سے جاری رہا محمد فخ کی لڑائی میں موجود تھے صاحب عمدۃ المطالب لکھتے ہیں کہ اپنے باپ کی شہادت کے بعد بھاگ کر مغرب چلے گئے وہاں ان کے اولاد ہوئی ان کی اولاد میں سے عبداللہ بن سلیمان بن محمد تھے کہ جو کوفہ میں لوٹ آئے تھے یہ جلیل القدر بزرگ راوی حدیث بھی ہیں۔ بخوف طوالت ہم ان کی اولاد کے تذکرہ کو ترک کرتے ہیں۔

۶۔ ان کے چھٹے بیٹے عبداللہ محض ابو عبداللہ ادریس ہیں۔ ان کی شہادت کے متعلق روایات میں بہت اختلاف ہے ان میں صحیح ترین روایت یہ ہے کہ ادریس جنگ فخ میں حسین بن علی کی معیت میں عساکر عباسیہ کے ساتھ مصروف قتال تھے حسین بن علی اور اپنے بھائی سلیمان کی شہادت کے بعد میدان جنگ سے مغرب (افریقہ) کی طرف چلے گئے۔ ان کا راشد جو بہت عقلمند انسان تھا ان کے ساتھ تھا، پہلے شہد فاس میں وارد ہوئے یہ مغرب کی سرزمین میں مشہور ہے پھر طلحہ تشریف لے گئے یہ افریقہ کے مغربی ساحل پر مشہور شہر ہے وہاں سے مصر چلے گئے مغرب کے لوگوں نے ان کی بیعت کی اور انہوں نے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی جب ہارون رشید کو یہ خبر پہنچی تو دنیا اس کی

نگاہوں میں تاریک ہو گئی۔ ہارون رشید نے دیکھا کہ اس سے جنگ آسان بات نہیں اس لئے ہارون رشید نے حکم زیدہ پو سلیمان بن جریر کو غالیہ میں زہر ملا کر دیا اور ادریس کے پاس روانہ کیا۔ سلیمان جب ادریس کے پاس پہنچا چونکہ وہ ادیب اور زبان دان آدمی تھا۔ اسے زینت مجلس سمجھ کر اسے خیر مقدم کہا۔ ایک دن جب کہ سلیمان کو ادریس سے خلوت کا موقعہ ملا مجلس راشد اور دوسرے مصاحبوں سے خالی تھی تو سلیمان نے اس خوشبودار مسموم غالیہ کو تحفہ و سوغات کے طور پر ادریس کی خدمت میں پیش کیا ادریس نے اسے سونگھا اور جسم پر ملا۔ سلیمان موقعہ کو غنیمت سمجھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور راہ فرار اختیار کی۔ ادریس تھوڑے عرصہ کے بعد زہر سے متاثر ہو کر زمین پر لوٹنے لگے اتنی دیر میں راشد آپہنچا جب اس نے یہ حالت دیکھی تو یا در فتار گھوڑے پر سوار ہوا اور سلیمان کا تعاقب کیا۔ وہ سلیمان تک جا پہنچا اس نے تلوار سے سلیمان کو زخمی کیا۔ اس کے سر، چہرے اور انگلیوں پر چند زخم آئے جب راشد لوٹا تو ادریس دار فانی سے چل بسے تھے۔ ادریس کی ایک بیوی زن بربریہ ام ولد ادریس سے حاملہ ہو چکی تھیں مغرب کے باشندوں نے راشد کے مشورہ سے تاج سلطنت ام ولد کے شکم کے لئے وقف کر دیا جب یہ مولود پیدا ہوا تو اس بچہ کے باپ کے نام پر اس کا نام بھی ادریس رکھا۔ یہ مولود باپ کی وفات کے چار ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ ایک شرارت پسند جماعت نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ مولود راشد سے ہے

یہ بات بالکل افترا اور جھوٹ ہے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:-

خدا ادریس بن ادریس پر رحمت نازل فرمائے وہ
نجیب اہل بیت و شجاع اہل بیت ہے خدا کی
قسم اس کی مثال ہم میں باقی نہیں رہی۔

داؤد بن قاسم جعفری جو شیعہ کے بزرگ علماء میں سے ہیں اور علم نسب میں کمال رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ادریس بن عبداللہ کی وفات اور ادریس بن ادریس کی ولادت کے وقت میں موجود تھا۔ ادریس بن ادریس صحیح النسب ہیں حسن و شجاعت وجود و سخا میں میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

لاجرم ادریس بن ادریس کی صحت نسب میں کوئی شک و شبہ نہیں ان کی اولاد مصر میں مقیم رہی اور وہ خواطم کے لقب سے مشہور ہیں شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری نور اللہ مرقدہٗ نے مجالس المومنین میں ادریس بن عبداللہ کی شہادت کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ ہارون الرشید نے ایک طبیب داؤد نامی کو مغرب میں بھیجا وہ ادریس کی خدمت میں پہنچا اور وہ مکاری اور چالاکی سے ادریس کے مخصوص درباریوں میں شامل ہوگیا۔ یہاں تک کہ ایک روز ادریس کو درد دندان کی شکایت تھی اس نے ادریس کو دانتوں کی ایک دوا دی۔ ادریس نے صبح کے وقت اسے استعمال کیا اور وہ اسے استعمال کرتے ہی ختم ہو گئے

ان کی ایک بیوی حاملہ تھیں ارکین سلطنت نے تاج سلطنت اس کے شکم مبارک کے حوالہ کر دیا اور اسلام میں اس کے سوا کوئی انسان ایسا نہیں جسے شکم مادر میں سلطنت سے موسوم کیا گیا ہو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔

علیکم بادریس ابن ادریس فانہ نجیب اہل بیت وشجاعھم۔

تم پر ادریس ابن ادریس کا احترام فرض ہے کیونکہ وہ نجیب اہل بیت اور شجاع اہل بیت ہیں۔

ذکر احوال ابراہیم بن الحسن بن الحسن المجتبیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ذکر

ابوالحسن ابراہیم عبداللہ محض کے حقیقی بھائی ہیں وہ جو دو سخا رفعت مرتبہ اور شرافت عظیمہ کی وجہ سے غمر کے لقب سے ملقب تھے غمر کے معنی سمندر ہیں (منجد) شکل و شباہت میں سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا سے مشابہت رکھتے تھے اور وہ اچھے بھائی روات حدیث ہیں منصور نے انہیں اور ان کے حقیقی بھائی نیز دوسرے بھائیوں کو گرفتار کر کے کوفہ کے زندان میں ڈال دیا تھا وہ پانچ سال تک نہایت رنج

وصعوبت میں جیل میں رہے ماہ ربیع الاول ۱۴۵ھ میں انہوں نے جیل میں ہی انتقال فرمایا۔ اور وہ پہلے شخص ہیں جو ان قیدیوں کی جماعت میں سے جیل میں شہید ہوئے ان کی عمر ۵۹ سال کی تھی وہ فضائل و محاسن میں شہرت رکھتے تھے سفاح اپنے زمانے میں ان کی تشریف آوری کو مبارک سمجھتا تھا ابراہیم کے گیارہ اولادتھیں چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ان کے اسمائے سامیہ اس طرح ہیں۔

(۱) یعقوب (۲) محمد اکبر (۳) محمد اصغر (۴) اسحاق (۵) علی۔
(۶) اسماعیل (۷) رقیہ (۸) خدیجہ (۹) فاطمہ (۱۰) حسنہ (۱۱) ام اسحاق

ان کی اولاد کا سلسلہ اسماعیل دیباج سے ہے محمد اصغر کی والدہ ام ولدی تھیں جنکا اسم گرامی عالیہ تھا۔ چونکہ خوش جمال و خوبرو تھے اس لئے لوگ انہیں دیباج اصغر کہتے تھے۔ جب انہیں گرفتار کر کے منصور دوانقی کے پاس لائے تو اس نے کہا کہ کیا تو ہی دیباج اصغر ہے انہوں نے کہا ہاں اس پر اس نے کہا خدا کی قسم میں تجھے ایسی طرح ماروں گا کہ تیرے اعزا و اقربا میں سے کسی کو اس طرح نہیں مارا چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک ستون بنائیں اور اس میں انہیں رکھ کر اسی ستون میں چن دیا جائے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں واصل رحمت خدا ہوگئے

اسماعیل جن کی کنیت ابو ابراہیم تھی اور لقب دیباج اکبر تھا۔ وہ فخ کی لڑائی میں حاضر تھے مدت تک منصور کی قید میں رہے ان کی ایک بیٹی تھی ام اسحق اور دو بیٹے تھے حسن اور ابراہیم حسن فخ کے غازیوں

میں سے تھے ہارون الرشید نے انہیں بائیس سال قید رکھا جب مامون بادشاہ ہوا تو اس نے انہیں رہا کر دیا اور انہوں نے ۶۳ سال کی عمر میں دنیا کو وداع کیا۔

اسماعیل دیباج کی اولاد سے ہی سید سند عالم نسابہ فاضل جلیل القدر واسع الروایہ ابو عبداللہ تاج الدین محمد بن ابی جعفر بن الحسین الحسنی الدیباجی الکلی ہیں جو ابن معیہ کے نام سے معروف ہیں۔ نسب معرفۃ الرجال فقہ و حساب و عروض و حدیث کے علوم و فنون میں صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ سید سند نسابہ جمال الملۃ والدین احمد بن علی بن الحسین الحسنی الداؤدی نے ان ہی سے علوم و فنون حاصل کئے ہیں۔

صاحب عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ان کی پیری کے زمانے میں انہی سے اخذ علوم کیا ہے میں تقریباً بارہ سال ان کی خدمت میں رہا اور جو کچھ ممکن ہو سکا ان سے علوم و فنون حدیث، فقہ، نسب حساب ادب و تاریخ و شعر وغیرہ حاصل کئے۔

خاتم المحدثین شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔

سید جلیل ابن معیہ شیخ شہید علیہ الرحمۃ کے بھی استاد تھے شیخ شہید نے اپنے اجازات میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

اِنَّہٗ اعجوبۃ الزمان فی جمیع
الفضائل والمآثر

وہ تمام فضائل و آثار میں عجوبہ روزگار تھے ابن

میمہ نے دہ ۸ ربیع الاخر ۲۶۰ھ کو حلہ میں وفات پائی۔

مقیتہ بر وزن سمیۃ ابو القاسم علی بن حسن بن حسن بن اسماعیل دیباج کی ماں ہیں اور وہ محمد بن حارثہ بن معویہ بن اسحاق کی بیٹی ہیں اور کوفہ کے قبیلہ بنی عمرو بن عوف سے ہیں اور ان کی سکونت بغداد میں تھی ابراہیم بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم الغمر کی ماں ام ولد ہیں وہ طبا طبا کے لقب سے معروف تھے۔

ابو الحسن عمری سے منقول ہے کہ جس وقت ابراہیم ابھی لڑکے ہی تھے ان کے باپ اسماعیل نے چاہا کہ ان کے لئے کپڑے سیئے۔ تو ان سے کہا تم کیا چاہتے ہو تمہارے لئے پیراہن سیئوں یا قبا چونکہ ان کی زبان ابھی مخارج حروف کے ادا کرنے پر قادر نہیں تھی چاہا کہ قبا قبا کہیں مگر منہ سے طبا طبا نکلا اس لئے ان کا لقب طبا طبا ہو گیا۔ اہل علم کہتے ہیں کہ نبطی زبان میں طبا طبا کے معنی سید السادات ہیں۔ المختصر ابراہیم جلیل الشان اور مستقل مزاج آدمی تھے انہوں نے اپنے عقائد حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے اور انہیں شک و شبہ کی آلائشوں سے پاک و پاکیزہ کیا ان کے گیارہ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

۱۔ جعفر (۲) ابراہیم (۳) اسماعیل (۴) موسیٰ (۵) ہارون (۶) علی (۷) عبد اللہ (۸) محمد (۹) حسن (۱۰) احمد (۱۱) قاسم (۱۲) لبابہ (۱۳) فاطمہ

عبد اللہ اور احمد ایک ماں سے تھے جن کا نام جمیلہ بنت موسیٰ بن عیسیٰ بن عبد الرحیم ہے احمد نے ۲۷۰ھ مصر پر حملہ کیا احمد بن طولون

نے انہیں شہید کیا ان کی اولاد منقرض ہو گئی۔

محمد بن ابراہیم جن کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ۱۹۹ھ میں انہوں نے ابو السرایا کی مدد سے زمانہ سلطنت مامون میں کوفہ پر حملہ کیا۔ کوفہ پر قبضہ کر لیا وہاں وہ مقام رفعت پر پہنچے لیکن اسی سال مرگ ناگہانی سے وفات پائی سرزمین نجف میں مدفون ہیں۔ ابو الفرج نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے جابر جعفی سے فرمایا کہ ۱۹۹ھ کے ماہ جمادی الاولی اہل بیت میں سے ایک شخص کوفہ پر متصرف ہوگا اور کوفہ کے منبر پر خطبہ پڑھے گا۔ حق تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ اس پر مباہات فرمائے گا۔

قاسم بن ابراہیم طبا طبا جن کی کنیت ابو محمد ہے اور انہیں رسی کہتے ہیں چونکہ انہوں نے جبل رس میں سکونت اختیار کر لی تھی وہ عفیف زاہد اور صاحب تصانیف سید تھے اور وہ تحریک الرضا من آل محمد علیہم السلام کے داعی تھے ۲۴۶ھ میں وفات پائی ان کی اولاد بہت ہے ان میں سے اکثر رئیس و مقدم ہوئے ہیں ان میں سے ایک جماعت ائمہ زیدیہ اور شاہان یمن ہوئے ہیں مثلاً ابو حمزہ ابو الحسن یحییٰ الہادی بن حسین بن قاسم الرسی معتضد کے زمانے میں ۲۸۰ھ میں یمن میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا لقب الہادی الی الحق ہوا ان کی فقہ خفیہ میں بہت اچھی کتابیں ہیں ۲۹۸ھ میں وفات پائی ان کی اولاد سے ائمہ زیدیہ و شاہان یمن ہیں اور وہ قاسم الرسی کی اولاد سے ہیں۔ زید الاسود بن ابراہیم بن

محمد بن الرسی کو عضدالدولہ دیلمی نے بیت المقدس سے بلایا اور اپنی بہن سے ان کی تزویج کی جب اس کی بہن وفات پا گئی تو اپنی بیٹی شاہان دخت سے ان کا نکاح کیا شیراز میں وہ وجیہ و رئیس تھے شیراز کے اکثر ثقاۃ و قضاۃ ان ہی میں سے تھے سادات طباطبائی اس زمانہ میں بھی موجود ہیں اور مشرق و مغرب میں بہت ہیں،

ذکر احوال ابو علی حسن بن الحسن بن الحسن المجتبیٰ علیہ السلام اور انکی اولاد کا ذکر واقعہ فخ کی تفصیل اور حسین بن علی وغیرہ کی شہادت،

انہیں حسن ابن مثنیٰ حسن مثلث کہتے ہیں، چونکہ وہ اس خاندان کا تیسرا بیٹا ہے کہ جس کا نام بلا واسطہ حسن ہے وہ عبداللہ محض کے حقیقی بھائی ہیں۔ انہوں نے بھی منصور کی قید میں کوفہ میں وفات پائی۔ ان کی وفات ۱۴۵ھ میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ۶۸ سال تھی۔ ابو الفرج سے منقول کہ جب حسن مثلث کے بھائی عبداللہ کو قید کیا گیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ جبتک عبداللہ قید خانے میں ہیں میں جسم پر تیل نہیں ملوں گا۔ سرمہ نہیں لگاؤں گا، اچھا لباس نہیں پہنوں گا اور لذیذ

غذا نہیں کھاؤں گا۔ اس لحاظ سے ابو جعفر منصور نا انہیں احاد یعنی تارک زینت کہتا تھا وہ مرد فاضل اور پرہیز گار تھے اور سامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لحاظ سے مذہب زیدیہ کی طرف میلان رکھتے تھے ان کے چھ بیٹے تھے۔

(۱) طلحہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) عبداللہ (۶) علی، طلحہ کے اولاد ہوئی۔

عباس کی ماں عائشہ بنت طلحہ الجود تھیں وہ ایک ہاشمی نوجوان تھے جب انہیں گرفتار کر کے جیل سے جا رہے تھے تو اس کی ماں نے فریاد کی کہ اسے اجازت دو کہ میں گود میں لیکر اس کی خوشبو سونگھ لوں لیکن اس کے جواب میں کہا گیا کہ جب تک تو زندہ ہے اپنی اس مراد میں بامراد نہیں ہو گی عباس ۲۳ رمضان ۱۴۵ھ میں قید خانہ میں ہی دنیا سے رخصت ہوئے ان کے بیٹا تھا مگر اس سے سلسلہ نسل نہیں چلا ان کی اولاد سے علی ابن عباس تھے اور انہوں نے بغداد میں آکر لوگوں کو دعوت دی۔ زیدیہ کے ایک گروہ نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔

مہدی عباسی نے ان کو زندان میں ڈال دیا مگر حسین بن علی صاحب فخ کی سفارش پر انہیں رہا کر دیا مہدی نے انہیں شربت میں زہر دی تھی زہر نے ان میں اثر کر لیا تھا۔ اسی حالت میں وہ مدینہ منورہ میں آئے زہر کے اثرات سے ان کا جسم فاسد ہو چکا تھا اور اعضا ایک دوسرے سے جدا ہو چکے تھے آخر مدینہ طیبہ میں تین دن سے زیادہ زندہ

رہ سکے اور دنیا فانی سے رحلت فرمائی
حمزہ کی وفات باپ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی ابراہیم کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

لیکن عبداللہ کہ جن کی کنیت ابو جعفر تھی ان کی والدہ ام عبداللہ بنت عامر بن عبداللہ بن بشر بن عامر ملاعب الاسنہ تھیں۔ انہیں ان کے بھائی علی اور تمام سادات بنی حسن کو منصور دوانیقی نے گرفتار کیا۔ مدینہ سے کوفہ روانہ کیا جب ربذہ کے قریب قصر نفیس میں جو مدینہ سے تین میل ہے لاتے تو لوہار دن کو حکم دیا کہ ان کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال دیں پس ان میں سے ہر ایک کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ عبداللہ کی بیڑیوں کے حلقے بہت تنگ تھے ان سے انہیں بہت تکلیف ہو رہی تھی جب عبداللہ نے ٹھنڈی سانس لی اور ان کے بھائی علی نے جب یہ دیکھا تو کہا آپ اپنی بیڑیاں میری بیڑیوں سے بدل لیجئے کیونکہ علی کی بیڑیوں کے حلقے فراخ تھے پس انہوں نے آپس میں اپنی بیڑیاں بدل لیں۔ پس عبداللہ نے ۱۴۵ھ میں عبدالاضحٰی کے دن ۴۶ برس کی عمر میں قیدخانہ میں ہی وفات پائی علی بن الحسن عبداللہ بن الحسن المثلث کے حقیقی بھائی جن کی کنیت ابوالحسن اور ان کے القاب علی الخیر یا علی العابد تھے انہیں عبادت میں اس قدر حضور قلب و خضوع و خشوع تھا کہ ایک دفعہ مکہ معظمہ کی راہ میں وہ مشغول نماز تھے کہ ایک افعی (زہریلا سانپ) ان کے کپڑوں میں داخل ہو گیا لوگوں نے بہت شور مچایا کہ سانپ

تمہارے کپڑوں میں داخل ہو گیا ہے علی اسی طرح نماز میں مصروف رہے یہاں تک کہ وہ سانپ کپڑوں سے باہر نکل آیا مگر انہوں نے حرکت نہ کی اور کوئی تغیر ان کی حالت میں نمایاں نہ ہوا۔

منقول ہے کہ ابو جعفر منصور نے اولاد حسن کو ایسے قید خانے میں محبوس کیا تھا۔ کہ جس میں اندھیرے کی وجہ سے رات اور دن کی تمیز نہیں ہوتی تھی اور نماز کا وقت معلوم نہیں ہو سکتا تھا اس حالت میں علی ابن الحسین ہمیشہ تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور اس طرح وہ اپنے اوراد کے لحاظ سے جو شب و روز معمول موظف تھے نماز کے اوقات معلوم کر لیتے تھے۔

ایک دفعہ عبداللہ بن الحسن المثنیٰ نے علی سے کہا کہ کیا تم اس قید کے مصائب و شدائد کو نہیں دیکھ رہے ہو اور خدا سے نہیں چاہتے کہ ہمیں اس قید و بلا سے نجات دے۔ علی نے کافی عرصہ اس کا جواب نہ دیا آخر کہا۔ بچا جان! ہمارے لئے بہشت میں درجہ ہے ہم اس درجہ پر اس مصیبت بلکہ اس سے بھی بڑی مصیبت سے پہنچ سکتے ہیں۔ نیز منصور کے لئے بھی جہنم میں ایک مرتبہ ہے وہ اس مرتبہ کو ہم پر ان مصائب و شدائد سے ہی پہنچ سکے گا اگر آپ چاہیں تو ہم ان مصائب پر صبر کریں اور جلد ہی ہمیں جنت کی وہ راحت نصیب ہو گی جو ہمارے لئے ہے ہماری موت اب قریب آ چکی ہے اگر آپ چاہیں تو خلاصی کے لئے دعا کریں مگر منصور اس مرتبہ کو جو جہنم میں اس کے لئے مقرر ہے نہیں پہنچے گا۔ پس عبداللہ نے فرمایا

ہم صبر ہی کرتے ہیں تین روز سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ قید خانے میں ان سب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ابدی راحتوں میں جا پہنچے علی ابن الحسین حالت سجدہ میں اس دنیا کو الوداع کہا، عبداللہ یہ سمجھے کہ شاید وہ سو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ میرے بھتیجے کو جگاؤ جب دیکھا کہ حرکت دینے سے بیدار نہیں ہوتے معلوم ہوا کہ دنیا سے چل بسے ان کی وفات ۲۶ محرم الحرام ۱۴۶ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۴۵ سال تھی۔

بعض سادات بنی الحسن نے جو ان کے ساتھ منصور کی قید میں تھے روایت کی ہے کہ جب ہم قید میں تھے تو ہماری بیڑیوں کے حلقے فراخ تھے جب ہم نماز پڑھتے تھے تو اکثر بیڑیاں اتار دیتے تھے اور جب جیل کے کارکن آتے تو ان کے خوف سے بیڑیاں پہن لیتے تھے لیکن علی ابن الحسن کے پاؤں میں ہمیشہ بیڑیاں پڑی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ ان کے چچا عبداللہ نے ان سے کہا بیٹا! کیا سبب کہ تو ہماری طرح کبھی بیڑیاں اپنے پاؤں سے نہیں اتارتا جواب دیا خدا کی قسم میں ان بیڑیوں کو اپنے پاؤں سے نہیں اتاروں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہوں اور جب خدا مجھے اور منصور کو موقف حساب میں اکٹھا کرے تو خدا کے حضور اس سے پوچھوں گا کہ تو نے مجھے کیوں قید و بند میں ڈالا تھا؟

المختصر علی ابن الحسن کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

(۱) محمد (۲) عبداللہ (۳) عبدالرحمٰن (۴) حسن (۵) حسین (۶) رقیہ (۷) فاطمہ (۸) ام کلثوم (۹) ام الحسن، ان کی ماں عبداللہ محض کی بیٹی زینب

تھیں، زینب اور ان کے شوہر علی ابن الحسن زوج صالح (پرہیزگار جوڑا) کے نام سے مشہور تھے چونکہ دونوں ہی عبادت گذار اور صالح تھے۔ جب منصور نے اس صالح بیدانی کے باپ، بھائیوں چچوں اور چچا کے بھائیوں اور شوہر کو قید میں رکھکر شہید کیا تو یہ ہمیشہ بلاس (بوریون) کا لباس پہنتی تھیں اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں ہمیشہ گریہ وزاری میں زندگی بسر کی اور کبھی منصور پر نفرین نہیں کی تاکہ تشفی نفس کا باعث ہو کر ثواب میں کمی کا سبب نہ ہو جائے اور اکثر فرماتی تھیں۔

يَا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا عَالِمَ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ وَاَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِهٖ اُحْكُمْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
الْحَاكِمِيْنَ،

محمد و عبد اللہ تو اپنے باپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے عبدالرحمٰن کے ایک بیٹی تھی جس کا نام رقیہ تھا اور حسن جو مکفوف کے نام سے مشہور ہیں ان کے بھی ایک بیٹا تھا اور حسن مثلث کی اولاد اسی سے ہے۔

لیکن حسین بن علی شہید فخ جلالت شان اور فضیلت سے پایاں رکھتے ہیں۔ ان کی مصیبت محبان اہل بیت کے دلوں پر بہت اثر کئے ہوئے ہے۔

المیہ فخ

فخ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جہاں حسین اپنے اہل بیت کے ساتھ شہید ہوئے۔ ابو نصر بخاری حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اہل بیت کے لئے المیہ کربلا کے بعد فخ سے بڑھکر کوئی المیہ نہیں ابو الفرج نے اپنی اسناد سے حضرت ابو جعفر محمد بن علی علیہما السلام سے روایت کیا ہے کہ جناب رسالت پناہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فخ سے گزر ہوا آپ وہاں اترے اور نماز پڑھی۔ جب آپ دوسری رکعت میں تھے تو رونا شروع کیا۔ حضرت کو روتا دیکھ کر لوگوں نے بھی رونا شروع کیا۔ جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے گریہ کا سبب پوچھا سب نے کہا آپ کو گریاں دیکھ کر ہم روئے ہیں حضرت نے فرمایا میرے گریہ کا سبب یہ تھا کہ جس وقت میں پہلی رکعت نماز میں تھا تو جبریل مجھ پر نازل ہوئے اور مجھے کہا یا محمد! اس مقام پر آپ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا شہید ہوگا جو شخص اس کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوگا اسے دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

نصر بن فرداش سے روایت ہے کہ میں نے جعفر بن محمد علیہما السلام

کو مدینہ سے مکہ تک کے سفر کے لئے سواری کرایہ پر دی جب ہم منزل بطن مرو سے روانہ ہوئے حضرت نے مجھے فرمایا کہ جب ہم فخ پہنچیں تو مجھے بتلا دینا میں نے عرض کیا کیا حضور فخ کے مقام سے واقف نہیں. فرمایا کیوں نہیں مگر مجھے ڈر ہے کہ میں سو یا ہوں اور ہم مقام فخ سے گذر جائیں. راوی کہتا ہے کہ جب ہم فخ پہنچے میں حضرت کے محمل کے قریب پہنچکر کھانسا. معلوم ہوا کہ حضرت سوئے ہوئے ہیں، پس میں نے حضرت کے محمل کو حرکت دی حضرت بیدار ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ یہی مقام فخ ہے. فرمایا میرے اونٹ کو قطار سے الگ کر دو. میں نے آنحضرت کے اونٹ کو الگ کر کے بٹھلایا اور پانی کا آفتابہ لایا. آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور سوار ہو کر روانہ ہوئے میں نے عرض کیا کیا یہ نماز جزو مناسک حج تھی جو جناب بجا لائے ہیں. فرمایا نہیں بلکہ اس مقام پر ہم اہل بیت میں سے ایک شخص شہید ہو گا ایک ایسی جماعت کے ساتھ شہید ہو گا جنکی ارواح ان کے اجسام کے ساتھ جنت کی طرف سبقت کریں گی. الغرض حسین ابن علی شہید فخ ایک جلیل القدر سخی الطبع بزرگ تھے جو بخشش و جود میں مشہور ہیں.

حسین بن ہذیل سے منقول ہے کہ حسین بن علی کا ایک باغ تھا جو چالیس ہزار میں فروخت ہوتا تھا. وہ اس رقم کو اپنے گھر کے دروازہ پر رکھکر وہ مٹھی بھر بھر کر مجھے دیتے تھے کہ لیں فقرائے مدینہ طیبہ تک پہنچا دوں اور تقسیم کر دوں وہ ساری رقم فقراء میں تقسیم کر دیتے

تھے اور خود ایک پیسہ بھی گھر نہیں لے جاتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال کیا اس وقت ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ سائل سے کہا کہ آپ یہاں بیٹھیئے تاکہ میں آپ کے لئے کچھ لاؤں، پس اہل خانہ سے کہلا بھیجا کہ میرے کپڑے جو دھوئے جائیں گے باہر بھیج دو جب کپڑے باہر آئے تو انہیں جمع کر کے اس سائل کو عطا کر دیئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ مختصر طور پر اس طرح ہے:۔

جب موسیٰ ہادی عباسی تخت سلطنت پر بیٹھا تو اسحٰق بن عیسیٰ بن علی کو اس نے مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر کیا اور اسحٰق نے حضرت عمر ابن ابی خطاب کی اولاد سے ایک شخص کو جس کا نام عبدالعزیز تھا۔ مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر دیا اس عبدالعزیز نے علویین یعنی اولاد علی علیہ السلام پر سختی اور بدسلوکی شروع کی اور حکم دیا کہ اولاد علی ہر روز اس کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو جائے، از انجملہ حسین بن علی، یحییٰ بن عبداللہ محض حسن بن محمد بن عبداللہ محض اس امر کے ضامن اور کفیل ہوئے کہ اولاد علی میں سے عبدالعزیز جسے چاہے گا وہ حاضر کریں گے۔ اسی ضمن میں شیعوں میں سے ستر آدمی اپنے وطن سے حج کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ میں آئے اور ابن افلح کے گھر میں اترے۔ یہ لوگ حسین ابن علی اور دوسرے علویوں سے ملاقات کرتے تھے اور یہ امر عبدالعزیز کو ناگوار تھا۔

اسی زمانے میں عبدالعزیز نے حسن بن محمد بن عبداللہ، شاعر ابن جندب ہذلی، اور حضرت عمر ابن خطاب کے ایک غلام کو گرفتار کر کے مشہور کر دیا تھا کہ انہوں نے شراب پی ہے اور ان پر حد جاری کی حسن بن محمد کو اسی کوڑے اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق دو سو کوڑے ابن جندب کے پندرہ کوڑے اور حضرت عمر کے غلام کے پانچ کوڑے لگوائے اور حکم دیا کہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر ان کی پیٹھ برہنہ کر کے انہیں مدینہ کے گلی کوچوں میں رسوا کیا جائے۔

المختصر جب عبدالعزیز نے شیعوں کے وارد مدینہ ہونے کی خبر سنی تو اس نے اولاد علیؑ پر سختی شروع کی اور ان کی نگرانی کے لئے ابوبکر بن عیسیٰ کو مقرر کیا پس جمعہ کے دن ان کو پیش کیا گیا اور پھر انہیں گھر جانے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ صبح کی نماز کا وقت ہوا، انہیں نماز کی اجازت دی گئی جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہوئے ابن حایک نے ان کو پھر جمع کر کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ اور نماز عصر کے وقت انہیں پھر بلایا تو اس مرتبہ حسن بن محمد کو ان میں نہ دیکھا حسین اور یحییٰ سے کہا کہ حسن کو حاضر کرو ورنہ میں تمہیں قید کروں گا الغرض ان لوگوں کے اور ابن الحائک کے درمیان گفتگو یہاں تک بڑھی کہ یحییٰ نے اسے گشتم کیا اور باہر نکل گئے۔ ابن الحائک نے یہ خبر عبدالعزیز تک پہنچائی۔ عبدالعزیز نے حسین اور یحییٰ کو بلایا اور سخت تنبیہہ کی۔ بات بہت بڑھ گئی اس پر عبدالعزیز نے کہا حسن بن محمد کو حاضر کرو ورنہ

میں حکم دوں گا کہ سویقہ کو منہدم کر دیا جائے یا اسے آگ لگادی جائے اور حسین کے ہزار تازیانہ لگائے جائیں اور حسن کو قتل کر دیا جائے۔ یحییٰ نے قسم کھائی کہ میں آج رات اس وقت تک نہیں سوؤں گا جب تک حسن کو تیرے گھر پر حاضر نہ کر دوں یہ کہکر حسین اور یحییٰ عبدالعزیز سے رخصت ہوئے حسین نے یحییٰ سے کہا کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا جو قسم کھائی ہے کہ حسن کو عبدالعزیز کے پاس حاضر کر دوگے۔ یحییٰ نے کہا میری مراد یہ تھی کہ حسن کو حاضر کر دوں گا لیکن اپنی تلوار سے عبدالعزیز کی گردن اڑا دوں گا۔ حسین نے کہا یہ بات ابھی ٹھیک نہیں کیونکہ ہمارے خروج کے لئے ابھی میعاد باقی ہے۔

الغرض حسین نے حسن کو بلایا اور صورت حالات سے اسے آگاہ کیا اور اس وقت فرمایا کہ اب جہاں تو چاہے چلا جا اور اس فاسق کے ہاتھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کہیں چھپ جا۔ حسن نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا کہ آپ حضرات کو سختی میں ڈال کر خود راحت و آرام کی زندگی بسر کروں بلکہ میں تمہارے ہمراہ عبدالعزیز عمری کے پاس جاؤں گا۔ حسین نے فرمایا ہم اس پر راضی نہیں ہیں کہ عبدالعزیز تمہیں اذیت پہنچائے اور ہم قیامت کے دن حضور سرکار رسالتؐ کے سامنے شرمسار ہوں۔ ہم اپنی جانیں تم پر قربان کر دیں گے۔ پس حسین نے اسی وقت یحییٰ، سلیمان، ادریس فرزندان عبداللہ کو عبداللہ بن حسن بن علی بن علی بن الحسین المعروف بافطس، ابراہیم بن اسماعیل طباطبا اور اپنے بھتیجے

عمر ابن حسن، عبد اللہ بن اسحاق بن ابراہیم غمر۔ عبد اللہ پسر امام جعفر صادق علیہ السلام کو اور اپنے خاندان کے نوجوانوں اور غلاموں کو جمع کیا۔ تیئس آدمی اولاد حضرت علی علیہ السلام سے تھے اور غلاموں کی ایک جماعت اور دس بیرونی آدمی تھے جب صبح کی نماز کا وقت ہوا اور مؤذن اذان کہنے کے لئے منار پر گیا عبد اللہ افطس تلوار کھینچکر منارہ پر پہنچے اور مؤذن سے کہا کہ اذان میں حی علی خیر العمل کہہ مؤذن نے جب تلوار اپنے سر پر دیکھی تو حی علیٰ خیر العمل کہا عبد العزیز عمری نے جب یہ کلمہ اذان میں سنا تو ہراساں ہوا اور چلایا کہ ایک خچر میرے گھر پر لاؤ اور دو گھونٹ پانی پلاؤ۔ یہ کہا جلد کانپتے ہوئے گھر سے نکل کر راہ فرار اختیار کی۔ پس حسین نے آگے بڑھکر صبح کی نماز فریضہ پڑھائی پھر منبر پر جاکر خطبہ پڑھا اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ پھر حسن بن محمد کو بلایا اور ان گواہوں کو بھی حاضر کیا جو یحییٰ کے قسم کھانے کے وقت موجود تھے اور کہا اسے لو حسن حاضر ہیں اب عبد العزیز عمری کو لاؤ تاکہ اس کے پاس انہیں پیش کیا جائے الغرض حضرت علی علیہ السلام کی تمام اولاد بجز حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ اور حضرت موسےٰ بن جعفر سلام اللہ علیہما اس واقعہ میں موجود تھے ا

حماد بریدی جو بادشاہ کی طرف سے مدینہ کی نگاہ بانی پر مقرر تھا اپنے ساتھیوں کو لیکر باب جبرئیل پر حاضر ہوا اس کی نظر یحییٰ بربری جو برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تھے حماد نے چاہا کہ پیادہ ہو کر ان سے

جنگ کرتے یحییٰ نے اسے مہلت نہ دی ایک ضرب میں اس کا سر کٹ گیا۔ اور وہ گھوڑے سے گرا اور ہلاک ہو گیا یحییٰ نے اس کے ساتھیوں پر حملہ کیا۔ جب اس کے ساتھی لشکر نے ایسا دیکھا شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔

اسی زمانے میں عباسیوں کے ایک گروہ نے جن میں عباس بن محمد سلیمان بن ابی جعفر دوانیقی، جعفر و محمد پسران سلیمان، اور دوانیقی کا چچا زاد بھائی موسیٰ بن عیسیٰ شامل تھے مسلح ہو کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف سفر کر رہے تھے، موسیٰ ہادی نے محمد بن سلیمان کو ان کا کمانڈر مقرر کیا تھا۔ دوسری طرف حسین بن علی بھی تین سو آدمی کے ساتھ حج کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے باہر نکلے جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو وادی فخ میں عباسیوں کے لشکر سے دوچار ہوئے اس پر جنگ کا آغاز ہوا روز ترویہ کی صبح کو دونوں لشکر کو ترتیب دیا محمد بن سلیمان میمنہ میں اور موسیٰ میسرہ میں اور سلیمان و عباس نے قلب لشکر میں جگہ لی موسیٰ نے ابتدائے جنگ کی اور حملہ کر دیا۔ انہوں نے بھی عباسی لشکر پر حملہ کر دیا موسیٰ نے انہیں دھوکا دینے کے لئے شکست کھائی اور وادی فخ میں داخل ہو گیا۔

علویین نے ان کا تعاقب کیا اور اسی وادی میں داخل ہو گئے محمد بن سلیمان نے اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے سے حملہ کر دیا اور علویین کو اس وادی میں گھیر لیا۔ ایک ہی حملہ میں حسین کے بہت سے ساتھی شہید ہو گئے

یحییٰ غضب ناک شیر کی طرح ان پر حملہ کر رہا تھا یہاں تک کہ سلیمان بن عبد اللہ محض. اور عبد اللہ بن اسحاق بن ابراہیم غمر شہید ہو گئے اسی معرکہ میں حسن بن محمد کی آنکھ میں تیر لگا اس نے اس تیر کی پرواہ نہیں کی اور برابر مصروف جنگ تھے یہاں تک کہ محمد بن سلیمان نے فریاد کی اے پسر خال تیرے لئے امان ہے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالئے حسن نے کہا خدا کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے لیکن میں تیری امان کو قبول کرتا ہوں یہ کہا اور اپنی تلوار کو توڑ کر ان کے پاس چلے گئے عباس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر تو حسن کو قتل نہ کرے خدا تجھے قتل کرے موسیٰ بن عیسیٰ نے بھی ان کے قتل کرنے کی ترغیب دی بس عبد اللہ ادریدا بیٹے موسیٰ بن عیسیٰ نے حسن کو شہید کر دیا۔

حسین بن علی برابر لڑ رہے تھے اور داد شجاعت دے رہے تھے حماد ترکی نے جو عباسیوں کے لشکر میں تھا نعرہ بلند کیا کہ حسین بن علی کو مجھے بتلاؤ تاکہ میں اس کا کام تمام کر دوں. لوگوں نے اسے اشارے بتا دیا اس نے تیر چلہ میں جوڑ کر حسین بن علی کو نشانہ بنایا جس سے وہ شہید ہوئے محمد بن سلیمان نے اسے سو جوڑا لباس اور ایک لاکھ درہم انعام دیا۔

الغرض حسین بن علی کے لشکر کو شکست ہوئی کچھ لوگ زخمی اور اسیر ہوئے۔ جب شہیدوں کے سروں کو جسم سے جدا کیا تو وہ تعداد میں سو تھے ان سروں کو قیدیوں کے ہمراہ موسیٰ ہادی کے پاس لے

گئے اس نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ جب حسین بن علی کے سر کو موسیٰ ہادی کے سامنے رکھا گیا تو موسیٰ نے کہا تم نے بہر کشوں میں سے ایک سر کش کا سر تم نے میرے سامنے پیش کیا ہے میں تمہیں انعام و عطا سے محروم رکھوں گا۔

جب حسین بن علی کی شہادت کی خبر مدینہ میں عبدالعزیز عمری کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ حسین ابن علی کے گھر کو بلکہ تمام اہل بیت اور ان کے رشتہ داروں کے گھروں کو لوٹ کر آگ لگا دی جائے۔

ابوالفرج نے ابراہیم قطان سے روایت کی ہے کہ میں نے حسین بن علی اور یحییٰ بن عبداللہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے یہ خروج اہل بیت اور موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے مشورہ کر کے کیا ہے۔

جب محمد بن سلیمان عباسی نزع کے عالم میں تھا تو لوگ اسے کلمہ شہادتین کی تلقین کر رہے تھے شہادتین کے عوض وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے ہلاک ہوا۔

الا لیت امی لم تلدنی ولم اکن
لقیت حسینا یوم فخ ولا حسن

آگاہ ہو کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور نہ میں
فخ کے دن حسن و حسین سے دوچار نہ ہوتا۔

حضرت ابوطالب کی اولاد میں سے جو لوگ حسین بن علی کے ساتھ المیہ فخ میں شریک تھے وہ یحییٰ و سلیمان و ادریس فرزندانِ عبداللہ

محض، علی بن ابراہیم بن حسن، ابراہیم بن اسماعیل طباطبا، حسن بن محمد بن عبداللہ محض، عبداللہ و عمر پسران اسحاق بن حسن بن علی بن الحسین اور عبداللہ بن اسحاق بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ ہیں اسے ابوالفرج نے مدائنی سے نقل کیا ہے۔

مسعودی کی روایت ہے کہ شہدائے فخ کے اجسام کو بے گور وکفن روئے زمین پر چھوڑ دیا گیا اور وہ کہیں مدفون نہیں ہوئے۔

ذکر حال جعفر بن حسن مثنیٰ اور ان کی اولاد کا بیان

ابوالحسن جعفر بن حسن ایک فصیح البیان وطلیق اللسان سیدؒ تھے ان کا شمار بنی ہاشم کے خطیبوں میں ہے وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے منصور دوانیقی نے انہیں بھی قید کر لیا تھا پھر رہا کر دیا رہائی کے بعد مدینہ منورہ میں مراجعت فرمائی ستر برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں ہی وفات ہوئی ان کے چار بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔

(۱) عبداللہ (۲) قاسم (۳) ابراہیم (۴) حسن (۵) فاطمہ (۶) رقیہ (۷) زینب (۸) ام الحسن (۹) ام الحسین (۱۰) ام القاسم عبداللہ اور قاسم کے اولاد نہیں ہوئی ابراہیم کی والدہ ام ولدی رومیہ کی رہنے والی تھی اور ان کی اولاد میں عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم ہیں ان کی ماں آمنہ بنت عبیداللہ بن الحسین الاصغر بن علی بن الحسین علیہما السلام ہیں۔

انہی عبداللہ نے مامون رشید کی سلطنت کے زمانے میں فارس کا سفر کیا جبکہ وہ ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے خارجیوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کرکے انہیں شہید کردیا ان کے صرف ایک بیٹی تھی اس نے محمد بن جعفر بن عبداللہ بن حسین الاصغر سے عقد کیا اور اسی کے گھر میں وفات پائی۔ اس طرح ابراہیم بن جعفر کی اولاد منقرض ہو گئی حسن بن جعفر نے واقعہ فخ میں تخلف اختیار کیا ان کے چند بیٹیاں اور پانچ بیٹے تھے۔

۱۔ سلیمان (۲) ابراہیم (۳) محمد (۴) عبداللہ (۵) جعفر ان کی بیٹیوں میں سے ایک فاطمۃ الکبریٰ ہیں جو ام جعفر کے نام سے معروف ہیں۔ انہوں نے عمر بن عبداللہ بن محمد بن عمران بن علی بن ابی طالب علیہما السلام سے عقد کیا۔

سلیمان اور ابراہیم باپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے محمد جو سیلق کے نام سے معروف تھے ان کی والدہ ملیکہ بنت حسن بن داؤد بن حسن مثنیٰؑ تھیں ان کے ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔

۱۔ عائشہ (۲) محمد (۳) علی۔

علی ابن المحمدیہ کے نام سے معروف تھے ان کے ۷ اولاد تھیں جو مختلف شہروں میں پھیل گئیں کچھ راوند میں کچھ ہمدان میں کچھ قزوین اور کچھ مراغہ میں آباد ہوئے ان میں راوند کاشان میں سید عالم، فاضل کامل ادیب۔ محدث و مصنف ضیاء الدین ابوالرضا فضل اللہ

بن علی بن الحسین بن عبید اللہ۔ بن محمد بن عبید اللہ بن محمد۔ بن عبید اللہ بن حسن بن علی بن محمد سیلق مصنف ضوء الشہاب ہیں جو ابو علی۔ بن شیخ الطائفہ کے شاگرد تھے۔

عبد اللہ۔ بن حسن بن جعفر کے چار بیٹے تھے۔

۱۔ محمد (۲) جعفر (۳) حسن (۴) عبید اللہ ان کی ماں علویین میں سے تھیں محمد کے ایک بیٹا علی نام ان کا لقب باغر ہے اور اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ وہ متوکل عباسی کے غلام باغر سے جو ایک طاقتور انسان تھا جس نے متوکل پر تلوار اٹھا کر اسے قتل کیا تھا، کشتی لڑے تھے اس کشتی میں جب باغر پر غلبہ پایا۔ تو لوگوں کو تعجب ہوا اور وہ انہیں باغر کے لقب سے یاد کرنے لگے ان کے اولاد بہت ہوئی۔

محمد کے بھائی عبد اللہ ایک جلیل الشان امیر تھے مامون رشید نے انہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابو نصر بخاری کہتے ہیں کہ کاشان و نیشاپور میں عبد اللہ کی بہت سی اولاد آباد ہوئی۔

عبد اللہ امیر کی اولاد میں السید ابو السعادات ہبۃ اللہ بن علی بن محمد۔ بن علی بن عبد اللہ۔ بن حمزہ بن محمد۔ بن عبد اللہ۔ بن ابی الحسن عبد اللہ الامیر بن عبد اللہ۔ بن الحسن بن الحسن بن علی۔ بن ابی طالب علیہم السلام ہیں جو ابن الشجری النحوی کے نام سے مشہور ہیں جو علم نحو وغیرہ میں صاحب تصانیف ہیں ان کی تصانیف میں شرح لمع، امالی و حماسہ ہیں ۵۴۲ھ میں وفات پائی اپنے ہی گھر میں جو محلہ کرخ بغداد میں تھا مدفون ہوئے

رضوان اللہ علیہ۔

جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں ان کے تمام بیٹوں کے نام محمد ہیں۔ مگر ان کی کنیتیں علیحدہ علیحدہ ہیں جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔

(۱) ابوالفضل محمد (۲) ابوالحسن محمد (۳) ابو احمد محمد (۴) ابو جعفر محمد (۵) ابو علی محمد (۶) ابوالحسین محمد (۷) ابوالعباس محمد، ان کی بیٹیوں کے نام فاطمہ، زینب اور ام محمد ہیں۔

ابوالفضل محمد نے مستعین کے زمانہ سلطنت میں خروج کیا ابو طاہر نے اسے کوفہ کی تولیت کا فریب دیکر گرفتار کیا اور سر من رائے کے جیل میں بھیجدیا وہیں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی اولاد بہت زیادہ تھی جو بغداد میں امامت جمعہ و جماعت پر فائز رہی۔

ابوالحسن محمد جنکو ابو قیراط بھی کہتے ہیں ان کے اولاد بہت ہوئی انہی کی اولاد میں ابوالحسن محمد بن جعفر بغداد میں نقیب الطالبین ہیں ان کا لقب بھی ابو قیراط تھا ابو احمد ابو جعفر ابو العباس کے اولاد نہیں ہوئی۔ ابو علی اور ابوالحسین صاحب اولاد تھے۔

ذکر داؤد بن حسن مثنیٰ اور اس کی اولاد داؤد بن الحسن کی کنیت ابو سلیمان تھی وہ اپنے بھائی عبداللہ محض کی طرف سے صدقات امیرالمومنین علیہ السلام کے متولی تھے ان کو بھی منصور نے قید میں ڈال دیا تھا ان کی ماں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں روئیں اور عرض حال کیا صادق آل محمد علیہ السلام نے انہیں دعائے استفتاح تعلیم

فرمائی جو دعائے ام داؤد کے نام سے مشہور ہے۔ داؤد کی ماں نیمۂ رجب میں حسب فرمائش صادق آل محمد اس دعا کو عمل میں لائیں اور یہ عمل اس کے بیٹے کی رہائی کا سبب ہوا۔ داؤد نے ساٹھ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ داؤد کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ عبداللہ سلیمان ملیکہ و حمادہ ان تمام کی ماں ام کلثوم دختر امام زین العابدین علیہ السلام تھیں۔

ملیکہ کا نکاح ان کے چچازاد حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰؑ سے ہوا۔ عبداللہ کے دو بیٹے ہوئے محمد الازرق جو ایک پارسا اور فاضل بزرگ تھے ان کے بیٹا ہوا مگر پھر اولاد منقرض ہو گئی دوسرا بیٹا علی نام تھا اس کو ابن المحمدیہ بھی کہتے تھے ان کی زمانہ مہدی تک قید خانے میں وفات ہوئی ان کے بیٹے ہوئے ان میں سے ایک سلیمان تھے جو صاحب مجد اور بزرگ تھے سلیمان بن داؤد کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام محمد تھا اس نے ابوالسرایا کے زمانے میں مدینہ میں خروج کیا اور بروایتے مقتول ہوا اس کے بیٹے اور بیٹیاں آٹھ تھیں۔

(۱) سلیمان (۲) موسیٰ (۳) داؤد (۴) اسحاق (۵) حسن (۶) فاطمہ (۷) ملیکہ (۸) کلثم ان کے اولاد فراوانی سے ہوئی۔ ان میں سے حسن جد طاؤس اور مورث قبیلہ آل طاؤس ہیں۔

ذکر بنی طاؤس

الطاؤس اور وہ ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن حسن بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں. جو خوبصورتی خوبروئی اور حسن و جمال کی وجہ سے طاؤس کے لقب سے ملقب ہوئے ان کی اولاد عراق میں آباد رہی اور ان میں ہی عالم بزرگ السید العالم الزاہد المصنف الجلیل القدر جمال الدین احمد بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن احمد بن محمد بن محمد الطاؤس صاحب کتاب البشریٰ. ذوالملاذ وغیرہما ہیں اور ان کے بھائی السید الزاہد العالم صاحب الکرامات نقیب النقباء رضی الدین علی بن موسیٰ ہیں ان کی ماں شیخ الزاہد الامیر ورام بن ابی فراس کی بیٹی ہیں اسی وجہ سے شاعر انکے قصیدہ مدحیہ میں کہتا ہے:-

وورّام جدهم لأمهم ۞ ومحمد لأبيهم جد

ان کی ماں کی طرف سے ان کے جد ورام ہیں اور باپ کی طرف سے ان کے جد محمد ہیں۔

المختصر بنی طاؤس علما کی ایک جماعت ہیں. آل طاؤس کی فاضل ترین اور مشہور ترین ہستی سید اجل رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد، اور کتب اوعیہ و زیارات میں جن بزرگوار کے فضائل کا تذکرہ

ہوتا ہے اس سے مراد یہی ابن طاؤس ہیں۔

ان کے دوسرے بھائی عالم جلیل جمال الدین احمد ہیں جو فقہ ورجال میں یگانہ روزگار تھے۔ کتب فقہیہ ورجالیہ میں سید ابن طاؤس سے مراد وہی ہیں۔

ان کے تیسرے بیٹے جمال الدین احمد سید نبیل عبدالکریم صاحب کتاب فرحتہ الغری ہیں وہ علماء میں اجل اور یگانہ روزگار تھے، قوت حفظہ اور جودت فہم میں ممتاز تھے۔

ان کے چوتھے بیٹے عبدالکریم رضی الدین ابوالقاسم علی بن عبدالکریم ہیں۔ ان کے پانچویں بیٹے سید رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد صاحب کتاب زوائد الفوائد جو اسم وکنیت میں اپنے پدر بزرگوار کے شریک وسہیم تھے، کبھی کبھی ان کے بھائی سید جلال الدین محمد پر بھی ابن طاؤس کا اطلاق ہوتا ہے جن کے والد بزرگوار نے کتاب کشف المحجہ کو تصنیف فرمایا ہے۔

صاحب کتاب ناسخ التواریخ آل طاؤس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ناصر عباسی نے چاہا کہ طالبین کی نقابت سید رضی الدین کے سپرد کرے لیکن انہوں نے اپنے اشتغال وشغف عبادات کی وجہ سے انکار کیا خواجہ نصیر الدین محقق طوسیؒ نے انہیں منع فرمایا سید رضی الدین نے اس خوف سے کہ اگر وہ انکار کریں گے تو ہلاکو خان کے ہاتھ سے ہلاک ہونگے کراہت سے نقابت کو قبول کیا ان کی کئی ایک مفید تصنیفات

ہیں مثلاً مہج الدعوات کتاب تتمات، مصباح المتہجد، مہمات صلاح المتعبد اور مشہور کتاب کتاب الملہوف علی قتلی الطفوف ہیں، وہ مستجاب الدعوات تھے اس پر بہت سے شواہد صدق موجود ہیں کہتے ہیں کہ وہ اسم اعظم جانتے تھے انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ میں نے کئی مرتبہ استخارہ کیا ہے کہ تمہیں اسم اعظم سکھلاؤں لیکن اجازت نہیں ہوئی اس لئے میں اسم اعظم کو اپنی کتابوں میں محفوظ و مکتوب چھوڑ رہا ہوں اب یہ تمہارا فرض ہے کہ مطالعہ سے اسے سمجھ لیں۔

سید جمال الدین احمد کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام عبدالکریم غیاث الدین تھا۔ یہ جلیل الشان عالم سید خاص و عام میں عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کی تصانیف میں سے الشمل المنظوم فی اسماء مصنفی العلوم ہے نیز ان کے کتاب خانے میں دس ہزار نفیس کتابوں کے مجلدات موجود تھے۔

نقیب سید رضی الدین علی بن موسٰے کے دو بیٹے تھے ایک محمد جن کا لقب صفی الدین اور مصطفٰے کے نام سے معروف تھے دوسرے علی ملقب بہ رضی الدین اور مرتضٰے کے نام سے معروف تھے صفی الدین طاقتور نوجوان تھے مگر ان کا سلسلہ اولاد منقرض ہو گیا رضی الدین علی اپنے باپ کے بعد نقیب النقبا ہوئے ان کے ایک بیٹی ہوئی جو شیخ بدرالدین المعروف بہ شیخ المشائخ کے عقد میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام قوام الدین تھا وہ ابھی بچہ ہی تھے

کہ ان کے والدِ ماجد نے جہان سے رحلت فرمائی سلطان سعید اولجائیتو محمد خدا بندہ نے انہیں بلایا اور اپنے زانو پر بٹھلایا اور ان پر بہت مہربانی فرمائی اور سنِ طفولیت میں ہی ان کے باپ کی بجائے انہیں نقیب النقبا مقرر کیا۔ رضی الدین علی بن علی بن موسیٰ کی دوسری بیٹی فخر الدین محمد بن کتیلہ حسینی کے عقد میں آئیں لڑکے بیٹا ہوا جس کا نام علی الہادی رکھا جو بے اولاد باپ کی زندگی ہی میں ہی انتقال کر گیا۔

قوام الدین کے دو بیٹے ہوئے ایک عبد اللہ جن کی کنیت ابو بکر اور نقیب نجم الدین تھا دوسرا عمر نجم الدین نقابت بغداد و حلہ و سرمن رائے پر فائز ہوئے۔ اور باپ کے بعد نقیب النقبا کہلائے لیکن یہ ایک ضعیف الحال شخص تھے۔ اپنے خاندان کے بعض اموال و املاک کو قوام الدین نے تباہ و برباد کیا جو کچھ باقی رہا تھا اسے نجم الدین نے تلف کر دیا ؁ھ میں وفات پائی۔ ان کا بھائی ان کی جگہ نقیب ہوا عراق کے بنی طاؤس میں سے ایک سید مجد الدین ہیں جو صاحب کتاب البشارہ ہیں اس میں انہوں نے اخبار و آثار واردہ کا ذکر کیا ہے اور اسمیں مغلوں کے غلبہ اور سلطنت عباسیہ کے خاتمہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جب ہلاکو خان بغداد کی طرف آ رہا تھا تو سید مجد الدین نے حلہ کے سادات و علما کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس کتاب کو سلطان کے سامنے پیش کیا۔ ہلاکو خان نے ان کی تعظیم و تکریم کی حلہ، مشہدین اور ان کے گرد و نواح کے لوگوں کے لئے خط امان دیا

جب ہلاکو خان شہر بغداد میں آیا تو اس نے حکم دیا کہ منادی کی جائے کہ جو لوگ حلّہ اور اس کے گرد نواح کے ہیں صحیح و سلامت بغداد سے نکل جائیں چنانچہ یہ لوگ کسی زحمت و تکلیف کے بغیر بغداد سے نکل آئے شیخ جلیل حسن بن سلیمان حلی تلمیذ شہید اول نے اپنی کتاب منتخب البصائر میں کتاب البشارہ کو سید علی بن طاؤس کی نسبت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

ذکر مقتل عبداللہ بن الحسن بن الحسنؑ بن علی بن ابیطالبؑ

جب ولید بن یزید بن عبدالملک مارا گیا تو اموی حکومت کمزور ہو گئی اور اس کے زوال کا آغاز ہوا۔ بنی عباس اور بنی ہاشم کی ایک جماعت کہ ان میں ابو جعفر منصور اور ان کے بھائی سفّاح و ابراہیم بن محمد اور اس کے چچا صالح بن علی عبداللہ محض بن حسن جنکی والدہ فاطمہ دختر سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام تھیں اور عبداللہ محض کے دونوں بیٹے محمد و ابراہیم اور ان کے بھائی محمد دیباج اور ان کے علاوہ اور لوگ مقام ابوا میں جمع ہوئے اور اس بات پر متفق ہوئے کہ عبداللہ محض کے بیٹوں محمد و ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کریں اور ان میں سے ایک شخص کو سلطنت کے لئے منتخب کریں۔ سب کی رائے محمد بن عبداللہ پر قرار پائی چونکہ اسے مہدی کہتے تھے اور خاندان رسالت سے وہ یہ بات برابر سنتے رہے

تھے کہ مہدی آل محمد علیہم السلام جو سرکار رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم نام ہوگا روئے زمین کا مالک ہوگا اور مشرق و مغرب کو عدل وانصاف سے پر کرے گا۔ اس کے بعد کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی اس بنا پر انہوں نے محمد کی بیعت کی اس کے بعد انہوں نے عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا اس پر عبداللہ محض نے کہا کہ آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو مفت میں تکلیف دی کیونکہ وہ تمہاری رائے کو صحیح و درست خیال نہیں فرمائیں گے۔ جب صادق آل محمدؑ تشریف لائے تو عبداللہ محض انہیں خلوت میں لے گئے اور صورت حال کو بیان کیا۔ صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ایسا نہ کریں اگر تمہاری بیعت اس گمان پر مبنی ہے کہ محمد ہی مہدی موعود ہیں تو یہ قطعاً غلط ہے۔ یہ مہدی موعود نہیں اور یہ زمانہ ان کے خروج کا زمانہ نہیں ہے۔ اگر یہ بیعت اس لئے ہے کہ آپ حکومت کے خلاف خروج کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیں، پھر بھی ہم محمد سے بیعت نہیں کریں گے چونکہ آپ بنی ہاشم کے بزرگ ہیں آپ کو چھوڑ کر آپ کے بیٹے سے کیوں بیعت کریں عبداللہ نے کہا ایسا نہیں ہے آپ حسد کی وجہ سے (معاذ اللہ) بیعت میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں صادق آل محمد علیہ السلام نے سفاح کی پشت پر ہاتھ رکھکر فرمایا خدا کی قسم میں یہ بات حسد سے نہیں کہہ رہا بلکہ سلطنت اس شخص کے لئے اس کے بھائیوں اور ان کی اولاد

کے لئے ہے تمہارے لئے نہیں ہے۔ پھر عبداللہ محض کے شانے پر ہاتھ رکھکر فرمایا خدا کی قسم سلطنت تمہارے لئے اور تمہارے بیٹوں کے لئے نہیں ہوگی بلکہ یہ دونوں مارے جائیں گے۔ آپ نے یہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور عبدالعزیز بن عمران زہری کے ہاتھ کا سہارا لیکر چل دیئے۔ پھر عبدالعزیز سے فرمایا کہ تو نے زرد ردا اوڑھے ہوئے منصور کو غور سے دیکھا۔ اس نے کہا ہاں، فرمایا خدا کی قسم وہ عبداللہ کو قتل کریگا عبدالعزیز نے عرض کیا کیا محمد کو بھی قتل کرے گا فرمایا ہاں۔ عبدالعزیز کہتا ہے کہ مجھے رب کعبہ کی قسم میں نے خیال کیا کہ یہ بات انہوں نے حسد سے کہی ہے (معاذ اللہ) عبدالعزیز کہتا ہے کہ میں دنیا سے رخصت نہیں ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔

الغرض آنحضرت علیہ السلام کے تشریف لے جانے پر جلسہ برخاست ہوا لوگ منتشر ہو گئے اور انہی اپنی راہ لی۔ منصور آنحضرت کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچکر عرض کیا جیسا آپ نے اس مجلس میں ارشاد فرمایا ہے کیا ایسا ہی واقعہ ہوگا فرمایا واللہ یہ میں نے ان علوم کی رو سے کہا ہے جو ہمیں خدا کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔

بنی عباس نے اس بات کو محکم سمجھا اور اسی دن سے انہوں نے حصول سلطنت کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس سلسلہ میں تیاریاں کرنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے سلطنت حاصل کر لی۔

روى شيخنا المفيد من عنبسة ابن البخاري العابد قال كان جعفر بن محمد عليهما السلام اذا رأى محمد بن عبد الله بن الحسن تغرغرت عيناه ثم يقول بنفسي هو ان الناس ليقولون فيه انه لمقتول ليس هو هذا في كتاب علي عليه السلام من خلفاء هذه الامة

ہمارے شیخ مفید علیہ الرحمۃ والرضوان نے عنبسہ بن بخار العابد سے روایت کیا ہے کہ جعفر بن محمد علیہما السلام جب محمد بن عبد اللہ بن حسن کو دیکھا تو ان کی چشم ہائے مبارک میں آنسو بھر آئے پھر فرمایا مجھے اپنی جان کی قسم کہ لوگ اس کے بارے میں کچھ کہتے ہیں وہ شہید ہو گا چونکہ کتاب علی علیہ السلام میں اس کا نام اس امت کے سلاطین میں درج نہیں ہے اگرچہ ان مکالموں سے جو عبد اللہ محض کی سرکار صدق امام جعفر صادق سے ہوئیں ان کی امام علیہ السلام کے متعلق سوء رائے (غلط رائے) ظاہر ہے لیکن ان کی مدح میں بہت سے اخبار و احادیث وارد ہوئے ہیں۔ جن کا ہم ذکر کریں گے حضرت صادق آل محمد نے ان کے مصائب و آلام پر اکثر گریہ فرمایا ہے جبکہ انہیں مدینہ سے گرفتار کر کے کوفہ لیجایا جا رہا تھا۔ آپ نے انصار کے حق میں نفرین فرمائی۔ اور کثرت حزن و غم سے آپکو بخار ہو گیا انہوں نے عبد اللہ اور دوسرے افراد کے متعلق تعزیت نامے

بھی بھیجے۔ اور ان کے متعلق دعائیں فرماتے رہے اور فرمایا کہ یہ لوگ معذور ممدوح و مظلوم تھے اور حق امام کے عارف بھی تھے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہماری کسی حدیث سے ہمارا ان سے علیحدہ ہونا ظاہر ہو تو ایسی حدیث کو تقیہ پر محمول سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ مبادا ان کے خروج کو نہی عن المنکر کے لحاظ سے ایمہ طاہرین علیہما السلام کی طرف نسبت دیں۔ چنانچہ اس امر کی تائید خلاد بن عمیر کندی کی روایت کر رہی ہے۔ اس سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت سے شرفیاب ہوا آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں آل حسن کے متعلق کہ منصور انہیں مدینہ سے نکال کر لے گیا کچھ خبر ہے؟ مجھے ان کی شہادت کا علم ہو چکا تھا۔ میں نے نہ چاہا کہ آنحضرت علیہ السلام ان کے مصائب سے مطلع کروں میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ انہیں عافیت میں رکھے فرمایا انہیں عافیت کس طرح سے ہو گی یہ فرمایا اور باآواز بلند رونا شروع کیا آپ نے اس قدر گریہ فرمایا کہ ان کی گریہ وزاری سے ہم بھی خوب روئے پھر فرمایا۔ کہ میرے پدر بزرگوار نے سیدہ فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد حسین بن علی علیہما السلام سے سنا ہے کہ فرما رہے تھے۔

اے فاطمہ! تیری اولاد میں سے چند افراد فرات کے کنارے شہید کئے جائیں گے کہ

ما سبقھم الاولون ولا یدرکھم الاخرون۔

کہ نہ پہلے لوگ ان سے سبقت لے گئے اور نہ آخری زمانے کے لوگ ان کی مرتبت پائیں گے۔

پس یہ وہ لوگ ہیں جو فرات کے کنارے شہید ہوں گے

سید ابن طاؤس نے اپنے اخبار ان کی جلالت شان میں رقم فرمائے ہیں اور بیان کیا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ نہیں تھا کہ ان کا مہدی وہی مہدی موعود ہے جو انہیں مطالعہ کرنا چاہیئے وہ ان کی کتاب اقبال الاعمال میں ماہ محرم کے اعمال میں پڑھ سکتا ہے۔

قصہ کوتاہ عبداللہ محض کے بیٹے محمد و ابراہیم سلطنت کی خواہش میں زندگی بسر کر رہے تھے اور خروج کی تیاری میں مصروف تھے کہ سلطنت کا پانسہ ابوالعباس سفاح کے نام پر پڑا اس وقت وہ دونوں بھاگ کر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ سفاح عبداللہ محض کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔

سبط ابن الجوزی سے منقول ہے کہ ایک روز عبداللہ محض نے کہا کہ میں نے کبھی ایک لاکھ درہم اپنے پاس جمع نہیں دیکھا سفاح نے کہا آپ ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔ حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم لائیں چنانچہ ایک لاکھ درہم عبداللہ محض کو عطا کیا۔

ابوالفرج سے منقول ہے کہ جب سفاح تخت حکومت پر بیٹھا تو عبداللہ محض اور ان کے بھائی حسن مثلث سفاح کے پاس وفد کی صورت میں آئے۔ سفاح نے ان پر جود و سخا کے دروازے کھول دیئے وہ عبداللہ

کا احترام زیادہ کرتا تھا لیکن کبھی کبھی ان سے دریافت کرتا تھا کہ آپ کے بیٹے محمد و ابراہیم کہاں ہیں اور وہ آپ کے ہمراہ میرے پاس کیوں نہیں آئے عبداللہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے کہ ان کا روپوش ہونا کسی ایسے امر کے لئے نہیں ہے جو کسی ناگوار واقعہ کا سبب ہو۔ سفاح ہمیشہ عبداللہ سے یہ بات کرتا تھا جو عبداللہ کو ناگوار گزرتی تھی۔ پھر ایک دن اس نے یہ کہہ دیا عبداللہ! تم نے اپنے بیٹوں کو چھپا رکھا ہے کچھ بھی ہو تمہارے دونوں بیٹے محمد و ابراہیم مارے جائیں گے۔ عبداللہ نے جب یہ بات سنی تو نہایت حزن و ملال سے گھر آئے۔ حسن مثلث نے عبداللہ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے تو دریافت کیا کہ آپ کے اس غم و الم کا کیا سبب ہے عبداللہ نے محمد و ابراہیم کے بارے میں سفاح کے مطالبہ کو بیان کیا۔ حسن نے کہا کہ اگر سفاح اب ان کے متعلق سوال کرے تو کہہ دینا کہ ان کے چچا کو ان کا حال معلوم ہے تاکہ میں اسے اس امر میں ساکت کروں؟ اس دفعہ جو سفاح نے عبداللہ کے بیٹوں کا ذکر کیا۔ عبداللہ محض نے کہا کہ ان کے چچا ان کے حالات سے زیادہ واقف ہیں۔ سفاح نے اتنا صبر کیا کہ جب عبداللہ محض اس کے پاس سے چلے آئے تو حسن مثلث کو بلایا، اور محمد و ابراہیم کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ حسن نے کہا اے امیر! میں تم سے اس طرح بات کروں جس طرح رعایا اپنے بادشاہ سے کرتی ہے یا اس طرح کروں جس طرح کوئی شخص اپنے چچا زاد بھائی سے کرتا ہے، اس نے جواب دیا تم مجھ سے اس طرح بات کرو جس طرح چچا کی اولاد سے کی جاتی ہے۔

حسن نے کہا اے امیر! اگر اللہ تعالیٰ نے سلطنت محمد و ابراہیم کے لئے مقدر کی ہے۔ تو کیا تو اور آسمان و زمین کی تمام مخلوق انہیں سلطان بننے سے روک سکتی ہے؟ سفاح نے کہا لا واللہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں۔ پھر کہا اگر خداوند عالم نے سلطنت ان کے لئے مقدر نہیں کی تو کیا اگر تمام زمین و آسمان کے رہنے والے متفق ہو کر کوشش کریں۔ تو انہیں سلطنت مل سکتی ہے؟ سفاح نے کہا لا واللہ ایسا ہرگز نہیں۔ پھر فرمایئے کہ امیر! اس مرد پیر و بزرگ سے ہمیشہ کیوں مطالبہ کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو ناگوار بنا رہا ہے سفاح نے کہا اس کے بعد اب آپ مجھے کبھی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں سنیں گے پس اس کے بعد جب تک سفاح زندہ رہا کبھی ان کا نام زبان پر نہ لایا۔

پھر سفاح نے عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ تشریف لے جائیں۔ اس کے بعد سفاح دنیا سے چل بسا۔ منصور دوانیقی تخت حکومت پر بیٹھا۔ منصور نے پستی فطرت اور خبث طینت کی وجہ سے محمد و ابراہیم کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سنہ ۱۴۰ھ میں منصور نے حج کا ارادہ کیا۔ حج سے فارغ ہو کر اس نے مدینہ کے رستہ مراجعت کی۔ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو عبداللہ محض کو طلب کیا اور ان سے ان کے بیٹوں کے متعلق سوال کیا۔ عبداللہ نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ منصور نے ان سے سختی سے کلام کیا۔ بلکہ سب وشتم بھی کی اور حکم دیا کہ انہیں مدینہ طیبہ میں مروان کے گھر میں قید رکھا جائے اور قید خانے کا داروغہ ریاح بن عثمان کو مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ کے بعد اولاد ابو طالب کے ایک گروہ کو بھی بتدریج گرفتار کیا اور قید میں ڈال

دیا۔ اس جماعت میں عبد اللہ کے بھائی حسن، ابراہیم اور ابو بکر، حسن بن جعفر بن حسن مثنیؓ داؤد بن حسن مثنی کے بیٹے سلیمان بن عبد اللہ علی و عباس اور ابراہیم بن حسن مثنیؓ کے بیٹے محمد و اسحاق، حسن مثلث کے بیٹے عباس و علی عابد اور محمد نفس زکیہ کے بیٹے علی تھے یہ سب قید میں تھے۔ ریاح بن عثمان اولاد حسن کی اس جماعت کو جو قید و بند میں تھے بہت تنگ کر رہا تھا۔ ریاح بن عثمان کبھی کبھی کچھ نصیحت کرنیوالوں کو قید خانہ میں بھیجتا تھا تاکہ وہ عبد اللہ محض کو نصیحت کریں اور وہ تبلائے کہ اس کے بیٹے محمد و ابراہیم کہاں ہیں؟ جب یہ لوگ عبد اللہ محض سے یہ بات کہتے تھے بلکہ انہیں اپنے بیٹوں کی روپوشی پر ملامت کرتے تھے تو عبد اللہ ان کے جواب میں فرماتے تھے کہ میری مصیبت حضرت خلیل الرحمن ابراہیم علیہ السلام کی مصیبت سے بھی زیادہ ہے۔ چونکہ وہ اپنے بیٹے کے ذبح پر مامور تھے اور بیٹے کا ذبح کرنا اطاعت الٰہی تھا مگر مجھے لوگ کہتے ہیں کہ میں انہیں اپنے بیٹوں کا نشان دوں تاکہ وہ قتل کئے جائیں حالانکہ ان کا قتل کیا جانا معصیت الٰہی ہے۔ جب ان کی قید کو تین سال گزر گئے۔ تو منصور ۱۴۴ھ میں دوبارہ حج کے لئے مکہ معظمہ میں آیا جب مکہ سے واپس ہوا تو مدینہ میں داخل نہیں ہوا بلکہ ربذہ پہنچا۔ ریحان بن عثمان ان سے ملنے کے لئے ربذہ آیا۔ منصور نے اسے حکم دیا کہ وہ مدینہ لوٹ جائے اور بنی حسن کو جبل سے لاکر حاضر کرے بس ریاح بن عثمان قید جانے کے دوسرے منتظم ابو الازہر کو جو نہایت بد باطن اور خبیث تھا ہمراہ

لیکر مدینہ لوٹا۔ بنو حسن کو محمد دیباج کے ساتھ جو عبداللہ محض کے مادری بھائی تھے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر نہایت شدّت اور سختی سے ربذہ روانہ کیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پردہ کی اوٹ میں انہیں غور سے دیکھا اور بے اختیار رونے لگے یہاں تک کہ آنسو ریش اقدس سے ٹپکنے لگے۔ انصار کے گروہ پر نفریں کی اور فرمایا کہ انصار نے جن شرائط پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کی تھی ان میں وفا نہیں کی ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ اور ان کی اولاد کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی اور اپنی اولاد کی کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد صادق آل محمد گھر میں داخل ہوئے اور حضور کو بخار ہو گیا ۲۳ شب و روز بخار رہا اور آپ نہایت بیقراری سے گریہ وزاری فرماتے رہے یہاں تک لوگوں کو آپ کی زندگی کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

الغرض بنی حسن کو محمد دیباج کے ساتھ ربذہ میں لائے اور انہیں دھوپ میں ہی رکھتے۔ کچھ عرصہ کے بعد منصور کا آدمی آیا اور اس نے کہا تم میں محمد بن عبداللہ بن عثمان کون ہے۔ محمد دیباج نے فرمایا میں ہوں وہ شخص انہیں منصور کے پاس لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد تازیانوں کی آواز بلند ہوئی۔ محمد دیباج کے اس قدر تازیانے لگائے کہ ان کا رنگ اور چہرہ جو چاندی کی طرح سفید تھا زنگیوں کے رنگ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ ایک تازیانہ سے ان کی ایک آنکھ نکل گئی۔ انہیں اس حالت

میں زندان میں واپس لے گئے۔ تو انہیں عبداللہ محض کے پاس جگہ دی عبداللہ محض کو محمد دیباج سے بہت محبت تھی۔ اس وقت محمد دیباج پر پیاس کا انتہائی غلبہ تھا۔ انہوں نے پانی طلب کیا منصور کے خوف سے اس حالت میں بھی کسی کو پانی پلانے کی جرأت نہ ہوئی آخر عبداللہ محض نے کہا کون ہے جو رسول اللہؐ کے بیٹے کو پانی پلائے اس سے اہالی خراسان میں سے ایک شخص نے پانی پلایا۔

منقول ہے کہ محمد دیباج کے کپڑے تازیانہ لگنے اور خون نکلنے سے اس طرح جسم سے چپک گئے تھے کہ بدن سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے جسم پر تیل مل کر انہیں علیحدہ کیا گیا۔

سبط ابن جوزی سے روایت ہے کہ جب محمد دیباج کو منصور کے پاس لے گئے تو منصور نے پوچھا کہ وہ فاسق وکذاب محمد وابراہیم کہاں ہیں؟ محمد دیباج کی بیٹی رقیہ ابراہیم کی بیوی تھیں۔ محمد دیباج نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں منصور نے حکم دیا کہ اسے چار سو تازیانے لگائے جائیں اور تازیانوں سے پہلے انہیں سخت کپڑے پہنائے گئے۔

تازیانوں کے بعد وہ کپڑے سختی سے اتارے گئے اس سے ان کے جسم کی کھال ادھڑ گئی۔ محمد شکل وصورت میں نہایت خوبرو تھے اسی لئے انہیں دیباج کہتے تھے۔ ان کی ایک آنکھ تازیانہ لگنے سے نکل گئی تھی۔ جب انہیں زندان میں لا کر عبداللہ محض کے پاس جگہ دی اس

وقت محمد پیاس سے نہایت بے تاب تھے کسی جرأت نہ ہوئی کہ انہیں پانی پلائے۔ عبداللہ نے اس وقت بآواز بلند کہا۔ کیا تمہارا مسلمان ہونا یہی ہے کہ اولاد رسول پیاس سے مر رہی ہے اور تم انہیں پانی نہیں دیتے۔

منصور نے ربذہ سے سفر کیا جس محمل میں سفر کر رہا تھا ربیع حاجب اس کے ساتھ تھا منصور نے بنو حسن کو تشنہ و گرسنہ ننگے سر اور برہنہ جسم طوق و زنجیر میں جکڑ کر برہنہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ جب منصور اپنے محمل میں بیٹھے ہوئے جس پر حریر و دیباج کے پردے پڑے ہوئے تھے اسیران بنی حسن کے پاس سے گزرا عبداللہ بن حسن نے اسے اسی حالت میں دیکھا تو فریاد کی اور کہا کہ کیا غزوۂ بدر میں ہم نے تمہارے قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔ عبداللہ اس جملہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ منصور کے جدامجد عباس جب غزوہ بدر میں قید ہوئے تو رسول اللہ نے ان پر رحم فرمایا رات کو عباس قید میں نالہ وزاری کر رہے تھے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ عباس کی گریہ وزاری نے مجھے شب بھر سونے نہیں دیا پھر حضور نے عباس کی رہائی کا حکم دیا۔

ابوالفرج روایت کرتا ہے کہ منصور نے عبداللہ محض کے صدمہ کو بڑھانے کے لئے حکم دیا کہ محمد دیباج کا اونٹ آگے رکھیں اور عبداللہ محض کا اس کے پیچھے۔ عبداللہ محض کی نگاہ جب محمد دیباج کی پشت پر

پڑتی اور وہ ان زخموں کو دیکھتے جو تازیانوں کی وجہ سے ان کی پشت پر موجود تھے تو شدت سے جزع و فزع فرماتے تھے۔ الغرض اسی بری حالت میں انہیں کوفہ لے گئے اور انہیں ایک گہرے سرداب میں جو اب مجلس ہاشمیہ کے نام سے مشہور ہے قید کر دیا جو اس قدر تاریک تھا کہ دن اور رات میں وہاں تمیز نہیں ہوتی تھی سبط ابن جوزی کی روایت کے لحاظ سے اس جگہ اولاد حسن کے بیس افراد قید تھے

مسعودی کی روایت ہے کہ منصور نے سلیمان و عبداللہ فرزندان داؤد بن حسن مثنیٰ، موسیٰ بن عبداللہ محض اور حسن بن جعفر کو رہا کر دیا باقی سب قید میں رہے اور وہیں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کا قید خانہ فرات کے کنارے کوفہ کے پل کے قریب تھا۔ اس وقت یہ مقام کوفہ میں زیارت گاہ ہے اور ان قیدیوں کی تمام قبریں اسی قید خانے میں ہیں اس قید خانے کی چھت کو ان پر گرایا گیا تھا جب وہ قید خانے میں تھے تو انہیں قضائے حاجت کے لئے باہر نہیں لاتے تھے وہ اسی قید خانہ میں قضائے حاجت کرتے بتدریج غلاظت کی بدبو پھیل گئی جس سے انہیں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ خاندان رسالت کے بعض عقیدت مند کچھ خوشبو عطر وغیرہ ان کے لئے لے جاتے تھے تاکہ اس بدبو کا کچھ دفیعہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ اس بدبو کی وجہ سے اور قید خانے میں بند رہنے کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا اور وہ ورم نیچے سے بڑھ کر دل تک پہنچتا اور اس بیماری کا بیمار اسی عارضہ سے مر جاتا تھا۔

چونکہ یہ قید خانہ نہایت تاریک تھا اس لئے نماز کے اوقات کا تعین نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان میں جو حفاظ قرآن تھے وہ شبانہ روز میں ایک ختم قرآن کرتے تھے اور قرآن مجید کو پانچ حصوں میں تقسیم کر لیا تھا جب پانچواں حصہ ختم ہوتا تھا وہ نماز پڑھ لیتے تھے۔ حسن مثلث کے بیٹے بھی اسی قید خانہ میں محبوس تھے ان ہی میں علی ابن الحسن المعروف علی عابد بھی تھے جو مصائب و شدائد پر صبر و رضا میں ممتاز اور عبادت و ذکر الٰہی میں معروف تھے، روایت میں وارد ہوا ہے کہ بنو حسن کے زندان میں اوقات نماز کے معلوم کرنے کا ذریعہ ان کے شب و روز کے اوراد و وظائف تھے۔

ابو الفرج اسحاق بن عیسٰی سے روایت کرتے ہیں، کہ ایک روز عبداللہ محض نے میرے باپ کو قید خانہ سے پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ میرے باپ نے منصور سے اجازت لی اور عبداللہ محض کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عبداللہ نے کہا میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میرے لئے کچھ پانی لائے چونکہ پیاس کا مجھ پر غلبہ ہے میرے والد اپنے گھر سے عبداللہ کے لئے ایک پانی کی صراحی لائے عبداللہ نے جب صراحی سے منہ لگایا کہ پانی پئیں ابو الازہر زندانی آ پہنچا جب اس نے انہیں پانی پیتے دیکھا سخت غصہ کی حالت میں صراحی پر اس طرح ٹھوکر ماری کہ عبداللہ محض کے اگلے دانت ٹوٹ کر گر گئے۔ المختصر قید خانے میں ان کی یہ حالت تھی کہ بعض تو ان سختیوں کی وجہ سے مر گئے اور بعض کو مار ڈالا گیا۔ عبداللہ محض اہل بیت کے چند اور افراد کے ساتھ ابھی زندہ تھے کہ ان کے بیٹے۔ محمد و ابراہیم نے خروج کیا اور وہ شہید

ہوئے ان سروں کو منصور کے پاس بھیجا گیا منصور نے ابراہیم کا سر عبداللہ کے پاس بھیجدیا اس وقت وہ قید خانے میں مر گئے اور شہید ہوئے سبط ابن الجوزی سے منقول ہے کہ اس سے پہلے کہ محمد ابن عبداللہ مارا جائے۔ منصور کے عامل ابو عون نے خراسان سے لکھا کہ خراسان کے لوگوں نے ہماری بیعت محمد وابراہیم کے خروج کیوجہ سے توڑدی ہے منصور نے حکم دیا کہ محمد دیباج کا سر کاٹ کر خراسان بھیجدیں اور خراسانیوں کو اس طرح فریب دیں کہ کہیں کہ یہ سر محمد بن عبداللہ بن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے تاکہ خراسان کے لوگ محمد بن عبداللہ محض کے ساتھ خروج کرنے کے خیال کو ختم کر دیں۔

ذکر قتل محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب علیہم السلام الملقب بہ نفس زکیہ

محمد بن عبداللہ جن کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب صریح قریش ہے محمد کثرت زہد وعبادت کیوجہ نفس زکیہ مشہور ہوئے اور ان کے خاندان کے لوگ اس حدیث ان المہدی من ولدی اسمہ اسمی (مہدی میرا بیٹا ہے اس کا نام میرا نام ہے) غلط فہمی سے انہیں مہدی کہتے تھے اور مقتول با حجار زیت بھی کہا گیا ہے۔ لوگ ان کے علم فقہ عقل ودانائی شجاعت وسخاوت اور کثرت فضائل کیوجہ ان کی تعریف وتوصیف کرتے

ہیں۔ ان کے دونوں کتف پر بقدر بیضہ سیاہ خال تھے لوگوں نے ان خالوں کی وجہ سے انہیں مہدی موعود آل محمد سمجھ لیا اس لئے ان سے بیعت کی ان کے ظہور و خروج کے منتظر تھے خود ابو جعفر منصور نے دو دفعہ ان کی بیعت کی تھی ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں مسجد الحرام میں بیعت کی جب محمد مسجد سے باہر نکلے تو ان کی رکاب پکڑ کر انہیں سوار کیا، منصور ان کا ادب و احترام بہت زیادہ کرتا تھا ایک شخص نے منصور سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ کہ آپ اس قدر ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس پر جواب دیا تجھ پر افسوس ہے کیا تو نہیں جانتا کہ یہ شخص محمد بن عبداللہ محض ہے اور ہم اہل بیت کا مہدی ہے پھر دوبارہ ابوا میں بیعت کی۔ ابوالفرج اور سید ابن طاؤس نے ان تمام خبروں کی تردید کی ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ عبداللہ محض اور ان کا خاندان محمد کو مہدی موعود آل محمد سمجھتے تھے بلکہ عبداللہ محض اور تمام اہل بیت محمد نفس زکیہ کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مہدی موعود ان کے علاوہ اور ہیں۔ الغرض جب بنو عباس سلطنت پر قابض ہو گئے۔ تو محمد و ابراہیم روپوش ہو گئے۔ منصور کے زمانے میں جب کبھی ایک یا دو بادیہ نشین عرب پوشیدہ طور پر ان کے باپ کے پاس قید خانہ میں آتے تھے، تو اُن کے ذریعہ سے وہ پیغام بھیجتے تھے۔ کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم ظاہر ہو جائیں۔ اس لئے کہ اگر ہم دو آدمی مارے جائیں تو یہ بہتر ہے۔ اس سے اہل بیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جماعت ماری جائے۔ عبداللہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے

ان منعکما ابو جعفر ان تعیشا کریمین فلا یمنعکما

ان تموتا کریمین۔

اگر ابو جعفر منصور نہیں چاہتا کہ تم دو کریم انسانوں کی زندگی بسر کرو تو وہ تمہیں اس بات سے تو نہیں روکتا کہ تم دو کریم انسانوں کی موت مرو۔ اس قول میں اشارہ یہ ہے کہ تم اپنے مقصد کے لئے تیاری کرو اور منصور پر خروج کرو اگر نصرت تمہارے شامل حال ہوئی تو نتیجہ بہتر ہے۔ اگر مارے گئے تو اس میں بدنامی نہیں ہے جن دنوں میں وہ روپوش تھے منصور نے اطراف و جوانب میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے تاکہ ان کے متعلق اطلاع دیں۔

ابو الفرج کی روایت ہے کہ محمد بن عبداللہ نے بیان کیا کہ جب میں شعب جبال میں چھپا ہوا تھا ایک روز میں کوہ رضوی میں مقیم تھا میری بیوی بھی میرے ساتھ تھیں اور ایک شیر خوار بچہ بھی ساتھ تھا مجھے پتہ چلا کہ ایک غلام مدینہ سے میری تلاش میں آپہنچا ہے میں نے راہ فرار اختیار کی بچہ کی ماں بھی بچہ کو گود میں لئے ہوئے دوڑ رہی تھی ناگاہ وہ بچہ ماں کی گود سے پہاڑ سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا منقول ہے کہ اس موقعہ پر محمد نے چند اشعار کہے جن کا آخری شعر ہے:۔

قد کان فی الموت لہ راحۃ

والموت حتم فی الرقاب العبادکہ

یہ موت اس بچہ کے لئے راحت تھی موت ضروری طور پر

خدا کے بندوں کے گردن میں پڑی ہوئی ہے۔

الغرض محمد نے ۱۴۵ھ میں خروج کیا اور دو سو پچاس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے تکبیر کی آوازیں بلند کیں۔ قید خانے میں داخل ہو کر قیدیوں کو رہا کر دیا ریاح بن عثمان داروغہ جیل کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ محمد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا جس میں منصور کے خباثت اور اس کے مثالب و مطاعن بیان کئے لوگوں نے مالک بن انس سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا ہم محمد کی بیعت کر سکتے ہیں جبکہ منصور کی بیعت ہماری گردن میں ہے مالک بن انس نے فتویٰ دیا کہ تم محمد کی بیعت کر سکتے ہو۔ چونکہ تم نے منصور کی بیعت بطیب خاطر نہیں کی بلکہ جبر و تشدد اور کراہت سے کی ہے پس لوگوں نے جلد ہی محمد کی بیعت کر لی۔ محمد مکہ مدینہ اور یمن پر قابض ہو گئے اس صورت حالات پر منصور نے محمد کو ایک خط لکھا جس میں انہیں صلح کی دعوت دی اور امان کا وعدہ کیا محمد نے اس خط کا کافی و شافی جواب دیا۔ اور اپنے جواب کے آخر میں لکھا کہ تو کون سی امان میرے لئے پیش کر رہا ہے۔ کیا وہی امان ہے تو تو نے ابن ہبیرہ کو دی یا وہ امان ہے جو تو نے بالخصوص عبداللہ بن علی کو دی یا وہ امان ہے جس سے تو نے ابو مسلم خراسانی کو خرسندہ کیا یعنی تیری امان پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے جبکہ ان تین آدمیوں کو تو نے امان دی اور پھر امان پر عمل نہ کیا۔

جب منصور صلح سے مایوس ہو گیا تو اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو

جواس کا ولیعہد بھی تھا جنگ کی تیاری کے لئے حکم دیا اور باطناً کہا کہ ان دونوں یعنی عیسیٰ بن موسیٰ یا محمد بن عبداللہ محض میں سے کوئی بھی قتل ہو جائے بہتر ہے چونکہ منصور عیسیٰ کی زندگی نہیں چاہتا تھا۔ سفاح نے عہد کیا تھا کہ منصور کے بعد عیسیٰ بادشاہ ہو اور منصور کو اس کی سلطنت گوارا نہیں تھی۔

الغرض عیسیٰ دو ہزار اور چار ہزار پیادہ کے ساتھ محمد کے مقابلے کے لئے نکلا منصور نے اس سے کہا کہ لڑائی سے پہلے اسے امان کی پیشکش کرتا شاید لڑائی کے بغیر وہ سر اطاعت ہمارے سامنے جھکا دے الغرض عیسیٰ نے کوچ کیا اور فید پہنچکر چونکہ رستے میں ایک منزل ہے محمد کے ہمراہیوں کے ایک گروہ کو خط لکھا اس خط سے وہ لوگ محمد کی نصرت سے دستبردار ہو گئے جب محمد کو اطلاع ملی کہ عیسیٰ اس کے مقابلے کے لئے چل پڑا ہے تو جنگ کی تیاری شروع کی اور مدینہ کے اردگرد ایک خندق کھودی ماہ مبارک رمضان تھا کہ عیسیٰ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ کی صورت میں محمد نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جن لوگوں نے اس سے بیعت کی تھی یا، سے نصرت کے خطوط لکھے تھے ان کی فہرست کو بھی جلا دیا اور ان خطوط کو بھی پھر کہا اب مرگ میرے لئے گوارا ہے اگر اس نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو یہ لوگ عظیم مصیبت میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ اگر وہ فہرست منصور کے لشکر کے ہاتھ آجاتی اور انہیں ان لوگوں کا پتہ لگ جاتا جنہوں نے بیعت کی تھی تو ان سب کو قتل کر دیا جاتا۔ الغرض عیسیٰ نے مدینہ کی پہاڑی سلع پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد کے لئے امان ہے محمد نے جواب میں کہا کہ تمہاری امان

میں وفا نہیں اور ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے اس وقت محمد کا لشکر متفرق و پراگندہ ہو چکا تھا اور ایک لاکھ آدمیوں میں سے جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی ۳۰۶ آدمی ان کے ساتھ تھے جو تقریباً غازیان بدر کا عدد ہے پس محمد اور ان کے ساتھیوں نے غسل کیا اور حنوط کر کے اپنے گھوڑوں کو پے کر دیا عیسیٰ اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور تین دفعہ انہیں شکست دی پھر عباسی لشکر نے اکٹھے ہو کر اور تیار ہو کر ایک ہی دفعہ ان پر ہلہ بول دیا اور انہیں شہید کر دیا، حمید بن قحطبہ نے محمد کو شہید کیا اور ان کا سر عیسیٰ کے پاس لے گیا محمد کی بہن زینب اور محمد کی بیٹی فاطمہ نے محمد کا جسم خاک پر سے اٹھایا اور اسے لے جا کر بقیع میں دفن کیا پھر محمد کا سر منصور کے پاس لے گئے منصور نے حکم دیا کہ محمد کا سر کوفہ میں نصب کریں اور پھر شہروں میں پھرائیں محمد نفس زکیہ کی شہادت وسط ماہ رمضان ۱۴۵ھ میں ہوئی ان کے ظہور سے ان کی شہادت کے وقت تک مدت دو ماہ سترہ دن ہوتی ہے۔ ان کی عمر ۴۵ سال تھی ان کی شہادت احجار زیت، مدینہ میں ہوئی جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام نے اخبار غیبیہ میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے

وانہ یقتل عند احجار زیت اور وہ احجار زیت کے قریب شہید ہوں گے۔

ابو الفرج روایت کرتے ہیں کہ جب محمد شہید ہو چکے تو ابن جعفر جو اصحاب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھے قید خانے

میں مارے گئے اور ریاح بن عثمان کو جو منصور کا داروغۂ جیل تھا مار ڈالا اور محمد کے انصار کی جو فہرست ان کے پاس تھی اسے جلا دیا وہ عباسیوں کے ساتھ ذکر نکل گئے اور جب تک زندہ رہے ان سے گوریلا لڑائی لڑتے رہے آخر شہید ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کے سر پر اس قدر زخم تھے کہ اسے حرکت دینا ممکن نہیں تھا ان کا سر پختہ اور سرخ شدہ گوشت کی طرح ہو گیا تھا کہ جہاں بھی اس پر ہاتھ رکھتے تھے وہی جگہ لگی ہوئی تھی۔

ذکر شہادت ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

معروف بقتیل باخمری

صاحب مروج الذہب مسعودی لکھتے ہیں کہ جب محمد بن عبداللہ محض نے خروج کا ارادہ کیا تو اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیلا دیا تاکہ وہ لوگوں سے بیعت لیں چنانچہ ان میں سے اپنے بیٹے علی کو مصر بھیجا اور وہ مصر میں ہی مارے گئے سبط ابن الجوزی کی روایت ہے کہ وہ قید میں شہید ہوئے انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو خراسان بھیجا منصور کے لشکر دں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر سندھ چلے گئے اور وہیں شہید ہوئے ایک اور بیٹے حسن کو یمن بھیجا انہیں وہیں گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور اسی قید میں انہوں نے وفات پائی۔

یہ مسعودی کا قول ہے لیکن دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن

محمد حسین بن علی کے ہمراہ واقعہ فخ میں شہید ہوئے اور عیسیٰ بن موسیٰ نے انہیں شہید کیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں محمد کے بھائی موسیٰ جزیرہ میں شہید ہوئے اور ان کے ایک اور بھائی یحییٰ نے رے و طبرستان کی طرف سفر کیا اور آخر کار ہارون رشید نے انہیں شہید کر دیا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے محمد کے ایک اور بھائی ابراہیم نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور انہوں نے وہیں سے خروج کیا۔ فارس اور اہواز کے بہت سے لوگوں نے بغداد کے معتزلہ اور زیدیہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے نیز اور دوسرے لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی اور طالبین یعنی اولاد جناب ابو طالب میں سے عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین علیہما السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسے اور سعید بن سلم کو بہت سے لشکر کے ساتھ جنگ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے سرزمین باخمری میں جو طف یعنی کربلا کے علاقہ میں کوفے سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر ہے ابراہیم کو شہید کر دیا۔ اور ان کے پیروان کو جو جماعت زیدیہ میں سے تھے ان کی تعداد چار سو یا بقولے پانچ سو تھی قتل کر دیا۔ ابراہیم کی شہادت کا ذکر جیسا کہ تذکرہ سبط ابن الجوزی میں مسطور ہے اس طرح پر ہے۔ کہ یکم شوال ۱۴۵ھ یا بقولے رمضان ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے بصرہ سے خروج کیا اور بے شمار جماعت نے اس سے بیعت کی منصور نے اسی سال شہر بغداد کی بنیاد رکھی تھی اور بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا کہ اسے ابراہیم کے خروج کی خبر ملی۔ اور معلوم ہوا کہ وہ فارس اور اہواز پر قبضہ کر چکے ہیں اور بہت سی جماعت ان کے گرد جمع ہے اور لوگ بطیب

خاطر ورغبت ان کی بیعت کر رہے ہیں اور ان کا مقصد اپنے بھائی محمد کا انتقام اور ابو جعفر منصور کو قتل کرنا ہے۔ منصور نے جب یہ سنا تو دنیا اس کی نگاہوں میں تیرہ و تاریک ہو گئی، شہر بغداد کی تعمیر سے دست بردار ہو کر لذات و وظائف زوجیت کو ترک کر دیا اور عہد کیا کہ وہ عورتوں کے نزدیک نہیں جائے گا اور عیش و لذت میں مشغول نہیں ہو گا جب تک ابراہیم کا سر میرے سامنے یا میرا سر ابراہیم کے سامنے نہیں آئے گا۔ المختصر منصور پر سخت ہراس طاری تھا۔ چونکہ ایک لاکھ لشکر ابراہیم کے ہمراہ تھا اور منصور کے پاس دو ہزار سے زیادہ لشکر اس وقت موجود نہیں تھا اور اس کے لشکر شام، افریقہ اور خراسان میں پھیلے ہوئے تھے اس پر منصور نے عیسٰی بن موسٰے بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ابراہیم کی جنگ کے لئے روانہ کیا۔ اس طرف ابراہیم کوفیوں کے وعدوں پر فریفتہ ہو کر بصرہ سے کوفہ روانہ ہوئے کیونکہ اہل کوفہ بصرہ میں ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا تھا کہ کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا انتظار کر رہا ہے اور آپ پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ ہے بصرہ کے لوگوں نے آپ کو کوفہ تشریف لے جانے سے منع کیا لیکن انہوں نے اس بات پر توجہ نہ دی کوفہ سے سولہ فرسخ باخمری کے مقام میں جو طف (کربلا) کے علاقہ میں ہے عباسی لشکروں سے ملاقات ہوئی دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے اور لڑائی شروع ہوئی ابراہیم کے لشکر نے عباسی سپاہ پر فتح پائی اور عباسیوں کو شکست ہوئی۔ ابو الفرج

کی روایت کے مطابق عباسی لشکر اس بری طرح سے پسپا ہوا کہ لشکر کا مقدمہ کوفہ میں داخل ہو گیا لیکن بروایت تذکرہ منصور کے لشکر کا سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ اپنے خاندان کے سو آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹا رہا اور اس نے لڑائی سے روگردانی اختیار نہ کی۔ قریب تھا کہ ابراہیم ان پر بھی فتح حاصل کر لے اور انہیں صحرائے عدم میں دھکیل دے کہ دوران جنگ میں ایک تیر جس کے چلانے والے کا علم نہیں ہو سکا ابراہیم کے لگا۔ اور وہ فرما رہے تھے۔

کان امر اللہ قدرا مقدورا اردنا امرا واراد اللہ غیرہ

اللہ کا امر پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا ہم نے جو امر چاہا اللہ نے اس کے سوا چاہا ابو الفرج کی روایت ہے کہ ابراہیم کی شہادت اس وقت ہوئی جبکہ عیسیٰ بن موسیٰ راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔ ابراہیم کو میدان جنگ کی گرمی اور حرارت تکلیف پہنچا رہی تھی وہ اپنی قبا کے بٹن کھول رہے تھے انہوں نے کپڑے جسم سے اتار دیئے تاکہ گرمی کی تیزی کم ہو جاتے ناگاہ ایک تیر جس کا چلانے والا غیر معلوم تھا گردن کی گہرائی میں بے اختیار لگا انہوں نے اپنے ہاتھ گھوڑے کی گردن میں ڈال دیئے۔ زیدیہ جوان کی رکاب میں وفا کا ثبوت دے رہا تھا دوڑ کر پہنچا اور انہیں اپنے حلقہ میں لے لیا۔ اور ایک روایت کے لحاظ سے بشیر رحال نے انہیں سینے سے لگا لیا۔

الغرض اسی تیر نے ابراہیم کا کام تمام کر دیا اور وہ دنیا فانی سے چل بسے عیسیٰ کے ساتھی جو فرار ہو چکے تھے پلٹ پڑے اور جنگ کی آگ شدت

سے بڑھک اٹھی، جب اس طرح سے منصور کے لشکر کو فتح ہوئی تو ابراہیم کے لشکر کے بعض آدمی مارے گئے اور باقی نے راہ فرار اختیار کی بشیر رحال بھی شہید ہو گیا۔ اس وقت عیسیٰ کے ساتھی ابراہیم کا سر کاٹ کر عیسیٰ کے پاس لے گئے عیسیٰ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور سر منصور کے پاس روانہ کیا۔

ابراہیم کی شہادت دوپہر کے وقت دوشنبہ کے روز ذوالحجہ ۱۴۵ھ میں ہوئی۔ لیکن ناصر بخاری اور سبط جوزی کی روایت کے لحاظ سے ابراہیم کی شہادت کا دن روز دو شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ ہے اس وقت ان کی عمر ۴۶ سال تھی حضرت امیر علیہ السلام اپنے غیبیہ میں ابراہیم کے انجام کار کی اس طرح خبر دے رہے ہیں،

بباخمری یقتل بعد یظهر و یقهر بعد ان یقهر

یعنی ابراہیم باخمریٰ میں تسلط کے بعد شہید کئے جائیں گے، اور غلبہ حاصل کر کے مغلوب ہوں گے

نیز فرماتے ہیں،

یاتیه سهم غرب منیته فیا بوس الرامی شلت ید ا

و وهن عضد ا۔

ایک تیر آئے گا جس میں ان کی موت ہو گی اتیر چلانے پر کاش سختی ہو اس کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور اس کا بازو کمزور ہو جائے

منقول ہے کہ جب منصور کے لشکر کو شکست ہوئی اور اس کی خبر

اسے پہنچی تو دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہوگئی اور کہا۔ اَیْنَ قول صادقہم
این لعب الغلمان والصبیان صادق بنی ہاشم کا قول کیا ہوا قرار ہے
تھے کہ بنی عباس کے لڑکے سلطنت سے کھیلیں گے۔ منصور کے اس قول
میں سے مراد صادق آل محمد علیہم السلام کے وہ اخبار غیبیہ ہیں جو انہوں نے
بنی عباس کی سلطنت اور عبداللہ محض کے بیٹوں محمد و ابراہیم کی شہادت
کے متعلق ارشاد فرماتے تھے جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جب
خاندان رسالت اور بنی عباس ابوا میں جمع ہوئے اور انہوں نے محمد
بن عبداللہ سے بیعت کی اس وقت سرکار صدق امام جعفر صادق علیہ
السلام بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے ان کی اس رائے کو صحیح نہ سمجھا
اور فرمایا سلطنت تو منصور کے لئے ہوگی محمد و ابراہیم کا اس میں حصہ نہیں
ہے منصور محمد و ابراہیم کو شہید کرے گا۔ منصور نے اسی روز سے حصول سلطنت
کا ارادہ کر لیا یہاں تک سلطنت حاصل کر لی چونکہ وہ صادق آل محمد علیہ
السلام کی خبر کو کیا ہوا۔ وہ سخت مضطرب اور پریشان تھا زیادہ دیر
نہیں گزری تھی کہ ابراہیم کی شہادت کی خبر اسے ملی اور پھر ابراہیم کا سر بھی
اس کے سامنے دکھا گیا منصور نے جب ابراہیم کے سر کی طرف غور سے
دیکھا اس قدر رویا کہ اس کے آنسو اس سر پر ٹیک رہے تھے پھر اس نے
کہا خدا کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ آپ کا معاملہ اس
انتہا تک پہنچ جائے۔

حسن بن زید بن علی بن ابی طالب علیہم السلام سے منقول ہے کہ ابراہیم

کا سر جب منصور کے پاس پہنچا میں اس وقت اس کے پاس موجود تھا جب میری نظر اس سر پر پڑی مجھ پر غیظ و غضب کی کیفیت طاری ہوئی اور جوش گریہ سے میرا حلق گھٹنے لگا مگر میں نے ضبط کیا۔ اس خوف سے کہ منصور ملتفت ہو جائے ناگاہ منصور میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے اے ابا محمد! کیا ابراہیم کا یہی سر ہے۔ میں نے کہا ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا تھا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں تاکہ معاملہ یہاں تک نہ پہنچے منصور نے کہا مجھے بھی یہی پسند تھا کہ وہ میری اطاعت اختیار کرے اور یہ صورت حالات پیش نہ آئے مگر اس نے میری مخالفت شروع کردی اور میرا سر لینا چاہا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ آج اس کا سر میرے سامنے موجود ہے پس حکم دیا کہ اس سر کو کوفے میں لٹکائیں تاکہ کوفے کے لوگ اس سر کو دیکھ لیں پھر ربیع حاجب کو حکم دیا کہ اس سر کو ان کے باپ کے پاس قید خانہ میں لے جائیے جب یہ سر پہنچا عبداللہ محض اس وقت نماز میں مصروف تھے اور ان کی پوری توجہ رب العزت کی طرف تھی۔ لوگوں نے کہا اے عبداللہ نماز کو جلد ختم کردو اور تعجیل اختیار کرو کہ تمہیں ایک امر درپیش ہے جب عبداللہ نے بعد سلام نماز کو ختم کیا تو اپنے بیٹے کا سر اپنے سامنے دیکھا سر کو لیا اور اپنے سینہ سے لپٹا کر کہا۔

اهلاً بك وسهلاً لقد وفيت | رحمك الله يا ابا القاسم!
اے نور چشم ابا القاسم خوش آمدید | بعهد الله وميثاقه

خدا تم پر رحمت نازل کرے تو نے اللہ کے عہد و میثاق کو پورا کیا تو

ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق خدا فرماتا ہے
الذین یوفون بعہد اللہ ومیثاقہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد و میثاق کو پورا کرتے ہیں ربیع نے عبد اللہ سے پوچھا کہ ابراہیم کیا تھا فرمایا ایسا تھا کہ کسی شاعر نے فرمایا ہے۔

فتی تحبیہ من الذل نفسہ　　ویکفیہ سوء الذنوب اجتنابہا

ایسا نوجوان جو ذلت سے اپنے نفس کو بچاتا تھا گناہوں کی برائیوں سے اس کا اجتناب اس کے لئے کافی ہے۔

پھر ربیع سے فرمایا منصور کو کہہ دینا کہ ہماری سختی اور شدت کے دن ختم ہو گئے تیری نعمت کا زمانہ بھی ایسا ہی ہے وہ ہمیشہ نہیں رہے گا ہم اور تم قیامت کے دن خدائے حکیم کے روبرو پیش ہوں گے وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا ربیع کہتا تھا کہ جب یہ پیغام میں نے منصور کو پہنچایا تو ایسی دل شکستگی کے آثار اس پر ظاہر ہوئے کہ میں نے اس حالت میں اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہت سے شاعروں نے محمد و ابراہیم کے مرثیے کہے دعبل خزاعی نے بھی جو مرثیہ اہل بیت رسالت کے متعلق کہا ہے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ کہا ہے

قبور بکوفان واخری بطیبۃ　　واخری بفخ نالہا صلواتی
واخری بارض الجوزجان محلہا　　وقبر بباخمری لدی الغربات

کچھ قبریں کوفہ میں ہیں کچھ اور طیبہ میں ہیں کچھ اور فخ میں ہیں میرا درود سلام انہیں پہنچے کچھ قبروں کا مقام سرزمین جوزجان میں

ہے ایک قبر عالم غربت میں باخمری میں ہے۔

ابراہیم قوی ہیکل اور مرد توانا تھے فنون علوم میں انکا ایک خاص مقام تھا جب عالم روپوشی میں بصرہ میں زندگی بسر کر رہے تھے تو مفضل کے گھر پر تھے انہوں نے مفضل سے کتابیں طلب کیں مفضل نے شعرائے عرب کے دواوین پیش کئے انہوں نے ان میں سے سات قصیدے چنے اور حفظ کر لیئے مفضل کے شہید ہونے کے بعد مفضل نے ان قصیدوں کو جمع کیا اور مفضلیات و اختیار اشعار ان کا نام رکھا۔ مفضل ان کی شہادت کے دن ان کے ملازم رکاب تھا اور وہ ابراہیم کی شجاعتوں کا داستان گو رہا اور ان کے چند اشعار اسی سے منقول ہیں جب ابراہیم نے خروج کیا اور لوگوں نے انکی بیعت کی تو وہ لوگوں سے عدالت اور خوبی سیرت سے پیش آتے تھے واقعہ باخمری میں ایک رات وہ اپنے لشکر میں چکر لگا رہے تھے انہوں نے گانے بجانے کی آواز سنی اور ان پر حزن و ملال طاری ہوا اور فرمایا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ جو لشکر ان مشاغل میں مصروف ہو وہ فتح و ظفر حاصل کر سکے بہت سے علما و فضلا اور ناقلین آثار نے ابراہیم سے بیعت کی اور لوگوں کو ان کی نصرت کے لئے ترغیب دی ان لوگوں میں عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین علیہما السلام۔ شبیر رجال اسلام بن ابی واصل ہارون بن سعید فقیہ اور ان کے خواص اور تابعین کی جماعت شامل تھی عباد بن منصور قاضی بصر مفضل بن محمد مسعر بن کدام وغیرہ وغیرہ بھی تھے منقول ہے کہ اعمش بن مہران لوگوں کو ابراہیم کی نصرت کی ترغیب و تحریص فرماتے تھے نیز فرماتے تھے اگر میں اندھا نہ ہوتا تو خود ان کی نصرت کیلئے نکل پڑتا

تمت بالخیر